

مَعَارِفُ الْحَدِيثِ

جلد چہارم

— یعنی —

احادیث نبویؐ کا ایک جدید انتخاب
اردو ترجمہ اور تشریح کے ساتھ

— تالیف —

محسنہ منظور نعمانی

کتاب خانہ افسانہ کج پھرنی روڈ، لکھنؤ

مَا أَتَاكَ الْبُرْهَانُ فَخُذْهُ وَمَا عَاجَلَكَ عَنْهُ فَانْتَهِلْ

مِخَارِفُ الْحَدِيثِ

احادیث نبوی کا ایک جدید اور جامع انتخاب
 اردو ترجمہ اور تشریحات کے ساتھ

جلد چہارم

کتاب الزکوٰۃ + کتاب الصوۃ + کتاب الحج

تالیف

مولانا محمد منطوق نعمانی

ناشر: کتب خانہ "الفُرْقَان" کیمری روڈ، لکھنؤ

قیمت مجلد ۵/۵۰	عربی متن و تفسیر لکھنؤ	بار اول ۱۰۰۰
قیمت غیر مجلد ۴/۰۰	مکتبہ نبویہ	جلد اول ۵۸۶
۱۰/۰۰		جلد دوم ۵۸۶

نیکو سنجھاں را اصلاح کئے عام ۱۰۰

ربیع الثانی پینام دہ

پیشکش

میں سب انجمن دین کی خدمت میں ————— جو

سی اے سی بیٹہ حضرت محمد بن (مناہ) کی مہربانی و سہولت سے

یہاں دیکھئے ہیں ————— اور

اس کی ادارت سے اس خدمت کی پیروی میں اپنی اور عام اولاد کو

نور و یقین کرتے ہیں ————— اور

اس لئے اب کی تعلیم اور طرز زندگی سے صحیح واقفیت حاصل کرنا چاہئے ہیں

آئیے

علم و نصویر ہی کے راستے سے مجلس ہوشی میں حاضر ہوں

اس کے ارشادات سنیں ————— اور

اس چشمہ انوار سے

اپنے تاریک دلوں کے لئے روشنی حاصل کریں !

UR 3

29713

1974

1974

عاجز و عاصی

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

V-96

فہرست مضامین "معارف الحدیث" (جلد چہارم) - بقید صفحہ

عنوان یا مضمون کا اشاریہ

صفحہ

کتاب الزکوٰۃ

۱۹

دین میں زکوٰۃ کی اہمیت اور اس کا مقام
وفات نبویؐ کے بعد زکوٰۃ کا انکار کرنے والوں کے خلاف جہادِ مائتبع برحق

۲۰

پہلا اجتماع

۲۱

زکوٰۃ کے تین پہلو

۲۲

زکوٰۃ کا حکم انکی شریعتوں میں

۲۳

مطلق زکوٰۃ کا حکم اسلام کے ابتدائی دور میں قرآن سے سنت سے آج تک

۲۴

ایک اور نماز کے بعد زکوٰۃ کی دعوت

۲۵

زکوٰۃ ادا نہ کرنے کا سزا

۲۶

زکوٰۃ ادا نہ کرنا مال کی بربادی کا باعث

۲۷

زکوٰۃ مال کی تطہیر اور تزکیہ کا درجہ

۲۸

زکوٰۃ کے تفصیلی احکام اور ضوابط

۲۹

مے لم کتنے ماں پر زکوٰۃ فرض ہے

۳۰

اموال تجارت پر زکوٰۃ

۳۱

زکوٰۃ سال گزرنے پر واجب ہوئی

۳۲

زیورات پر زکوٰۃ کا حکم

۳۳

زکوٰۃ پیشگی بھی ادا کی جاسکتی ہے

۳۴

زکوٰۃ اور صدقات کے مستحقین

- ۴۳ پیشہ کے طور پر بھیک مانگنے والے ”فقراء“ اور ”مساکین“ نہیں ہیں۔
- ۴۵ جو لوگ تندرست و توانا ہوں اور کمائے کما سکیں انھیں زکوٰۃ نہیں لینا چاہئے۔
- ۴۵ زکوٰۃ و صدقات اور خاندان نبوت
- ۵۰ رکن حالات میں سوال کرنے کی اجازت ہے اور کن حالات میں اجازت نہیں ہے۔
- ۵۵ سوال میں بہر حال دلت ہے۔
- ۵۵ اگر سوال کرنا ناگزیر ہو تو اللہ کے نیک بندوں سے کیا جائے۔
- ۵۶ اپنی حاجت بندوں کے سامنے نہ رکھو، بس اللہ کے سامنے رکھو
- ۵۶ بندوں سے سوال نہ کرنے پر حجت کی ضمانت
- ۵۷ اگر بغیر سوال اور طبع نفس کے کچھ ملے تو اللہ کا عطیہ ہے اُسے لے لینا چاہئے۔
- ۵۸ جس تک محنت سے کما سکتے ہو سوال نہ کرو
- ۶۱ زکوٰۃ کے علاوہ مالی صدقات
- ۶۳ امیر عریب ہر مسلمان کے لئے صدقہ لازم ہے
- ۶۳ ہاتھ پاؤں کے کسی کی خدمت اور زبانی حمد و ثناء بھی ایک قسم کا صدقہ ہے
- ۶۳ صدقہ کی ترغیب اور اس کی برکات
- ۶۵ جو اللہ کی راہ میں بے حساب دے گا اللہ تعالیٰ اس کو بے حساب عطا فرمائے گا
- ۶۶ جو راہ خدا میں خرچ کر دیا جائے وہی باقی اور کام آنے والا ہے
- ۶۷ اتفاق کے بارے میں اصحاب یقین و توکل کی راہ
- ۶۸ حضرت بلالؓ کے تھوڑے سے جھوارے جمع کر کے رکھنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا
- ۶۹ جو دولت مند کشادہ دہنی سے راہ خدا میں صرف نہ کریں وہ بڑے خسارہ میں ہیں۔
- ۷۰ صدقہ کے خواص اور برکات۔

- ۷۱ صدقہ کرنے سے مال میں کمی نہیں آتی بلکہ برکت ہوتی ہے
- ۷۲ ضرورت مندوں کو کھلانے پلانے اور پہنانے کا اجر و ثواب
- ۷۳ بھوکے پیاسے جانوروں کو کھلانا پلانا بھی صدقہ ہے
- ۷۵ ایک گنہگار عورت پیاسے گتے کو پانی پلانے پر بخشدی گئی
- ۷۶ اللہ کے بنوں کو رحمت سے بچانے کا بدلہ جنت
- ۷۷ اُس وقت کے صدقہ کا ثواب زیادہ ہے
- ۷۸ اللہ کی نگاہ میں اُس صدقہ کی بڑی قیمت ہے جو بندہ اپنی زندگی اور تندرستی کے
- حال میں کرے جس وقت کہ اُس کے سامنے اپنے مسائل اور اپنی مستقبل بھی ہو، اور
- جو صدقہ ایسے وقت کیا جائے جب موت سامنے کھڑی نظر آئے تو اس کی کمی
- ۷۹ خاص قیمت اور وقعت نہیں ہے۔
- ۷۸ اپنے اہل و عیال کی ضرورت پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے۔
- ۸۱ اہل قرابت پر صدقہ کی خاص فضیلت اور اس کی حکمت
- ۸۶ مرنے والوں کی طرف سے صدقہ
- کتاہدب الاحسوں :-
- ۹۳ اسلام کے ارکان اربعہ میں روزہ کی خاص نوعیت
- ۹۴ اسلامی طریحات کی تعمیر میں روزہ کا اثر
- ۹۴ اگلی تمام شریعتوں میں بھی روزہ کا حکم۔
- ۹۴ آخری امت کے لئے فرض روزوں کا مخصوص نظام و نصاب اور اس کی حکمت
- ۹۵ ماہ رمضان کی تخصیص کی حکمت
- ۹۵ ماہ رمضان کے فضائل و برکات

صفحہ	عنوان یا مضمون کا اشاریہ
۹۷	ابوابِ جنت کے کھول دیئے جانے، ابوابِ دوزخ کے بند کئے جانے اور شیاطین کے جکڑ دیئے جانے کا مطلب۔
۹۹	رمضان کی آمد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خطبہ
۱۰۱	شبِ قدر کے "ایک ہزار مہینوں" سے بہتر ہونے کا مطلب
۱۰۴	روزہ کی قدر و قیمت اور اس کا صلہ
۱۰۸	ایمان و احتساب کے ساتھ روزہ اور تراویح باعثِ مغفرت
۱۰۹	ایمان و احتساب کا مطلب
۱۰۹	روزہ اور قرآن کی شفاعت
۱۱۰	رمضان کا ایک روزہ چھوڑنے کا نقصان ناقابلِ تلافی
۱۱۰	روزہ میں مصیبتوں سے پرہیز
۱۱۲	رمضان کا عشرہ اخیرہ اور لیلة القدر
۱۱۶	شبِ قدر کی خاص دُعا
۱۱۷	رمضان کی آخری رات بھی مغفرت کی خاص رات
۱۱۷	اعتکاف
۱۱۹	رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف وفاتِ شریف تک حضورؐ کا معمول رہا
۱۲۱	اعتکاف کی پابندیاں
	اعتکاف کی پابندی کی وجہ سے مختلف جو اعمالِ صالحہ نہیں کر سکتا اس کے
۱۲۲	اعمالِ نامہ میں اُن کا ثواب بھی لکھا جاتا ہے۔
۱۲۲	رویتِ ہلال
۱۲۳	شریعتِ اسلامی میں چینیہ اور سال کیلئے قمری نظام اختیار کئے جانے کی مصلحت و حکمت

۱۲۳	رمضان شروع ہونے یا ختم ہونے کا اصل دار مدار رویت ہلال پر ہے
۱۲۶	خبر اور شہادت سے چاند کا ثبوت
	ثبوت رمضان کے لئے ابک آدمی کی شہادت کافی ہے، اور عید کے چاند کے لئے
۱۲۸	کم از کم دو آدمیوں کی شہادت ضروری ہے۔
۱۲۹	رمضان سے ایک دو دن پہلے روزہ رکھنے کی ممانعت اور اس کی حکمت
۱۳۰	سحری اور افطار کے بارے میں ہدایات
۱۳۱	سحری کھانے کی ترغیب و تاکید
۱۳۲	افطار میں عجلت اور سحری میں تاخیر کرنے کا حکم
۱۳۳	سوم و صوم کی ممانعت
۱۳۴	بزرگوں کو منع فرمانے کے باوجود خود سوم وصال رکھنے کی وجہ
۱۳۵	روزہ کے افطار کے نئے یا چیر بہتر ہے
۱۳۶	افطار کے وقت کی دعا
۱۳۷	زی روزہ و کوار روزہ، افطار والے کا ثواب
۱۳۸	مسافرت میں روزہ کا حکم
	سفر میں کس حالت میں روزہ رکھنا بہتر ہے، اور کس حالت میں قضا کرنا
۱۳۹	بہتر ہے۔
۱۴۰	فرض روزوں کی قضا کا حکم
۱۴۱	نفس کی خواہش سے بلا عذر شرعی فرض روزہ توڑنے کا کفارہ
۱۴۲	بمکن چیزوں سے روزہ خراب نہیں ہوتا

صفحہ	شنوان یا مضمون کا اشاریہ
	نفلی روزے
۱۵۳	رُؤول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفلی روزے سے زیادہ ماہ شعبان میں رکھتے تھے۔
۱۵۴	شعبان میں زیادہ نفلی روزے رکھنے کی حکمت و مصلحت۔
۱۵۵	رمضان کے بعد شوال کے چھ روزے
۱۵۶	ہر مہینے تین نفلی روزے کافی ہیں
۱۵۷	مہینے کے تین روزوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول۔
۱۶۳	ہر مہینے ایام بیض (تیرہویں، چودھویں پندرہویں) کے روزے۔
۱۶۵	یوم عاشورا کا روزہ اور اس کی تاریخی اہمیت
۱۶۶	عشرہ ذی الحجہ اور یوم العرفہ کا روزہ
۱۶۷	پندرہویں شعبان کا روزہ
۱۶۸	ہفتہ کے خاص دنوں میں نفلی روزے
۱۶۹	وہ دن جن میں نفلی روزہ رکھنا منع ہے
۱۷۰	نفلی روزہ ٹوڑا بھی جاسکتا ہے
۱۷۱	نفلی روزہ توڑ دینے پر قضا کا حکم اور اس بارے میں ائمہ کا اختلاف۔
۱۷۲	کتاب الحج :
۱۷۳	حج کیا ہے ؟
۱۷۴	حج کی فرضیت اور فضیلت
۱۷۵	اُن لوگوں کے لئے سخت و عید جو سفر حج کا پورا سامان ہیما ہونے کے باوجود حج نہ کریں
۱۷۶	مصحفیتوں سے پاک اور مخلصانہ حج پر گناہوں کی معافی اور جنت کی بشارت
۱۷۷	

صفحہ

عنوان یا مضمون کا اشاریہ

۱۹۸

نیقات ، احرام ، تلبیہ

۲۰

مواقت

۲۰۳

احرام کا لباس

۲۰۴

احرام سے پہلے غسل

۲۰۶

تلبیہ

۲۰۷

احرام کا پہلا تلبیہ کس وقت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے تلبیہ کے بارے میں صحابہ کرام کے بیانات کا اختلاف اور اس بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس کا قول فیصل۔

۲۰۸

تلبیہ بلند آواز سے پڑھا جائے

۲۰۹

تلبیہ کے بعد کی خاص دُعا

۲۱

۲۱۱

حجۃ الوداع

۹۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبرؓ کو امیر حج بنا کر بھیجا اور خود اُس سال حج نہیں فرمایا بلکہ اگلے سال سترہ میں حج کیا، اس کی حکمت۔

۲۱۰

حجۃ الوداع کے لئے حضورؐ کس دن اور کس وقت مدینہ سے روانہ ہوئے اور کتنے رفقاء آپؐ کے ہم کا بستھے۔

۲۱۲

۲۱۳

حجۃ الوداع کے بارے میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا تفصیلی بیان۔
۱۰۔ اُردی الحج کو حلق کرانے کے بعد حضورؐ کا اپنے سر کے مبارک بال ابو طلحہ انصاریؓ کو دے دینا اور ان کا لوگوں میں تقسیم کیا جانا۔

۲۳۹

صفحہ

عنوان یا مضمون کا اشاریہ

حج کے اہم اعمال و ارکان

۲۴۲

کہ میں داخلہ اور پہلا طواف

۲۵۱

ہجر اسود

۲۵۲

طواف میں ذکر و دعا

۲۵۳

دقون عرفہ کی اہمیت اور فضیلت

۲۵۷

رمی جمرات

۲۶۱

حج کی قربانی

۲۶۴

طواف زیارت اور طواف وداع

۲۶۹

طواف کے بعد مطہر سے چھٹنا اور دعا کرنا

فضائل حرمین

۲۷۰

حرم کہ کی عظمت اور اس کے خاص احکام

۲۷۹

مدینہ طیبہ کی عظمت اور محبوبیت

۲۸۲

تکلیفوں پر صبر کر کے مدینہ میں پڑے رہنے والوں کیلئے شفاعت کی بشارت -

۲۸۵

مدینہ میں مرنے والوں کے لئے شفاعت کی ضمانت -

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دعا کہ: "اے اللہ! مجھے شہادت عطا فرما، اور میری

۲۸۷

موت مدینہ میں ہو" اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی قبولیت -

۲۸۹

مسجد نبویؐ کی عظمت و فضیلت اور دوسری مساجد کی نسبت اس میں نماز کا ثواب -

۲۹۳

روضہ مطہرہ کی زیارت -

دیکھ

ازموا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نہایت عظیم اور روشن ترین مجرہ ہے کہ باوجودیکہ کتب اتمی تھے، اپنا نام تک نہیں لکھ سکتے تھے، لیکن آپ کی ہدایت و تعلیم نے دنیا کا عظیم ترین کتب خانہ پیدا کر دیا۔ اس کتب خانہ کو دوحصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، ایک وہ جس کا تعلق آپ کے لائے ہوئے قرآن مجید سے ہے، جو دراصل کلام اللہ ہے، جس کے الفاظ بھی آسمانی اور الہامی ہیں۔ اور دوسرا وہ جس کا تعلق آپ کے ارشادات و ہدایات اور آپ کی پیغمبرانہ زندگی سے ہے، جس کو حدیث کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں غور و خوض سے جو سیکڑوں علوم پیدا ہوئے، ان میں جو لاکھوں کتابیں لکھی گئیں اور جو وسیع و مستقل کتب خانہ صرف اسی سے متعلق وجود میں آیا جس میں برابر اضافہ ہو رہا ہو اس وقت اُس کے بارے میں کچھ عرض کرنا نہیں ہے۔ صرف حدیث سے متعلق جو علوم مدون ہوئے اور ان میں جو کتابیں لکھی گئیں یقیناً ان کا شمار بھی لاکھوں سے کم نہیں ہے۔ احادیث کے جو ہزاروں مجموعے تسمیہ، معاجم، جوائع اور سنن وغیرہ کی شکلوں میں عہد نبوی سے اس وقت تک

۱۔ احادیث کا جو مجموعہ اس طرح تیار کیا جائے کہ ہر صحابی کی مرویات اس میں یکجا اور ملک ملک ہوں، اس کو نقشبندی کی اصطلاح میں مُتَسَنَد کہتے ہیں، جیسے مُتَدَاوِد، مُتَدَحِیْدی وغیرہ۔ اور اگر بجائے صحابی کے (بقیر متسہد)

تیار ہوئے، پھر ان کے راویوں کے سوانح و تراجم، ان کی تنقید اور جرح و تعدیل پر جو بے شمار کتابیں لکھی گئیں، پھر احادیث کی تشریح، جمل لغات ان سے احکام کے استخراج و استنباط اور حکم و مسئلہ پر جو کتابیں مختلف زمانوں اور مختلف زبانوں میں امت کے اہل علم نے لکھیں جن میں اضافہ کا سلسلہ برابر جاری ہے، اگر ان سب کا صرف ایک ایک نسخہ جمع کیا جائے تو اس میں درابھی بمبالغہ ہمیں کہ کوئی وسیع سے وسیع عمارت بھی صرف حدیث سے متعلق اس ذخیرے کے لئے کافی نہیں ہوگی

واقعہ یہ ہے کہ حدیث نبوی کی حدیث کے سلسلہ میں ہر دور اور ہر علاقے کے مخصوص تقاضوں کے مطابق اسلام کی گونستہ تیرہ صدیوں میں اللہ تعالیٰ نے اس امت کے خادمان حدیث سے جو کام لیا ہے اور جس طرح لیا ہے وہ اہل بصیرت کے لئے اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ کی خاص نشانی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حاتم الباقین ہونے کی روشن دلیل ہے۔

یہ سلسلہ معارف الحدیث بھی (جس کی یہ چوتھی جلد آپ کے سامنے ہے) مصنف کی علمی تہی مائیگی اور بے حیثیتی سے قطع نظر اپنے مبارک موضوع کے لحاظ سے اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

اُس رب کریم کا شکر ادا کرنے سے زبان قاصر ہے جس نے اپنے ایک نااہل اور گنہگار بندے کو یہ توفیق بخشی کہ وہ بھی خادمان حدیث کے زمے میں شامل ہو۔۔۔۔۔ سبحان اللہ! ایک غریب مسکین بڑھیا کو بھی توفیق ملی کہ وہ اپنی کل مایہ ناتھ کا کاٹا ہوا چند تولے موت لیکر خریداران یوسف کی

اد کا بقیہ جائزہ مؤلف نے اسی طرح اپنے ہر اس تذکرہ و روایات الگ الگ مع کی ہوں تو ایسے مجموعہ کو منجھتہ کہتے ہیں جیسے طرائق کی مجموعہ کبیر، مجموعہ اوسط، مجموعہ صغیر۔ اور اگر احادیث کو مضامین اور ابواب کے لحاظ سے مرتب کیا گیا ہو تو دین و شریعت کے تمام ابواب پر حاوی ہونے کی صورت میں اُس کو جامعہ کہا جاتا ہے، جیسے۔۔۔ مجموعہ تجانی، مجموعہ مسلم اور جامع ترمذی وغیرہ۔ اور اگر اُس میں فقہی ابواب ہی کو زیادہ اہمیت سے جمع کیا گیا ہو تو اُس کو مستند کہا جاتا ہے، جیسے۔۔۔ سنن ابی داؤد اور سنن نسائی وغیرہ۔ ۱۲

ظاہر میں کھڑی ہو جائے۔ لاک الہ محمد یادتی۔ ۵

من آں حاکم کہ ابرو بہاری ۛ کنڈاز لطف برمن قطرہ باری
اگر وہ دازتن صدر بانم ۛ چوسوسن شکر لطفش کے تو انم

حدیث نبویؐ کا مستند ذخیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ زندگی کا ریکارڈ ہے جو آپ کی زندہ شخصیت کے قائم مقام ہے، جن اہل ایمان نے اس حیاۃ دنیا میں آپ کو نہیں پایا وہ اس حدیثی ذخیرے کے ذریعہ بڑی حد تک آپ کو پاس کئے ہیں، اور قریب قریب ویسے ہی قلبی مطمئنان کے ساتھ آپ کے ارشادات کی تعمیل اور آپ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کر سکتے ہیں جن مطمئنان کیساتھ قرن اول کے وہ خوش نصیب برہمنین کرتے تھے جنہوں نے ایمان کے ساتھ آپ کو اس زندگی ہی میں پایا تھا۔

اس سلسلہ ”معارف الحدیث“ کی تالیف کا اصل مقصد یہی ہے کہ ہمارے جو بھائی اصل کتب حدیث کا مطالعہ کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاۃ طیبہ اور آپ کی تعلیم و ہدایت کے بارے میں وہ واقفیت حاصل نہیں کر سکتے جو کتب حدیث ہی سے حاصل ہو سکتی ہے، اور اس راستہ سے دربار نبویؐ تک نہیں پہنچ سکتے، اُن کے لئے بھی یہ راستہ کھل جائے اور وہ بھی اس بارگاہ عالی تک رسائی حاصل کر سکیں۔

امید ہے کہ جو صاحب ایمان بندے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عظمت کو قلب میں بیدار کر کے سچی طلب اور ادب کے ساتھ اس سلسلہ کا مطالعہ کریں گے انشاء اللہ انھیں یہ دولت نصیب ہوگی اور احادیث نبویؐ کے خاص انوار و برکات سے ان کو حصہ ملے گا، اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہ ایک خاص قرب و نسبت محسوس کریں گے۔

جیسا کہ اس سلسلہ ”معارف الحدیث“ کے ناظرین کو معلوم ہے اس کی نوعیت یہ نہیں ہے کہ

حدیث کی کوئی کتاب سامنے رکھ لی گئی ہو اور تشریحات کے ساتھ اس کا ترجمہ کیا جا رہا ہو، بلکہ اس کی تالیف میں طریقہ کار یہ اختیار کیا گیا ہے کہ پہلے موضوع اور باب سے متعلق وسیع ذخیرہ حدیث کا مطالعہ کر کے ان احادیث کا انتخاب کیا جاتا ہے جن کو مذکورہ بالا مقصد کے لحاظ سے اس میں شامل کرنا چاہو تاکہ اسی نقطہ نظر سے انھیں ترتیب دیا جاتا ہے اور ان کا ترجمہ اور حسب ضرورت تشریح میں کچھ لکھا جاتا ہے۔ اکثر و بیشتر ہر باب کے شروع میں دو رمعاضر کے خاص فکری رجحانات کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے طریقے پر اس باب سے متعلق حضور کی تعلیم و ہدایت کے حکم و مصالح پر بھی کلام کیا جاتا ہے۔ اس پورے کام میں بنیادی نقطہ نظر یہی رہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت و تعلیم اور آپ کی پیغمبرانہ زندگی کی تصویر اس طرح سامنے آجائے کہ اس کا مطابق فطرت، سر اسر مبنی بر حکمت اور انسانیّت کے لئے باعث صلاح و فلاح ہونا بھی کھلتا چلا جائے، اور ناظرین کے قلوب میں نور یقین و اطمینان اور جذبہ عمل بھی پیدا ہو۔

اس سلسلہ کی تین جلدیں پہلے شائع ہو چکی ہیں۔ جلد اول میں ابواب ایمان و آخرت کی، اور جلد دوم میں اخلاق اور رفاق کی حدیثیں جمع کر کے پیش کی گئی تھیں۔ جلد سوم میں ابواب طہارت اور عبادات (لجہ نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج) کی حدیثیں جمع کر کے نذر ناظرین کرنے کا ارادہ تھا، لیکن ضخامت کے بہت زیادہ بڑھ جانے کی وجہ سے اس جلد کو کتاب الصلوٰۃ ہی پر ختم کر دیا گیا تھا، باقی حصہ (یعنی کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج) اس چوتھی جلد میں پیش کیا جا رہا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا خاص مقصد یہ ہے کہ وہ بندوں کو ان کے مالک و پروردگار سے وابستہ کریں اور اس کا عبادت گزار بنائیں جو کہ ان کی تخلیق کا مقصد ہے (وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونَهُ) اسی لئے وہ ایمان بابت اور توحید کی دعوت دینے کے بعد سب سے پہلے ان کو اللہ کی عبادت کی طرف بلا تے ہیں۔ انسانی اعمال میں عبادات ہی کی یہ خصوصیت ہے کہ

ان کے ذریعہ زندہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی عبدیت اور فدویت کا اظہار کرتا ہے اور ان کی تاثیر سے اس کی زندگی عبدیت کے رنگ میں رنگتی ہے نیز عبادات ہی کے ذریعہ ملاوعلیٰ سے خاص رابطہ اور حق تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوتا ہے اور اس میں مسلسل ترقی ہوتی ہے۔ اسی لئے آسمانی شریعتوں میں ایمان کے بعد سب اہم اور مقدم حکم اور مطالبہ عبادات کا رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شہادت توحید و رسالت کے بعد نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کو اسلام کے بنیادی ارکان قرار دیا ہے۔ دراصل یہی چار بنیادی عبادات ہیں اور انسانی سعادت و شقاوت کا بہت کچھ دار مدار انہیں پر ہے۔ ان میں سے نماز کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات و تعلیمات اور آپ کے معمولات کا حدیثیں جلد ستوم میں ذکر کی جا چکی ہیں۔ باقی ارکان ثلاثہ (زکوٰۃ، روزہ اور حج) سے متعلق احادیث اس جلد میں پیش کی جا رہی ہیں۔ پہلے خیال تھا کہ ”اذکار و دعوات“ کی احادیث بھی اسی جلد میں آجائیں گی، لیکن جب ان کو جمع کیا گیا تو اندازہ ہوا کہ وہ ایک مستقل جلد ہی میں آسکیں گی۔ انشاء اللہ رب العالی پانچویں جلد ”کتاب الاذکار والدعوات“ ہی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ اس کی تیاری اور اشاعت میں زیادہ تاخیر نہ ہو۔

اس چوتھی جلد کی احادیث بھی پہلی تینوں جلدوں کی طرح زیادہ تر مشکوٰۃ المصابیح یا مجمع الفوائد سے لی گئی ہیں اور تخریج کے بارے میں انہی پر اعتماد کیا گیا ہے۔ اور اس بارے میں صاحب مشکوٰۃ کے طریقے کی پیروی کی گئی ہے کہ تخریج میں صحیح بخاری و صحیح مسلم یا ان میں سے کسی ایک کے حوالہ کے بعد دوسری کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا گیا ہے کیونکہ ان کا حوالہ دوسری کتابوں کے حوالے سے مستغنی کر دیتا ہے۔ بعض حدیثیں کنز العمال سے بھی لی گئی ہیں۔ اور کچھ حدیثیں بواہر راست کتب صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد وغیرہ سے بھی لی گئی ہیں، یہ وہ احادیث ہیں جو ان الفاظ کے ساتھ مشکوٰۃ اور مجمع الفوائد میں مذکور نہیں ہیں۔

ناظرین سے آخری گزارش یا وصیت

پہلی تینوں جلدوں کے دیباچہ میں بھی یہی کی گئی تھی ————— اور
اب بھی یہی ہے ————— کہ

حدیث نبویؐ کا مطالعہ صرف اضافہ معلومات کے لئے اور علمی سیر کے طور پر ہرگز نہ کیا جائے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے ایمانی تعلق کو تازہ کرنے کے لئے اور رشد و ہدایت حاصل کرنے اور عمل کرنے کی نیکی کیا جائے نیز درس و مطالعہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت کو دل میں بیدار کر کے اس طرح ادب اور توجہ سے پڑھا، یا سُنا جائے کہ ————— گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلسِ مبارک میں ہم حاضر ہیں اور آپ فرما رہے ہیں اور ہم سُن رہے ہیں ————— اگر ————— ایسا کیا گیا تو قلب و روح کو اُن انوار و برکات اور ایمانی کیفیات کا کچھ نہ کچھ حصہ انشاء اللہ ضرور نصیب ہوگا جو عہدِ نبویؐ کے اُن خوش نصیبوں کو حاصل ہوتی تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست روحانی و ایمانی استغناء و کف توفیق بخشی تھی۔

آخری کلمہ اللہ کی حمد ہے، اور اس سلسلہ کے اتمام کے لئے خُسن توفیق کی استدعا اور غلطیوں اور گناہوں کی معافی کی التجا

اللہ کی رحمت اور اس کے بندوں کی دُعاؤں کا محتاج و طلبکار

عاجز و گنہگار بندہ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

۲۲ ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ ————— ۱۵ مارچ ۱۹۶۷ء

كتاب الزكوة

قَالَ اللَّهُ نَعَايَ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ
قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ بَوْمٌ لَا بَيْعَ فِيهِ وَلَا خِلَافٍ وَلَا
شَفَاعَةَ مَا وَالْكُفْرُ هُمْ الظَّالِمُونَ —

(البقرہ۔ ع ۳۴)

سچا بھائی و اولاد جو مال و متاع ہم نے تم کو بخشا ہے تم اس میں سے
ہماری راہ میں بہارے حکم کے مطابق خرچ کرو، قبل اس کے کہ
قیامت کا وہ دن آجائے جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہو سکے گی
نہی کی دنیوی دوستی کام آئے گی اور نہ کوئی سفارش (کسی قابل سزا
قوم کو بچا سکے گی) اور نہ ماننے والے اصلی ظالم ہیں (جن کو قیامت میں
بے ظلم کا خیمہ زہ بھگتنا پڑے گا)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دین میں زکوٰۃ کی اہمیت اور اس کا مقام:

یہ ایک معلوم و معروف حقیقت ہے کہ شہادت توحید و رسالت اور اقامت صلوٰۃ کے بعد زکوٰۃ اسلام کا تیسرا رکن ہے۔ قرآن مجید میں ستر سے زیادہ مقامات پر اقامت صلوٰۃ اور ادا زکوٰۃ کا ذکر اس طرح ساتھ ساتھ کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں ان دونوں کا مقام اور درجہ قریب قریب ایک ہی ہے۔ اسی لئے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بعض علاقوں کے ایسے لوگوں نے جو بظاہر اسلام قبول کر چکے تھے اور توحید و رسالت کا اقرار کرتے اور نمازیں پڑھتے تھے زکوٰۃ سے انکار کیا تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف جہاد کا اسی بنیاد پر فیصلہ کیا تھا کہ یہ نماز اور زکوٰۃ کے حکم میں تفریق کرتے ہیں جو اللہ و رسول کے دین سے انحراف اور ارتداد ہے۔ — صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی مشہور روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کو جواب دیتے ہوئے انھوں نے فرمایا: —

وَاللّٰهُ لَا يَتْلُوُ
مَنْ فَتَوَّيَ بَيْنَ الصَّلَاةِ
وَالزَّكَاةِ
خدا کی قسم نماز اور زکوٰۃ کے درمیان
جو لوگ تفریق کریں گے، میں ضرور
ان کے خلاف جہاد کروں گا۔

پھر تمام صحابہ کرامؓ نے ان کے اس نقطہ نظر کو قبول کر لیا، اور اس پر سب کا اجماع ہو گیا۔ اسی سلسلہ میں معارف الحدیث کی پہلی جلد کے بالکل شروع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیثیں ذکر کی جا چکی ہیں جن میں آپؐ نے اسلام کے ارکان اور بنیادی احکام

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ
مِمَّا كَسَبَتْ أَطْفَالُهُمْ
وَمُزَكِّهِمْ بِهَا
(سورۃ النساء: ۱۰۴)

اے نبی! آپ مسلمانوں کے اموال میں سے
مستحقانِ زکوٰۃ (و مصلوب بھیجے جس کے ذریعہ
ان کے قلب کی تفسیر اور ان کے نفوس کا
تزکیہ ہو۔

دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

وَلَسِيَّ جَنَّتُهَا الْاِثْقَى
الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ
بِتَزْكِي
(سورۃ الليل)

اور اس آیتس دوزخ سے وہ نہایت
مشقی بندہ دوزخ رکھا جائے گا جو اپنا
مال راہِ خدا میں اس لئے دیتا ہو کہ
اس کی رُوح اور اس کے دل کو پاکیزگی
حاصل ہو۔

بلکہ زکوٰۃ کا نام غالباً اسی پہلو سے زکوٰۃ رکھا گیا ہے، کیونکہ زکوٰۃ کے اصل معنی ہی پاکیزگی کے ہیں۔

زکوٰۃ کا حکم کلی شریعتوں میں:

زکوٰۃ کی اس غیر معمولی اہمیت اور افادیت کی وجہ سے اس کا حکم اگلے پیغمبروں کی
شریعتوں میں بھی نماز کے ساتھ ہی ساتھ برابر رہا ہے۔

سورۃ انبیاء میں حضرت ابراہیمؑ اور ان کے صاحبزادے حضرت اسحقؑ اور یحییٰؑ کے
صاحبزادے حضرت یعقوب علیہم السلام کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ
وَاقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ
وَكَانُوا اِلَيْنَا حٰجِدِينَ
(سورۃ انبیاء: ۵۷)

اور ہم نے ان کو حکم بھیج دیا کہ
کرنے کا (خاص کر) نماز قائم کرنے اور
زکوٰۃ دینے کا، اور وہ ہم سے عبادت گزار
بندے تھے۔

اور سورۃ مریم میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

وَكَانَ يَأْمُرُ اَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ
اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ

وَالزَّكَاةَ - (مربہ - ۴۴) کا حکم دیتے تھے۔

اور اسرائیلی سلسلے کے آخری پیغمبر حضرت عیسیٰ بن مریم کے متعلق ہے کہ انھوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے فرمایا:۔۔۔

اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ۲ سَآئِیْ
اَلْکِتَابَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا
وَجَعَلَنِیْ مُبَاکَا ۳ اَیْنَمَا
کُنْتُ وَاَوْصَانِیْ بِاَلصَّلٰوةِ
وَالزَّکٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ۴
(سورۃ مریم - ۱۳)

میں اللہ کا ایک بندہ ہوں، اس نے
مجھے کتاب عطا فرمائی ہے اور نبی
بنایا ہے، اور جہاں کہیں میں ہوں
مجھے اس نے بابرکت بنایا ہے اور
جب تک میں زندہ رہوں مجھے نماز
اور زکوٰۃ کی وصیت فرمائی ہے۔

اور سورۃ بقرہ میں جہاں بنی اسرائیل کے ایمانی میثاق اور ان بنیادی احکام کا ذکر
کیا گیا ہے جن کی ادائیگی کا ان سے عہد لیا گیا تھا ان میں ایک حکم یہ بھی بیان کیا گیا ہے:۔۔۔
وَأَقِمْوُا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّکٰوةَ اور نماز قائم کرتے رہنا اور زکوٰۃ
ادا کیا کرنا۔ (قطع - ح ۱۱)

اسی طرح جہاں سورۃ مائدہ میں بنی اسرائیل کے اس عہد و میثاق کا ذکر کیا گیا ہے۔
وہاں بھی فرمایا گیا ہے:۔۔۔

وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ لَئِنْ
اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَآتَيْتُمُ الزَّکٰوةَ
وَامَنْتُمْ بِرُسُلِیْ
(مائتہ - ۳۴)

اور اللہ نے فرمایا میں (اپنی مدد کی تھا)
تمہارے ساتھ ہوں، اگر تم قائم کرتے
رہے نماز، اور ادا کرتے رہے زکوٰۃ، اور
ایمان لاتے رہے میرے رسولوں پر۔

قرآن مجید کی ان آیات سے ظاہر ہے کہ نماز اور زکوٰۃ ہمیشہ سے آسمانی شریعتوں
کے خاص ارکان اور شعائر رہے ہیں، ہاں ان کے حدود اور تفصیلی احکام و تعینات میں
فرق رہا ہے، اور یہ فرق تو خود ہماری شریعت کے بھی ابتدائی اور آخری انجیلی دور میں

رہا ہے مثلاً یہ کہ پہلے نماز تین وقت کی تھی پھر پانچ وقت کی ہو گئی، اور مثلاً یہ کہ پہلے ہر فرض نماز صرف دو رکعت پڑھی جاتی تھی پھر فجر کے علاوہ باقی چار وقتوں میں رکعتیں بڑھ گئیں، اور مثلاً یہ کہ ابتدائی دور میں نماز پڑھتے ہوئے سلام کلام کی اجازت تھی اس کے بعد اس کی ممانعت ہو گئی۔ اسی طرح ہجرت سے پہلے مکہ کے زمانہ قیام میں زکوٰۃ کا حکم تھا۔ دینا نہ سورۃ مومنہ، سورۃ فصل اور سورۃ لقمان کی بالکل ابتدائی آیتوں میں اہل ایمان کی لازمی صفات کے طور پر اقامتِ صلوٰۃ اور اتیانِ زکوٰۃ کا ذکر موجود ہے۔ حالانکہ یہ تینوں سورتیں مکی دور کی ہیں لیکن اس دور میں زکوٰۃ کا مطلب صرف یہ تھا کہ اللہ کے حاجت مند بندوں پر اور خیر کی دوسری راہوں میں اپنی کمائی صرف کی جائے۔ نظامِ زکوٰۃ کے تفصیلی احکام اس وقت نہیں آئے تھے وہ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں آئے۔ پس جن مؤرخین اور مصنفین نے یہ لکھا ہے کہ زکوٰۃ کا حکم ہجرت کے بعد دوسرے سال میں یا اس کے کبھی بعد میں آیا، ان کا مطلب غالباً یہی ہے کہ اس کی حدود و تعینات تفصیلی احکام اس وقت آئے، ورنہ زکوٰۃ کا مطلق حکم تو یقیناً اسلام کے ابتدائی دور میں ہجرت سے کافی پہلے آچکا تھا۔ یہ بات قرآن مجید کی جملہ بالائی سورتوں کی ان آیات کے علاوہ جن کی طرف ابھی اشارہ کیا گیا ہے ائمہ المومنین حضرت ائمہ سلمہ رضی اللہ عنہما کی اس روایت سے بھی ثابت ہوتی ہے جس میں انھوں نے حبشہ کی ہجرت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے حضرت جعفر طیار کی اس گفتگو کا ذکر کیا ہے جو انھوں نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے سوال کے جواب میں اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعارف میں کی تھی۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تعلیم کے بارے میں ان کے یہ الفاظ بھی ہیں:

وَيَا مَرْثَا بِالْعَتَلَةِ وَالْزَكَاةِ اور وہ ہمیں نسا زاد اور زکوٰۃ کا حکم

دیتے ہیں۔

اور یہ معلوم ہے کہ حضرت جعفر طیار اور ان کے رفقاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ

سے بہت پہلے اسلام کے ابتدائی دور میں حبشہ جا چکے تھے۔

اسی طرح صحیح بخاری وغیرہ کی روایت کے مطابق شاہ روم کے سوال کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس وقت کے آپ کے شدید دشمن، ابوسفیان کا یہ بیان کہ: —————

يَا مُؤَيَّا بِالْمَلَكَةِ وَالزَّكَاةِ وَنَمَازٍ أَوْ زَكَاةٍ كَمَا حُكِمَ رِيتِ هَرَا
وَالصَّهْبَةِ وَالْعَقَافِ . . . الخ صَلَّاهُ حَيٍّ أَوْ يَأْكُلُهُ مَيِّتٍ كَيْ هَرَا

اس کا واضح ثبوت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ کے زمانہ قیام میں بھی نماز اور زکوٰۃ کی دعوت دیتے تھے۔ ————— ہاں نظام زکوٰۃ کے تفصیلی مسائل اور حدود و قیعات ہجرت کے بعد آئے، اور مرکزی طور پر اس کی تحصیل و وصول کا نظام تو مشعر کے بعد قائم ہوا۔ ————— اس تہید کے بعد زکوٰۃ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پڑھئے: —————

ایمان اور نماز کے بعد زکوٰۃ کی دعوت: —————

(۱) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
بَعَثَ مَعَادًا إِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ إِنَّكَ تَأْتِي قَوْمًا أَهْلَ
كِتَابٍ فَأَذِئْهُمْ إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ
مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لَكَ الْإِلَهَ فَأَعْلَمْهُمْ
أَنَّ اللَّهَ قَدْ فَضَّلَهُمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ
وَاللَّيْلَةِ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لَكَ الْإِلَهَ فَأَعْلَمْهُمْ أَنَّ اللَّهَ
قَدْ فَضَّلَهُمْ صَدَقَةً تَتَوَخَّذُ مِنْ أَغْنِيَاءِهِمْ فَتُرَدُّ
عَلَىٰ فُقَرَائِهِمْ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لَكَ الْإِلَهَ وَتَأْتَا لَكَ وَ

كَوَاثِمَ أَمْوَالِهِمْ وَالَّتِي دَعَا إِلَيْهَا الظُّلُمُ فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهُمَا
وَبَيْنَ اللَّهِ حِجَابٌ ————— رواہ البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل (رضی اللہ عنہ) کو مین کی طرف بھیجا تو (رخصت کرتے ہوئے اُن سے) فرمایا کہ تم وہاں ایک صاحب کتاب قوم کے پاس پہنچو گے (جب تم اُن کے پاس پہنچو) تو (سب سے پہلے) اُن کو اس کی دعوت دعوت دینا کہ وہ (اس حقیقت کو مانیں اور) اس کی شہادت ادا کریں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں، اور محمد اُس اللہ کے رسول ہیں۔ پھر اگر وہ تمہاری یہ بات مان لیں تو تم ان کو بتلاؤ کہ اُس اللہ نے تم پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ پھر اگر وہ اس کو بھی مان لیں تو ان کو بتلاؤ کہ اللہ نے ان پر صدقہ (زکوٰۃ) فرض کی ہے جو اُن میں کے مال و دولت سے وصول کی جائے گی اور انہی میں کے فقراء اور غرباء کو دے دی جائے گی۔ پھر اگر وہ اس کو بھی مان لیں تو (زکوٰۃ کی اس وصولیابی کے سلسلے میں چھانٹ چھانٹ کے) اُن کے اچھے نفیس اموال لینے سے پرہیز کرنا (بلکہ اوسط کے حساب وصول کرنا، اور اس بارے میں کوئی ظلم و زیادتی کسی پر نہ کرنا) اور غلط سوچ کی بددعا سے بچنا، کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی روک نہیں ہے (وہ بلا روک ٹوک سیدھی بارگاہِ خداوندی میں پہنچتی ہے اور قبول ہوتی ہے)۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) یہ حدیث اگرچہ اس سلسلہ معارف و احادیث کی پہلی جلد کتاب ایمان میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی تشریح بھی کافی تفصیل سے کی جا چکی ہے، لیکن امام بخاری وغیرہ کے طریقے پر یہی مناسب معلوم ہوا کہ کتاب اللہ کا آغاز بھی اسی حدیث سے

کیا جائے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا والی اور قاضی بنا کر بھیجے گا یہ واقعہ جس کا ذکر اس حدیث میں ہے اکثر علماء اور اہل سیر کی تحقیق کے مطابق سلسلہ کا ہے اور امام بخاریؒ اور بعض دوسرے اہل علم کی رائے یہ ہے کہ سلسلہ کا واقعہ ہے۔ یمن میں اگرچہ اہل کتاب کے علاوہ بڑے پرست مشرکین بھی تھے، لیکن اہل کتاب کی خاص اہمیت کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ذکر کیا اور اسلام کی دعوت و تبلیغ کا یہ حکیمانہ اصول تعلیم فرمایا کہ اسلام کے سارے احکام و مطالبات ایک ساتھ مخاطبین کے سامنے نہ رکھے جائیں، اس صورت میں اسلام انھیں بہت کٹھن اور ناقابل برداشت بوجھ محسوس ہوگا، اس لئے پہلے اُن کے سامنے اسلام کی اعتقادی بنیاد صرف توحید و رسالت کی شہادت رکھی جائے جس کو ہر عقلیت پسند اور ہر سلیم الفطرت اور نیک دل انسان آسانی سے ماننے پر آمادہ ہو سکتا ہے، خصوصاً اہل کتاب کے لئے وہ جانی بوجھی بات ہے۔ پھر جب مخاطب کا ذہن اور دل اس کو قبول کر لے اور وہ اس فطری اور بنیادی بات کو مان لے تو اس کے سامنے فریضہ نماز رکھا جائے جو جانی جسمانی اور زبانی عبادت کا نہایت حسین اور بہترین موقع ہے، اور جب وہ اس کو قبول کر لے تو اس کے سامنے فریضہ زکوٰۃ رکھا جائے اور اس کے بارے میں خصوصیت سے یہ وضاحت کر دی جائے کہ یہ زکوٰۃ اور صدقہ اسلام کا داعی اور مبلغ تم سے اپنے لئے نہیں مانگتا بلکہ ایک مقررہ حساب اور قاعدے کے مطابق جس قوم اور علاقہ کے دولت مندوں سے یہ لی جائے گی اُسی قوم اور علاقہ کے پریشاں حال ضرورت مندوں میں خرچ کر دی جائے گی۔ دعوت اسلام کے بارے میں اس ہدایت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو یہ تاکید بھی فرمائی کہ زکوٰۃ کی وصولی میں پورے انصاف سے کام لیا جائے، اُن کے مویشی اور اُن کی پیداوار میں سے چھانٹ چھانٹ کے بہتر مال نہ لیا جائے۔ سب کے آخر میں نصیحت فرمائی کہ تم ایک علاقے کے حاکم اور والی بن کے جاؤ، جو ظلم و زیادتی

سے بہت بچو، اللہ کا مظلوم بندہ جب ظالم کے حق میں بددعا کرتا ہے تو وہ سیدھی عرش پر پہنچتی ہے۔ ۵
بہتر اس آواز مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن
اجابت از در حق بہر استقبال می آید

اس حدیث میں دعوت اسلام کے سلسلے میں صرف شہادت توحید و رسالت، نماز اور زکوٰۃ کا ذکر کیا گیا ہے، اسلام کے دوسرے احکام جتنی کہ روزہ اور حج کا بھی ذکر نہیں پایا گیا ہے، جو نماز اور زکوٰۃ ہی کی طرح اسلام کے ارکانِ خمسہ میں سے ہیں، حالانکہ حضرت معاذ جس زمانہ میں یمن بھیجے گئے ہیں روزہ اور حج دونوں کی فرضیت کا حکم آچکا تھا۔
اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مقصد دعوت اسلام کے اصول اور حکیمانہ طریقے کی تعلیم دینا تھا اس لئے آپ نے صرف ان تین ارکان کا ذکر فرمایا۔ اگر ارکان اسلام کی تعلیم دینا مقصود ہوتا تو آپ سب ارکان کا ذکر فرماتے، لیکن حضرت معاذ کو اس کی تعلیم کی ضرورت نہیں تھی، وہ ان صحابہ کرام میں سے تھے جو علم دین میں خاص اقیانانہ رکھتے تھے۔

زکوٰۃ ادا نہ کرنے کا عذاب:

(۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ آتَاهُ اللَّهُ مَالًا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَوَتَهُ مُشِلَّ لَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ شِجَاعًا أَقْرَعَ لَهُ زَبِيبَتَانِ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ثُمَّ يَأْخُذُ بِلَحْنٍ مَتْبَعِهِ رِيعْنِي شِدْقِيهِ ثُمَّ يَقُولُ أَنَا مَالِكٌ أَنَا كُنْزُكَ ثُمَّ تَلَا وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ أَلْيَةً

رواہ البزار

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا: جس آدمی کو اللہ تعالیٰ نے دولت عطا فرمائی پھر اُس نے اُس کی زکوٰۃ نہیں ادا کی تو وہ دولت قیامت کے دن اُس آدمی کے سامنے ایسے زہریلے ناگ کی شکل میں آئے گی جس کے انتہائی زہریلے پن سے اُس کے سر کے بال جھڑ گئے ہوں اور اُس کی آنکھوں کے اوپر دو سفید نقطے ہوں (جس سانپ میں یہ عقوبتیں پائی جائیں، وہ انتہائی زہریلا سمجھا جاتا ہے) پھر وہ سانپ اُس (زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے) بغیل کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا (یعنی اُس کے گلے میں لپٹ جائے گا) پھر اُس کی دونوں باجھیں پکڑے گا (اور کاٹے گا) اور کہے گا کہ میں تیری دولت ہوں میں تیرا خزانہ ہوں ————— یہ فرمانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی: —————

وَلَا يَخْشَى الْدِينَ	اور نہ گمان کریں وہ لوگ جو بخل کہتے ہیں
يَبْخُلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ	اُس مال و دولت میں جو اللہ نے اپنے
مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرٌ	فضل و کرم سے اُن کو دیا ہے (اور اس کی
لَهُمْ بَلٌّ هُوَ شَرٌّ	زکوٰۃ نہیں نکالتے) کہ وہ مال و دولت
لَهُمْ سَيْطَوْنَ	ان کے حق میں بہتر ہے، بلکہ انجام کے
مَا يَخْلُقُوهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ	حفاظ سے وہ ان کے لئے بدتر ہے اور شر ہے

قیامت کے دن ان کے گلوں میں طوق
بنائے ڈالی جائے گی وہ دولت جس میں
انھوں نے بخل کیا (اور جس کی زکوٰۃ
ادا نہیں کی) ————— (صحیح بخاری)

(۱۲۱ عمران - ۱۹)

(اور جامع ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں قریب قریب یہی مضمون غلوں کے
معمولی فرق کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت سے بھی مروی ہے)۔

(تشریح) قرآن و حدیث میں خاص خاص اعمال کی جو مخصوص جزائیں یا سزائیں بیان کی گئی ہیں ان اعمال اور ان کی ان جزاؤں اور سزائوں میں ہمیشہ کوئی خاص مناسبت ہوتی ہے۔ بعض اوقات وہ ایسی واضح ہوتی ہے جس کا سمجھنا ہم جیسے عوام کے لئے بھی زیادہ مشکل نہیں ہوتا، اور کبھی کبھی وہ ایسی دقیق اور خفی مناسبت ہوتی ہے جس کو صرف خواص عرفاء اور اُمت کے اذکیاء ہی سمجھ سکتے ہیں۔ — اس حدیث میں زکوٰۃ نہ دینے کے گناہ کی جو خاص سزا بیان ہوئی ہے یعنی اس دولت کا ایک زہریلے ناگ کی شکل میں اس کے گلے میں لپیٹ جانا اور اس کی دونوں باجھوں کو کاٹنا یقیناً اس گناہ اور اس کی اس سزا میں بھی ایک خاص مناسبت ہے۔ — یہ وہی لطیف مناسبت ہے جس کی وجہ سے اُس بخیل آدمی کو جو حب مال کی وجہ سے اپنی دولت سے چمٹا رہا ہے اور خرچ کرنے کے موقعوں پر خرچ نہ کرے، کہتے ہیں کہ وہ اپنی دولت اور اپنے خزانے پہ سانپ بنا بیٹھا رہتا ہے، اور اسی مناسبت کی وجہ سے بخیل و خسیس آدمی کبھی کبھی اس طرح کے خواب بھی دیکھتے ہیں۔

اس حدیث میں، نیز آل عمران کی مندرجہ بالا آیت میں ”يَوْمَ الْقِيَمَةِ“ کا جو لفظ ہے، اُس سے مفہوم ہوتا ہے کہ یہ عذاب دوزخ یا جنت کے فیصلے سے پہلے عشر میں ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہؓ ہی کی ایک دوسری حدیث میں (جس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے) زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے ایک خاص طبقہ کے اسی طرح کے ایک خاص عذاب کے بیان کے ساتھ آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں: —

حَتَّى يُقْضَىٰ بَيْنَ الْعِبَادِ	اس عذاب کا سلسلہ اُس وقت تک
فَيُرَىٰ سَيْدُهَا اِمْتًا	جاری رہے گا جب تک کہ حساب کتاب
اِلَى الْجَنَّةِ وَ اِمْتًا	کے بعد بندوں کے بارے میں فیصلہ
اِلَى النَّارِ	کیا جائے گا۔ اس فیصلے کے بعد یہ

آدمی یا جنت کی طرف چلا جائے گا یا دوزخ کی طرف (جیسا بھی اسکے حق میں فیصلہ ہوگا)۔

یعنی جتنا عذاب وہ حساب اور آخری فیصلہ سے پہلے اٹھا چکے گا اگر اس کی بد اعمالی کی سزا کے لئے اللہ کے نزدیک وہی کافی ہوگا تو اس کے بعد اس کو بھیٹی اور نجات مل جائے گی اور وہ جنت میں بھیج دیا جائے گا، اور اگر محشر کے اس عذاب سے اس کا حساب میباق نہ ہوا ہوگا تو مزید سزا اور عذاب پانے کے لئے وہ دوزخ میں بھیج دیا جائے گا۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا وَاعْفِرْ لَنَا وَلَا تُعَذِّبْنَا۔

قیامت اور جنت دوزخ کے عذاب و ثواب کے بارے میں جو اصولی باتیں ماریت اللہ جلد اول میں لکھی جا چکی ہیں جن حضرات کی نظر سے نہ گزری ہوں وہ ان کا ضرور مطالعہ کریں ان چیزوں کے بارے میں جو ذہنی الجھنیں بہت سوں کے لئے خلیجان کا باعث بنتی ہیں انشاء اللہ وہ اس کے مطالعہ سے دور ہو جائیں گی۔

(۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا خَالَطَتِ الصَّدَقَةُ مَالًا لَا قَطْطَ إِلَّا أَهْلَكَتُهُ — رواه الشافعي والبخاری فی تاریخہ والحمیدی فی مسندہ۔
(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ مالِ زکوٰۃ جب دوسرے مال میں مخلوط ہوگا تو ضرور اس کو تباہ کر دے گا۔

(مسند شافعی، تاریخ کبیر بخاری، مسند حمیدی)

(تشریح) امام حمیدیؒ جو امام بخاریؒ کے استاد ہیں انھوں نے اپنی مسند میں حضرت عائشہؓ کی یہ روایت نقل کر کے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اگر کسی آدمی پر زکوٰۃ واجب ہو اور وہ اس کو ادا نہ کرے تو بے برکتی سے اس کا باقی مال بھی تباہ ہو جائے گا۔

اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں امام احمد بن حنبلؒ کی سند سے حضرت عائشہؓ کی یہی روایت نقل کر کے لکھا ہے کہ امام احمدؒ فرماتے تھے کہ اس حدیث کا مطلب اور مصداق یہ ہے کہ اگر ایک غنی آدمی (جو زکوٰۃ کا مستحق نہیں ہے) غلط طریقے پر زکوٰۃ وصول کر لے تو یہ زکوٰۃ اُس کے باقی مال میں شامل ہو کر اس کو بھی تباہ کر دے گی۔ — راقم سطور عرض کرتا ہوں کہ حدیث کے الفاظ میں ان دونوں تشریحوں کی گنجائش ہے، اور ان دونوں میں کوئی تناقض اور منافات بھی نہیں ہے۔

زکوٰۃ، مال کی تطہیر اور تزکیہ کا ذریعہ ہے:

(۴) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ
 ”وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ الْآيَةَ“ كَبُرَ
 ذَلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ فَقَالَ عُمَرُ أَنَا أَفَرَجُ عَنْكُمْ
 فَأَنْطَلِقُ فَقَالَ يَا حَبِيبُ اللَّهِ إِنَّهُ كَبُرَ عَلَى أَهْلِيَاكَ
 هَذِهِ الْآيَةُ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَرْضَ الزَّكَاةَ
 إِلَّا لِيُطَيِّبَ مَا بَقِيَ مِنْ أَمْوَالِكُمْ وَإِنَّمَا فَخْرُ
 الْمَوَارِيثِ — وَذَكَرَ كَلِمَةً — لِيَكُونَ لِمَنْ
 بَعْدَكُمْ فَقَالَ فَكَبُرَ عُمَرُ — ثُمَّ قَالَ أَلَا
 أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرٍ مَا يَكْنِزُ الْمَرْءُ الْمَرْءَةُ الصَّالِحَةُ
 إِذَا نَظَرَ إِلَيْهَا سَرَّيَتْهُ وَإِذَا أَمَرَهَا أَطَاعَتْهُ
 وَإِذَا غَابَ عَنْهَا حَفِظَتْهُ — رواه ابو داؤد
 (ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباسؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب
 (سورہ توبہ کی) یہ آیت نازل ہوئی، —

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ
وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا
فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ
بِعَذَابٍ أَلِيمٍ يَوْمَ
يُخْشَىٰ عَلَيْهِمْ فِي نَارِ جَهَنَّمَ
فَتَكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ
وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ
هَٰذَا مِمَّا كَنَزْتُمْ
لَا أَنْفُسَكُمْ فَتَذَكُّوْا
الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ
تَكْنِزُونَ۔

(توبہ - ع ۵)

اُن سے (کہا جائے گا یہ ہے تمہاری

اور جو لوگ سونا چاندی (وغیر مالِ دوت)
بطور ذخیرے کے جمع کرنے اور چھوڑتے
رہتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں
خرچ نہیں کرتے، تو اسے پیغمبرِ آپ
ان (پرستارانِ دولت کو آخرت کے)
دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے
(یہ عذاب انہیں اُس دن ہوگا)
جس دن کہ اُن کی جمع کردہ دولت کو
دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر
اس سے اُن کے ماتھے، اُن کے پہلو اور
اُن کی ٹپھیں داغی جائیں گی (اور
اُن سے) کہا جائے گا یہ ہے تمہاری

وہ دولت) جس کو تم نے اپنے لئے چھوڑا تھا اور ذخیرہ کیا تھا، پس مزہ چکھو تم اپنی
دولت اندوزی کا۔

(تو جب یہ آیت نازل ہوئی جس میں ذخیرے کے طور پر مال و دولت جمع کرنے والوں
کے لئے آخرت کے سخت دردناک عذاب کی وعید ہے) تو صحابہؓ پر اس کا بہت بوجھ
پڑا (اور وہ بڑی فکر میں پڑ گئے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تمہاری اس فکر
اور پریشانی کو دور کرنے کی کوشش کروں گا چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے پاس گئے اور عرض کیا کہ: حضرت! آپ کے اصحاب پر اس آیت کا بڑا
بوجھ ہے؟ — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ اللہ پاک نے زکوٰۃ
تو ہی لئے فرض کی ہے کہ اس کی ادائیگی کے بعد جو مال باقی رہ جائے وہ پاک

ہو جائے۔۔۔ اور (آسی طرح) میراث کا قانون اس لئے مقرر کیا ہے کہ۔۔۔
 ابن عباس کہتے ہیں یہ یہاں ایک کلمہ آپ نے کہا تھا جو عجم یا نصیبین یا زبیکین
 میراث کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا کہ یہ (راث کا قانون) یہی لئے مقرر
 کیا گیا ہے کہ (تمہارے یہاں لوگوں کے لئے سہاوا ہو۔۔۔ حضرت عمرؓ نے
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب سن کر خوشی میں) کہا اللہ اکبر!۔۔۔
 اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا: میں تم کو
 وہ ہجرین، دولت برائوں جو اس کی مسخ کی ہے کہ اس کو مصل کیا جائے، اور
 قدر کے ساتھ لکھ جائے۔ وہ نیکہ خصلت اور صلاح زندگی والی رفیقہ حیات ہے
 جس کو آدمی دیکھے تو رُوح اور دل خوش ہو اور اس سے کسی کام کو کئے تو وہ
 اطاعت کرے، اور اس کو انجام دے، اور جب شوہر کہیں باہر جائے تو اس کی
 عدم موجودگی میں اس کے گھر بار اور ہرمانت کی حفاظت کرے۔
 (سنن ابی داؤد)

(تشریح) سورۃ توبہ کی جس آیت کا حدیث میں ذکر ہے جب وہ نازل ہوئی تو
 صحابہ کرامؓ نے اس کے ظاہری الفاظ اور انداز سے سمجھا کہ اس کا مطلب اور مطالبہ یہ ہے
 کہ اپنی کمائی میں سے کچھ بھی پس انداز نہ کیا جائے اور دولت بالکل ہی جمع نہ کی جائے
 جو ہو سب خدا کی راہ میں خرچ کر دیا جائے، اور ظاہر ہے کہ یہ بات انسانوں کیلئے بہت ہی
 بھاری اور بڑی دشوار ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمت کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 سے اس بارے میں استفسار کیا آپؐ نے فرمایا کہ:۔۔۔ اس آیت کا تعلق ان لوگوں سے
 جو مال و دولت جمع کریں اور اس کی زکوٰۃ نہ ادا کریں، لیکن اگر زکوٰۃ ادا کی جائے تو پھر
 باقی مال حلال اور طیب ہو جاتا ہے۔۔۔ آپؐ نے اس موقع پر فرمایا کہ:۔۔۔ اللہ تعالیٰ
 نے زکوٰۃ اسی لئے فرض کی ہے کہ اس کے نکلنے سے باقی مال پاک ہو جائے۔۔۔

اس کے بعد آپ نے مزید فرمایا کہ:۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قانون میراث اسلئے رکھا ہے کہ آدمی کے اٹھ جانے کے بعد اُس کے پس ماندگان کے لئے ایک سہارا ہو۔ اس جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی اشارہ فرمایا ہے کہ اگر پس انداز کرنا اور مالِ دولت کا جمع کرنا مطلقاً منع ہوتا تو شریعت میں زکوٰۃ کا حکم اور میراث کا قانون ہی نہ ہوتا، کیونکہ شریعت کے ان دونوں حکموں کا تعلق جمع شدہ مال ہی سے ہے، اگر مال و دولت رکھنے کی بالکل اجازت نہ ہو تو زکوٰۃ اور میراث کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اصل سوال کے اس جواب کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی ذہنی تربیت کے لئے ایک مزید بات یہ بھی فرمائی کہ مال و زر سے زیادہ کام آنے والی چیز جو اس دُنیا میں دل کے سکون اور رُوح کی راحت کا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔ اچھی صاحبِ صلاح، نیک سیرت اور اطاعت شعار رفیقہٴ حیات ہے، اس کی قدر مال و دولت سے بھی زیادہ کرو، اور اس کو اللہ تعالیٰ کی خاص نعت سمجھو۔ یہ بات آپ نے اس موقع پر اس لئے فرمائی کہ اُس دُور میں عورتوں کی بڑی ناقدری اور اُن کے ساتھ بڑی بے انصافی کی جاتی تھی۔

زکوٰۃ کے تفصیلی احکام اور ضوابط:

زکوٰۃ کی اجمالی اور بنیادی حقیقت تو یہی ہے کہ اپنی دولت اور اپنی کمائی میں سے اللہ کی رضا کے لئے اس کی راہ میں خرچ کیا جائے۔ (وَمِمَّا زَكَّاهُمْ يُنْفِقُونَ) اور جیسا کہ غفریب ہی ذکر کیا جا چکا ہے اسلام کے بالکل ابتدائی دُور میں یہی عمل حکم تھا۔ بعد میں اس کے تفصیلی احکام آئے اور ضوابط مقرر ہوئے مثلاً یہ کہ مال کی کن قسم پر زکوٰۃ واجب ہوگی، کم از کم کتنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی، کتنی مدت گزر جانے کے بعد واجب ہوگی، کن کن راہوں میں وہ خرچ ہو سکے گی۔

اب وہ حدیثیں پڑھی جائیں جن میں زکوٰۃ کے تفصیلی احکام اور ضوابط بیان فرمائے گئے ہیں۔

کم سے کم کتنے مال پر زکوٰۃ فرض ہے؟: —————

(۵) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ مِنَ الثَّمَرِ صَدَقَةٌ وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ أَوْاقٍ مِنَ الْوَرِقِ صَدَقَةٌ وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ دُرٍّ مِنَ الْأَبِلِ صَدَقَةٌ ————— رواه البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ وسق سے کم کھجوروں میں زکوٰۃ نہیں ہے اور پانچ اوقیہ سے کم چاندی میں زکوٰۃ نہیں ہے، اور پانچ راس اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) عہد نبویؐ میں خاص کر مدینہ طیبہ کے قرب و جوار میں جو لوگ خوش حال و دولت مند ہوتے تھے ان کے پاس دولت زیادہ تر تین جنسوں میں سے کسی جنس کی صورت میں ہوتی تھی۔ یا تو ان کے باغوں کی پیداوار کھجوروں کی شکل میں، یا چاندی کی شکل میں، یا اونٹوں کی شکل میں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ان تینوں جنسوں کا نصاب زکوٰۃ بیان فرمایا ہے یعنی ان چیزوں کی کم سے کم کتنی مقدار پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ کھجوروں کے بارے میں آپؐ نے بتایا کہ پانچ وسق سے کم پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، ایک وسق قریباً چھ من ہوتا ہے، اس حساب سے پانچ وسق کھجوریں تیس من کے قریب ہوں گی۔ اور چاندی کے بارے میں آپؐ نے فرمایا کہ پانچ اوقیہ

سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، ایک اوقیہ چاندی چالیس درہم برابر ہوتی ہے، اس بنا پر پانچ اوقیہ دو سو درہم برابر ہوگی جس کا وزن مشہور قول کی بنا پر ساڑھے ماون تو لے ہونا ہے۔ اور اونٹوں کے بارے میں آپؐ نے بتایا کہ پانچ یا سوں سے کم میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ اس حدیث میں صرف ان ہی تین جنسوں میں زکوٰۃ واجب ہونے کا کم سے کم نصاب بیان فرمایا گیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ پانچ وسق (۳۵ من) انھوریں ایک مختصر گھرانے کے مال بھر کے گذارے کے لئے کافی ہو جاتی تھیں، اسی طرح دو سو درہم میں سال بھر کا خرچ چل سکتا تھا، اور مالیت کے لحاظ سے قریب قریب یہی حیثیت پانچ اونٹوں کی ہوتی ہے، اس لئے اس مقدار کے مالک کو خوش حال اور صاحب مال قرار دے کر زکوٰۃ واجب کر دی گئی ہے۔

(۶) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
كَذَا عَفْوُ عَنِ الْخَيْلِ وَالرَّقِيقِ فَهَاتُوا صَدَقَةَ
الزَّوْقَةِ مِنْ كُلِّ أَوْجَعَيْنِ دَرَاهِمًا دَرَاهِمًا وَلَيْسَ فِي
تَصْنِيفِ تَصْنِيفِ مَعَاثٍ شَيْءٌ فَإِذَا بَلَغَتْ مِائَتَيْنِ فِيهِمَا
خَمْسَةُ دَرَاهِمٍ ————— رواه الترمذی والبوداد

(ترجمہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گھوڑوں میں اور غلاموں میں زکوٰۃ واجب نہیں کی گئی ہے۔

۱۔ حضرت علامہ کلام کے لکھے ہوئے قول غلام غلام جیکہ میں تینوں مفہوموں کا الگ الگ معنی ہے بہت بڑا فرق ہو گیا ہے، ۱۰۔ لکھنے والے اور پڑھنے والے کی قیمت میں بھی بہت بڑا فرق ہے، اور قریباً دنیا کے سب لوگوں میں یہی لکھنے والوں کی شکل میں ہے، ۱۰۔ لکھنے والے اپنے لوگوں کی قیمت میں مختلف عمل کے تحت کسی بھی کوئی فرق ہیں تو ان حالات میں وجوب زکوٰۃ کا کم سے کم نصاب کس نصاب پر متعین کیا جائے؟

یس ادا کر زکوٰۃ چاندی کی ہر چالیس درہم میں سے ایک درہم، اور ۹۹ درہم تک
میں کچھ واجب نہیں ہے، اور جب دوسو پورے ہو جائیں تو ان میں پانچ درہم واجب
ہوں گے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(تشریح) گھوڑے اور غلام اگر کسی کے پاس تجارت کے لئے ہوں تو حضرت
سمرہ بن جندبؓ کی آگے درج ہونے والی حدیث کے مطابق اُن پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔
لیکن اگر تجارت کے لئے نہ ہوں بلکہ سواری کے لئے اور خدمت کے لئے ہوں تو خواہ اُن کی
قیمت کتنی ہی ہو اُن پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں
غلاموں اور گھوڑوں پر زکوٰۃ واجب نہ ہونے کا جو بیان ہے اُس کا تعلق اسی صورت
سے ہے۔ آگے چاندی کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ جب تک کسی کے پاس پورے
دو سو درہم برابر چاندی نہ ہو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور دوسو درہم کے بقدر پوچھنے پر
(پہلے) کے حساب سے پانچ درہم ادا کرنے ہوں گے۔

اموال تجارت پر زکوٰۃ:

(۷) عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْمُرُنَا أَنْ نُخْرِجَ الصَّدَقَةَ
مِنَ الْذِي نُوعِدُ لِلْبَيْعِ۔ (رواہ ابوداؤد)

(ترجمہ) حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم کو حکم تھا کہ ہم ہر اُس چیز میں سے زکوٰۃ نکالیں جو ہم نے
بیع و فروخت (یعنی تجارت) کے لئے میاں کی ہو۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی جس مال کی بھی تجارت اور
سوداگری کرے اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

سال گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی :-

(۸) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مِنْ اسْتِفَادَ مَا لَا فَلَا زَكَاةَ فِيهِ حَتَّى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ -

رواہ الترمذی

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کسی کو کسی راہ سے مال حاصل ہو تو اس پر اس کی زکوٰۃ اُس وقت تک واجب نہیں ہوگی جب تک اس مال پر سال نہ گزر جائے۔
(جامع ترمذی)

زیورات پر زکوٰۃ کا حکم :-

(۹) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ
امْرَأَةً أَتَتْ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِابْنَتَيْهِ
لَهَا فِي يَدِ ابْنَتَيْهَا مُسْلَتَانِ غَلِيظَتَانِ مِنْ ذَهَبٍ
فَقَالَ ائْطِئِي زَكَاةَ هَذَا؛ قَالَتْ لَا، قَالَ أَيْسُرُ لِي
أَنْ يُسَوِّرَكَ اللَّهُ بِهَذَا يَوْمَ الْقِيَمَةِ سَوَازَيْنِ
مِنَ الثَّارِ فَنَلَعْنَهُمَا فَأَلْقَتْهُمَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَتْ هُمَا لِلَّهِ وَلِرَسُولِهِ -

رواہ ابو داؤد و ترمذی و صحابہ السنن

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
ایک خاتون نبی ایک لڑکی کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

حاضر ہوئی اور اُس لڑکی کے ہاتھوں میں سونے کے موٹے اور بھاری کنگن تھے۔ آپ نے اُس سے فرمایا کہ: تم ان کنگنوں کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ اُس نے عرض کیا کہ میں ان کی زکوٰۃ تو نہیں دیتی! آپ نے فرمایا:۔ تو کیا تمہارے لئے یہ بات خوشی کی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں کنگنوں کی (زکوٰۃ نہ دینے کی) وجہ سے قیامت کے دن آگ کے کنگن پہنائے؟ اللہ کی اُس بندی نے وہ دونوں کنگن ہاتھوں سے اتار کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈال دیئے اور عرض کیا کہ:۔ اب یہ اللہ اور اس کے رسول کے ہیں۔

_____ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

(۱۰) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَلْبَسُ أَوْضَاحًا مِنْ ذَهَبٍ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَكُنْزُهُو؟ فَقَالَ مَا بَلَغَ أَنْ تُؤَدِّيَ زَكَاةَهُ فَنَزَعْتُ فَلَيْسَ بِكُنْزٍ _____
رواہ مالک و ابوداؤد

(ترجمہ) حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں سونے کے ”اوضاح“ (ایک خاص زیور کا نام ہے) پہنتی تھی میں نے ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ:۔ یا رسول اللہ! کیا یہ بھی اس ”کنز“ میں داخل ہے (جس پر سورۃ توبہ کی آیت وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ الْاٰیۃ میں دوزخ کی وعید آئی ہے)؟ آپ نے فرمایا کہ:۔ جو مال اتنا ہو جائے کہ اس کی زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم ہو، پھر حکم کے مطابق اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے تو ”کنز“ نہیں ہے۔

_____ (موطا امام مالک، سنن ابی داؤد)

(تشریح) ان حدیثوں ہی کی بنیاد پر امام ابو حنیفہؒ سونے چاندی کے زیورات پر (اگر وہ بقدر مصلاب ہوں) زکوٰۃ فرض ہونے کے قائل ہیں لیکن دوسرے ائمہ امام مالکؒ،

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَرْضَ بِحُكْمِ
نَبِيِّ وَلَا غَيْرِهِ فِي الصَّدَقَاتِ حَتَّى حَكَمَهُ هُوَ فَخَزَّاهَا
ثَمَانِيَةَ أَجْزَاءٍ فَإِنْ كُنْتَ مِنْ تِلْكَ الْأَجْزَاءِ أُعْطِيَكَ

رواہ ابو داؤد

(ترجمہ) زیاد بن حارث صدیقی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے آپ سے بیعت کی —
زیاد نے اس موقع پر ایک طویل حدیث ذکر کی اور اسی سلسلہ میں یہ واقعہ نقل کیا کہ
آپ کی خدمت میں اس وقت ایک شخص حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ :- زکوٰۃ کے
مال میں سے کچھ مجھے عنایت فرمائیے ؟ - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے
فرمایا کہ :- اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے مصارف کو نہ تو کسی نبی کی مرضی پر چھوڑا ہے اور نہ
کسی غیر نبی کی مرضی پر، بلکہ خود ہی فیصلہ فرمادیا ہے اور ان کے آٹھ حصے (یعنی آٹھ قسمیں)
کردی ہیں۔ تو اگر تم ان قسموں میں سے کسی قسم کے آدمی ہو تو میں زکوٰۃ میں سے تم کو دے دوں گا۔

(سنن ابی داؤد)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں مصارف زکوٰۃ کے
بارے میں اللہ تعالیٰ کے جس حکم کا حوالہ دیا ہے وہ سورہ توبہ کی اس آیت میں مذکور ہے :-

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ	زکوٰۃ بس حق ہے مفلسوں اور محتاجوں کا
لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ	اور اس کی تحصیل وصول کا کام کرنے والوں
وَالْعَمِلِينَ عَلَيْهَا	کا اور مؤلفۃ القلوب کا، نیز وہ صرف
وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ	کی جاسکتی ہے غلاموں کو آزادی دلانے
وَفِي الرِّقَابِ	اور ان کی گلو خلاصی کرانے میں اور
وَالْعَارِمِينَ وَفِي	اور لائق لوگوں کی مدد میں جو قرعہ پیو کی

سَبِيلَ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ۔ مصیبت میں مبتلا ہوں، اور (ای طرح)

(سُبْحَ تَوْبَةٍ ۸۷) مجاہدوں اور مشافروں کی مدد میں۔

زکوٰۃ کے یہ آٹھ مصرف ہیں جو خود قرآن مجید میں بیان فرمادیئے گئے ہیں، ان کی

مختصر تشریح یہ ہے: —————

فُقَرَاءُ ————— یعنی عام غریب اور مفلس لوگ ————— فقیر عربی زبان میں

غنی کے مقابلے میں بولا جاتا ہے، اس لحاظ سے وہ تمام غریب لوگ اس میں آجاتے ہیں جو غنی نہیں ہیں (یعنی جن کے پاس اتنا سہرا نہیں ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے) شریعت میں غنا کا معیار یہی ہے۔ کتاب الزکوٰۃ کے بالکل شروع میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث گزیر چکی ہے جس میں زکوٰۃ کے بارے میں ارشاد ہوا ہے: "تَوَخَّذْ مِنْ أَغْنِيَاءِهِمْ وَتَرُدَّ إِلَىٰ فُقَرَاءِهِمْ"۔

مساکین ————— وہ حاجت مند جن کے پاس اپنی ضروریات پوری کرنے کیلئے

کچھ نہ ہو اور بالکل خالی ہاتھ ہوں۔

عَامِلِينَ ————— یعنی زکوٰۃ کی تحصیل وصول کرنے والا علمہ ————— یہ لوگ اگر

بالفرض غنی بھی ہوں جب بھی ان کی محنت اور ان کے وقت کا معاوضہ زکوٰۃ سے دیا جاسکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی دستور تھا۔

مَوْلَاتُ الْقُلُوبِ۔ ایسے لوگ جن کی تالیفِ قلب اور دلجوئی اہم دینی و دنیٰ مصالح

کے لئے ضروری ہو، وہ اگر دولت مند بھی ہوں تب بھی اس مقصد کے لئے زکوٰۃ کی مدد سے

ان پر خرچ کیا جاسکتا ہے۔

رِقَابٌ ————— یعنی غلاموں اور باندیوں کی آزادی اور رگوں غلامی

اس مد میں بھی زکوٰۃ خرچ کی جاسکتی ہے۔

خَارِجِينَ ————— جن لوگوں پر کوئی ایسا مالی بار پڑا ہو جس کے اٹھانے کی

ان میں طاقت و قوت نہ ہو، جیسے اپنی مالی حیثیت سے زیادہ قرض کا بوجھ یا کوئی دوسرا مالی تاوان — ان لوگوں کی مدد بھی زکوٰۃ سے کی جاسکتی ہے۔

فی سَبِيلِ اللَّهِ۔۔ اکثر علماء اور ائمہ کے نزدیک اس سے مراد دین کی نصرت و نجات اور اعلا کلمۃ اللہ کے سلسلے کی ضروریات ہیں۔

ابن السَّبِيل۔ اس سے مراد وہ مسافر ہیں جنہیں مسافرت میں ہونے کی وجہ مدد کی ضرورت ہو۔

زیاد بن حارث صدائی کی اس حدیث میں جن صاحب کے متعلق یہ ذکر کیا گیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ زکوٰۃ کے مال میں سے مجھے کچھ عنایت فرمادیجئے؟ انہیں جواب دیتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے زکوٰۃ کے یہ آٹھ مصارف خود ہی مقرر فرمادیئے ہیں، اگر تم ان میں سے کسی طبقہ میں داخل ہو تو میں دے سکتا ہوں، اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر مجھے یہ حق اور اختیار نہیں ہے کہ اس میں سے تم کو کچھ دے سکوں۔ — (یہاں صرف حدیث کی تشریح اور تفہیم کیلئے مصارف کا مختصر بیان کر دیا گیا ہے تفصیلی مسائل فقہ کی کتابوں میں دیکھے جائیں، یا علماء و اصحاب فتویٰ سے دریافت کئے جائیں)۔

(۱۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْيَسْكِينُ الَّذِي يَطْوِي عَلَى النَّاسِ تَرَدُّ مَا لِلْقِسْمَةِ وَاللْقِسْمَتَانِ وَالشَّمْعَةُ وَالشَّمْعَتَانِ وَلَكِنَّ الْيَسْكِينُ الَّذِي لَا يَجِدُ غِنًى يُغْنِيهِ وَلَا يَقْطُنَ بِهِ فَيَتَصَدَّقُ عَلَيْهِ وَلَا يَقْوَمُ فَيَسْأَلُ النَّاسَ

رواہ البخاری و مسلم (ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

وَهُوَ فِي حِجَّةِ الْوُدَاعِ وَهُوَ يَقْسِمُ الصَّدَقَةَ فَمَا لَاهُ مِنْهَا
فَرَقَعَفَيْنَا النَّظَرَ وَخَفَضْنَاهُ فَرَأَانَا جُلْدَيْنِ فَقَالَ إِنَّ
شَيْئًا أُعْطِيَ تَكْمًا وَلَا حَظَّ فِيهَا لِعَبْدِي وَلَا لِقَرَوِي
مُكْتَسِبٍ

رواہ ابو داؤد و السنن

(ترجمہ) عبید اللہ بن عدی بن ابی رباحہ نقل کرتے ہیں کہ مجھے دو آدمیوں نے
بتایا کہ وہ دونوں حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں
حاضر ہوئے، اور آپ اس وقت زکوٰۃ کے اموال تقسیم فرما رہے تھے تو ہم دونوں نے بھی
اس میں سے کچھ مانگا، آپ نے نظر اٹھا کر ہمیں اوپر سے نیچے تک دیکھا، تو آپ نے
ہم کو تندرست و توانا محسوس کیا، پھر فرمایا کہ اگر تم چاہو تو میں تمہیں دے دوں
(مگر یہ سمجھ لو کہ) ان اموال میں مالداروں کا اور ایسے تندرست و توانا لوگوں کا
حصہ نہیں ہے جو اپنی معاش کمانے کے قابل ہوں۔

(سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

(تشریح) ان دونوں حدیثوں میں غنی سے مراد غالباً وہ آدمی ہے جس کے پاس
اپنے کھانے کی طرح جیسی ضروریات کے لئے کچھ سامان موجود ہو اور اُسے فی الحال ضرورت نہ ہو،
ایسے آدمی کو اگر وہ مالکِ نصاب نہیں ہے زکوٰۃ دی جائے، تو اگرچہ ادا ہو جائے گی، لیکن
خود اس آدمی کو زکوٰۃ لینے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ اسی طرح جو آدمی تندرست و توانا ہو
اور محنت کر کے روزی کما سکتا ہو اُس کو بھی زکوٰۃ لینے سے بچنا چاہئے۔ عام ضابطہ
یہی ہے، اور ان دونوں حدیثوں میں اسی عام ضابطہ کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ لیکن
خاص حالات میں ایسے لوگوں کو بھی زکوٰۃ لینے کی گنجائش ہے۔ اسی لئے عبید اللہ بن عدی
دوسری حدیث میں آپ نے ان دونوں صاحبوں سے یہ بھی فرمایا کہ: — ”اگر تم
لینا چاہو تو میں دے دوں گا“ (إِنَّ شَيْئًا أُعْطِيَ تَكْمًا)۔

زکوٰۃ و صدقات اور خاندان نبوت :

(۱۶) عَنْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ هَذِهِ الصَّدَقَاتِ اِسْمَاهِيَ اَوْسَاخُ النَّاسِ وَانْتَهَا لِاِحْتِلَالِ مُحَمَّدٍ وَلَا لِاِلِ مُحَمَّدٍ.

رواہ مسلم

(ترجمہ) عبدالمطلب بن ربیعہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ صدقات لوگوں کے مال و دولت کا میل کچیل ہیں، اور وہ محمد اور آل محمد کے لئے حلال نہیں ہیں۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں زکوٰۃ و صدقات کو میل کچیل اس لحاظ سے کہا گیا ہے کہ جس طرح میل کچیل نکل جانے کے بعد کپڑا ظاہری نظر میں صاف ہو جاتا ہے اسی طرح زکوٰۃ نکلنے کے بعد باقی مال عند اللہ اور باطنی نظر میں پاک ہو جاتا ہے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے مال زکوٰۃ کے استعمال سے پرہیز ہی کیا جائے۔ اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے لئے اور قیامت تک کے واسطے اپنے اہل خاندان بنی ہاشم کے لئے زکوٰۃ کو ناجائز قرار دے دیا۔

(۱۷) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَرِّهِ فِي الطَّرِيقِ فَقَالَ لَوْ لَا آفِيْ أَخَافُ أَنْ تَكُونَنَّ مِنَ الصَّدَقَةِ لَا كَلْثَهَا

رواہ البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزر رہے تھے، راستے میں بڑی ہوئی ایک کھجور آپ نے دیکھی تو فرمایا کہ

اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ شاید یہ زکوٰۃ کی ہو تو میں اس کو اٹھا کے کھا لیتا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس موقع پر آپ کا یہ فرمانادر اصل لوگوں کو یہ سبق دینے کے لئے تھا کہ اگر اللہ کا رزق اور اس کی کوئی نعمت (اگرچہ کیسی ہی کم حیثیت اور کم قیمت ہو) کہیں گری پڑی نظر آئے تو اس کا احترام اور اس کی قدر کی جائے اور اس سے وہ کام لیا جائے جس کے لئے اللہ نے وہ بنائی ہے۔ اسی کے ساتھ آپ نے یہ بتا کے کہ: ”میں اس کو اس لئے نہیں کھا سکتا کہ شاید یہ زکوٰۃ کی کھجوروں میں سے گر گئی ہو“ مشکوک اور مشتبہ چیزوں کے استعمال کرنے سے پرہیز اور احتیاط کا سبق بھی اہل تقویٰ کو دے دیا۔

(۱۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَخَذَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ تَمْرَةً مِنْ تَمْرِ الصَّدَقَةِ فَجَعَلَهَا فِي فِيهِ فَقَالَ
الَّتِي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ وَسَلَّمْ كَمْ كَمْ لِيُطَرَحَهَا
ثُمَّ قَالَ أَمَا شَعُرْتُ أَنَا لَا نَأْكُلُ الصَّدَقَةَ۔

رواہ البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حسن بن علیؓ نے (اپنے بچپن میں) زکوٰۃ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور اٹھا کے اپنے منہ میں رکھ لی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لیا اور فرمایا: ”کَمْ کَمْ لِيُطَرَحَهَا“ تاکہ وہ اس کو منہ سے نکال دیں اور تھوک دیں۔ پھر آپؐ نے فرمایا: ”بیٹا! کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ ہم لوگ (بنی ہاشم) زکوٰۃ نہیں کھاتے ہیں۔“

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۱۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُتِيَ بِطَعَامٍ سَأَلَ عَنْهُ أَهْدِيَتْهُ أَمْ
صَدَقَةٌ؟ فَإِنْ قِيلَ صَدَقَةٌ قَالَ لِأَصْحَابِهِ كُلُوا
وَلَمْ يَأْكُلْ وَإِنْ قِيلَ هَذِي هَذِي ضَرْبَ يَدٍ فَأَكَلَ
مَعَهُمْ

۱۰۰۔ البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول اور دستور تھا کہ جب کوئی کھانے کی چیز آپ کے پاس لاتا تو آپ اس کے بارے میں دریافت فرماتے کہ: یہ ہدیہ ہے یا صدقہ؟ اگر آپ کو بتایا جاتا کہ یہ صدقہ ہے تو آپ اپنے اصحاب سے (یعنی ان اصحاب سے جن کے لئے صدقہ کھانے میں کوئی مضائقہ نہ ہوتا، جیسے کہ اصحاب صفہ) فرمادیتے کہ تم لوگ کھاؤ، اور خود اُس میں سے نہ کھاتے۔ اور اگر آپ کو بتایا جاتا کہ یہ کھانا ہدیہ ہے تو آپ بھی اُس کی طرف ہاتھ بڑھاتے اور ان اصحاب کے ساتھ اُس کے کھانے میں شرکت فرماتے۔ (صحیح مسلم و صحیح بخاری)

(تشریح) کسی شخص کو غریب اور ضرورت مند سمجھ کر اعانت و امداد کے طور پر ثواب کی نیت سے جو کچھ دیا جائے وہ شریعت کی اصطلاح میں صدقہ کہلاتا ہے، خواہ وہ مسکین و واجب ہو، جیسے زکوٰۃ یا صدقہ فطر، یا نفلی ہو (جس کو ہماری زبان میں امداد اور خیرات کہا جاتا ہے)۔ اور اگر عقیدت و تعلق و محبت کی وجہ سے اور اس کے تقاضے سے کسی اپنے محترم اور محبوب کی خدمت میں کچھ پیش کیا جائے تو وہ ہدیہ کہلاتا ہے۔ صدقہ میں دینے والے کی پوزیشن اونچی اور بلند ہوتی ہے اور بیچارے لینے والے کی نیچی اور پست، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی قسم کا صدقہ استعمال نہیں فرماتے تھے۔ اور ہدیہ دینے والا اس کے ذریعے احترام و عقیدت اور تعلق و محبت کا اظہار کرتا ہے اور اس کو اپنی ذاتی ضرورت سمجھتا ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو خوشی سے

قبول فرماتے تھے، پیش کرنے والے کو دعائیں دیتے تھے، اور بسا اوقات اپنی طرف سے اس کو ہدیہ دے کر اس کی مکافات بھی کرتے تھے۔ اور جب کوئی صدقہ کے طور پر کچھ لاتا تو وہ اپنے اصحاب متحقیں کو دے دیتے تھے۔

(۲) عَنْ أَبِي زَافِعٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ رَجُلًا مِنْ بَنِي عُزْرُمٍ عَلَى الصَّدَقَةِ فَقَالَ لَا بَنِي زَافِعٍ اصْحَبْنِي كَيْمَا تُصِيبَ مِنْهَا فَقَالَ لَا حَتَّىٰ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْأَلَهُ فَا نْطَلِقَ إِلَى الثَّيْبِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ فَقَالَ إِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَحِلُّ لَنَا وَإِنِّ مَوَالِيَ الْقَوْمِ مِنْ أَنْفُسِهِمْ۔۔۔۔۔۔ رواه الترمذی و ابو داؤد والنسائی

(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ابو زافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عُزْرُم کے ایک آدمی کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مقرر فرمایا۔ اُس عُزْرُمی نے ابو زافع سے کہا:۔۔۔۔۔۔ تم بھی میرے ساتھ چلو، تاکہ تمہیں بھی (حقِ المعنت کے طور پر) اس میں سے کچھ مل جائے جس طرح مجھے ملے گا؟۔ ابو زافع نے اُن سے کہا کہ:۔۔۔۔۔۔ جب مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت نہ کر لو تمہارے ساتھ نہیں چل سکتا۔ اس کے بعد ابو زافع حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے

۱۔ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے: "كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْبَلُ الْهَدْيَةَ يُصِيبُ عَلَيْهَا" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرماتے تھے، اور ہدیہ پیش کرنے والوں کو خود بھی ہدیہ دیتے تھے۔ ۱۱۔

اور آپ سے اس بارے میں دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ:۔ ہمارے گھر اور ہمارے خاندان کے لئے زکوٰۃ میں سے کچھ لینا جائز نہیں ہے، اور کسی گھرانے کے غلام بھی انہی میں سے ہیں (اس لئے ہماری طرح تمہارے لئے بھی یہ جائز نہیں ہے)۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

(تشریح) اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل خاندان کے لئے زکوٰۃ حلال نہیں ہے، اُسی طرح آپ کے اور آپ کے خاندان والوں کے غلاموں کے لئے بھی حلال نہیں ہے۔ حتیٰ کہ آزاد ہونے کے بعد بھی وہ زکوٰۃ فتنہ سے کچھ نہیں لے سکتے۔ دوسری بات اس حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ زکوٰۃ کی تحصیل وصول کی اجرت اور حق المحنت کے طور پر اسی زکوٰۃ میں سے ہر عامل کو دیا جاسکتا ہے (حتیٰ کہ عامل اگر اپنے گھر کا دولت مند ہو اور خود اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہو تب بھی اس کو بطور اجرت زکوٰۃ سے دیا جاتا ہے) لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان والوں اور ان کے غلاموں کے لئے اس کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ ایک تیسری بات اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور اسلامی قانون نے غلاموں کو اس زمانہ میں جب دنیا میں ان کی کوئی بھی حیثیت نہیں تھی کتنا بلند درجہ دیا تھا، اور قانونی مالکوں کی خاندانی خصوصیات تک میں ان کو کس حد تک شریک کر دیا تھا۔

کن حالات میں سوال کرنے کی اجازت ہے، اور کن حالات میں مانعت

حضرات محدثین "کتاب الزکوٰۃ" ہی میں وہ حدیثیں بھی درج کرتے ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ کن حالات میں سوال کرنے کی مانعت ہے اور کن حالات میں اجازت ہے

اُن کے اس طریقے کی پیروی میں اس سلسلہ "معارف الحدیث" میں بھی وہ حدیثیں
یہیں درج کی جاتی ہیں : —————

(۲۱) عَنْ مُحَبِّشِيِّ بْنِ جُنَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ السُّئْلَةَ لَا تَحِلُّ لِعَنِي
وَلَا لِبَنِي صَدِيقِي إِلَّا لِبْنِي فَقِيرٍ مُدْفِعٍ أَوْ
عُزْمٍ مُفْطِئٍ وَمَنْ سَأَلَ النَّاسَ لِيُثْرِيَ بِهِ مَالَهُ
كَانَ حُمُوشًا نِي وَجْهِهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَ رَضْعًا
يَا كُلُّهُ مِنْ جَهَنَّمَ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُقِلَّ وَمَنْ شَاءَ
فَلْيُكْثِرْ ————— رواه الترمذی

(ترجمہ) مُحَبِّشِی بن جنادہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
سوال کرنا جائز نہیں ہے غنی آدمی کو اور نہ تو اتنا و تند دست آدمی کو۔ البتہ ایسے
آدمی کو جائز ہے جس کو ناداری و افلاس نے زمین پر گرادیا ہو، یا جس پر قرض یا
کسی تاوان وغیرہ کا کوئی بھاری بوجھ پڑ گیا ہو، اور جو آدمی (محتاجی کی وجہ سے نہیں
بلکہ) اپنے مال میں اضافہ کے لئے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے اور سوال کرے تو
قیامت کے دن اس کا یہ سوال اس کے چہرے پر ایک زخم اور گھاؤ کی شکل میں
نمایاں ہوگا، اور جہنم کا گرم جلتا ہوا پتھر ہوگا جس کو وہاں وہ کھائے گا۔
اس کے بعد جس کا جی چاہے سوال کم کرے اور جس کا جی چاہے زیادہ کرے (اور
آخرت میں اس کا یہ نتیجہ بھگتے) ————— (جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث میں بھی عبداللہ بن عمرو بن العاص کی حدیث (ذیل) کی طرح
غنی سے مراد وہ آدمی ہے جو فی الحال محتاج اور ضرورت مند نہ ہو (اگرچہ وہ صاحب نصاب
اور سرمایہ دار بھی نہ ہو) ایسے آدمی کو اور اُس تند دست و تھا نا آدمی کو جو محنت کر کے کمائی

روزی لکھا سکتا ہو، اس حدیث میں سوال کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ عام ضابطہ اور مسئلہ یہی ہے کہ ایسے آدمی کو کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرنا چاہئے۔ ہاں اگر افلاس و ناداری نے کسی کو بالکل ہی گرا دیا ہو اور سوال کے سوا اُس کے سامنے کوئی راہ نہ ہو، یا کسی کو کوئی جرمانہ یا تاوان یا قرض ادا کرنا ہو اور وہ دوسروں سے امداد لئے بغیر اُس کو ادا نہ کر سکتا ہو تو ان صورتوں میں اس کو سوال کرنے کی اجازت ہے۔

آخر میں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص ضرورت مندی اور محتاجی کی مجبوری سے نہیں بلکہ اپنی مالی حالت بہتر بنانے کے لئے دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلائے گا، اس کو قیامت میں اس کی سزا یہ دی جائے گی کہ اس کے چہرے پر ایک بد نما گھاؤ ہوگا۔ اور جو کچھ اس نے سوال کر کے لوگوں سے لیا تھا وہ وہاں جہنم کا گرم پتھر بنا دیا جائے گا اور وہ اُسے کھانے پر مجبور ہوگا۔

(۲۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَنْ سَأَلَ النَّاسَ أَمْوَالَهُمْ
تَكَثُّرًا فَإِنَّهُمَا يَسْأَلُ جَهَنَّمَ أَفَلَيْسَتْ قِلَّةً أَوْ لَيْسَتْ كَثْرَةً

رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جو کوئی (حاجت سے مجبور ہو کر نہیں بلکہ) زیادہ مال حاصل کرنے کے لئے لوگوں سے مانگتا ہے تو وہ درحقیقت اپنے لئے جہنم کا مانگتا ہے (یعنی جو کچھ اس طرح سوال کر کے وہ حاصل کرے گا وہ آخرت میں اس کے لئے دوزخ کا انگارہ بن جائے گا)۔ اب خواہ اس میں کمی کرے یا زیادتی کرے۔ (صحیح مسلم)

(۲۳) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَأَلَ النَّاسَ وَلَهُ مَا يُغْنِيهِ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَمَسْأَلُهُ فِي وَجْهِهِ خُمُوشٌ أَوْ

خُذْ مِنْ أَوْكُدْ وَخُذْ قِيلَ يَا رَسُولُ اللَّهِ مَا يُغْنِيهِ؟
قَالَ خَمْسُونَ دِرْهَمًا أَوْ قِيمَتُهُمَا مِنَ الدَّهَبِ —

رواه ابوداؤد، والتزمى، والنسائى وابن بقره الدارمى

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ایسی حالت میں لوگوں سے سوال کرے کہ اس کے پاس "مَایَغْنِیْہ" ہو (یعنی اتنا موجود ہو جو اس کے لئے کافی ہو، اور جس کے بعد وہ دوسروں کا محتاج اور دست نگر نہ رہے) تو وہ قیامت کے دن عشرہ میں اس حال میں آئے گا کہ اس کا سوال اُس کے چہرے میں ایک گھاؤ کی صورت میں ہو گا (خُوش، خُدوش، کُدر، کُورخ) یہ نینوں لفظ قریب المعنی ہیں، ان کے معنی زخم کے ہیں۔ غلبہ لادوی شک ہو گیا ہے کہ اہل حدیث میں ان نینوں سے کون لفظ تھا۔۔۔۔۔ آگے حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر آپ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! وہ کتنی مقدار ہے جس کو آپ نے "مَایَغْنِیْہ" فرمایا ہے (اور جس کے بعد وہ دوسروں کا محتاج اور دست نگر نہیں رہتا)۔ آپ نے فرمایا کہ:۔۔۔۔۔ پچاس درہم یا ان کی قیمت کا سونا۔۔۔۔۔ (سنن ابی داؤد،

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جس کے پاس پچاس مہم یا اس کے قریب مالیت موجود ہو، جسے وہ اپنی ضروریات میں استعمال کر سکتا ہو اور کسی کاروبار میں لگا سکتا ہو اس کے لئے سوال کرنا گناہ ہے، اور ایسا شخص قیامت میں اس حالت میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر اس ناجائز سوال کی وجہ سے بدنام داغ ہوگا۔

اس حدیث میں اس قول کا معیار جس کے ہوتے ہوئے سوال جائز نہیں، پچاس دم کی مالیت کو قرار دیا گیا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ایک اوقیہ یعنی چالیس

درہم کی مالیت کا بھی ذکر ہے — اور ظاہر ہے کہ ان دونوں میں کوئی بڑا فرق نہیں ہے۔ لیکن سنن ابی داؤد کی ایک اور حدیث میں جو سہل بن الحنفیہ سے مروی ہے مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا: ”مَا الْفَيْحَى الْكِنْدِيُّ لَا تَنْبَغِي مَعَهُ الْمَسْكَلَةُ“ (غنا کی وہ کیا مقدار ہے جس کے ہوتے ہوئے سوال نہیں کرنا چاہئے؟) تو آپ نے فرمایا: — ”قَدْ رَوَيْتُ يَهُ وَيَهُ وَيَعِشِيَهُ“ (اتنا کہ اس سے دن کا کھانا کھا سکے اور رات کا کھانا کھا سکے)۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کے پاس ایک دن کے کھانے بھر بھی ہے تو اس کو سوال کرنا درست نہیں۔

وہ غنا جس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے اُس کا معیار نو متعین ہے اور اس سے متعلق قدس پہلے گزر چکیں، لیکن وہ غنا جس کے حاصل ہوتے ہوئے سوال نہیں کرنا چاہئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اوقات میں اُس کے معیار مختلف بیان فرمائے ہیں۔ شراحین حدیث نے اس اختلاف کی توجیہ کئی طرح سے کی ہے۔ اس عاجز کے نزدیک سب سے اقرب بات یہ ہے کہ یہ اختلاف اشخاص اور احوال کے لحاظ سے ہے۔ یعنی بعض حالات اور اشخاص ایسے ہو سکتے ہیں کہ تھوڑا بہت اضافہ ہونے کی صورت میں بھی ان کے لئے سوال کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر یہ اثاثہ (۵۰،۴۰) درہم کے قریب ہو تو پھر بالکل گنجائش نہیں — اور بعض حالات اور اشخاص ایسے بھی ہو سکتے ہیں کہ ان کے پاس اگر ایک دن کے کھانے کے لئے بھی کچھ ہو تو ان کے لئے سوال کی گنجائش نہیں — اسی طرح اس اختلاف کو رخصت و عزیمت کے فرق پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے۔ یعنی یہ کہ جن احادیث میں (۵۰،۴۰) درہم کی مالیت کو معیار بتایا گیا ہے ان میں رخصت اور فتوے کا بیان ہے، اور جن میں ایک دن کے کھانے بھر ہونے کی صورت میں بھی سوال سے منع کیا گیا ہے وہ عزیمت اور تقویٰ کا مقام ہے۔ واللہ اعلم

سوال میں بہر حال ذلت ہے :

(۲۴) عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ وَهُوَ يَذْكُرُ الصَّدَقَةَ وَالتَّعَفُّفَ عَنِ الْمُسْتَلَةِ أَلَيْدُ الْعُلَيَّا خَيْرٌ مِّنَ أَلَيْدِ السَّفَلَى وَالْأَلَيْدُ الْعُلَيَّا هِيَ الْمُنْفِقَةُ وَالسَّفَلَى هِيَ السَّائِلَةُ۔

رواہ البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کا اور مانگنے سے پرہیز کرنے کا ذکر کرتے ہوئے برسر منبر ایک دن فرمایا :- اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے، اوپر والا ہاتھ دینے والا ہاتھ ہے اور نیچے والا ہاتھ مانگنے والا ہاتھ ہے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ دینے والے کا مقام اونچا اور عزت کا ہے، اور مانگنے والے کا نیچا اور ذلت کا۔ اس لئے مومن کو دینے والا بننا چاہئے اور سوال کی ذلت سے اپنے کو حتی الامکان بچانا ہی چاہئے۔

اگر سوال کرنا ناگزیر ہو تو اللہ کے نیک بندوں سے کیا جائے

(۲۵) عَنْ ابْنِ الْفَرَّاسِيِّ أَنَّ الْفَرَّاسِيَّ قَالَ قُلْتُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْأَلُ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا وَإِنْ كُنْتَ لَا بَدَّ فَسَلِ الصَّابِحِينَ۔

رواہ ابو داؤد و ترمذی

(ترجمہ) ابن الغزالی تابعی اپنے والد فرامی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ :- میں اپنی ضرورت کے لئے لوگوں سے سوال کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا :- (جہاں تک ہو سکے) سوال نہ کرو، اور اگر تم سوال کے لئے مجبور ہی ہو جاؤ تو اللہ کے نیک بندوں سے سوال کرو۔

(سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

اپنی حاجت بندوں کے سامنے نہ رکھو، اللہ کے سامنے رکھو:-

(۲۶) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَصَابَتْهُ فَاَقَةٌ فَأَنْزَلَهَا بِالسَّائِسِ لَمْ تُسَدَّ فَاَقَتُهُ وَمَنْ أَنْزَلَهَا بِاللَّهِ أَوْ شَكَ اللَّهُ لَهُ بِالْغِنَاءِ مَا يَمُوتُ عَاجِلٍ أَوْ غَنَى آجِلٍ

رواہ ابو داؤد و الترمذی

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- جس آدمی کو کوئی سخت حاجت پیش آئی اور اسے اُس نے بندوں کے سامنے رکھا (اور اُن سے مدد چاہی) تو اسے اس مصیبت سے مستقل نجات نہیں ملے گی، اور جس آدمی نے اسے اللہ کے سامنے رکھا اور اُس سے دُعا کی، تو پوری اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ جلد ہی اس کی یہ حاجت ختم کر دے گا یا تو جلدی موت دے کر (اگر اس کی موت کا مقرر وقت آگیا ہو) یا کچھ تاخیر سے خوشحالی دے کر۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

بندوں سے سوال نہ کرنے پر جنت کی ضمانت :-

(۲۷) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مَنْ يَكْفُلْ لِي أَنْ لَا يَسْأَلَ النَّاسَ شَيْئًا فَأَتَكْفُلَ لَهُ
بِالْجَنَّةِ فَقَالَ ثَوْبَانُ أَفَأَفْكَانَ لَا يَسْأَلُ أَحَدًا شَيْئًا

رواہ ابو داؤد والنسائی

(ترجمہ) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا: جو مجھ سے اس بات کا عہد کرے کہ وہ اللہ کے بندوں سے اپنی کوئی حاجت نہ مانگے گا تو میں اُس کے لئے جنت کی ضمانت کرتا ہوں۔
ثوبان کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا:۔ حضرت! میں یہ عہد کرتا ہوں۔ راوی کا بیان ہے کہ اس وجہ سے حضرت ثوبان کا یہ دستور تھا کہ وہ کسی آدمی سے کوئی چیز نہیں مانگتے تھے۔ (سنن ابی داؤد و سنن نسائی)

اگر بغیر سوال اور طمع نفس کے کچھ ملے تو اس کو لے لینا چاہئے:-

(۲۸) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُطِيلُنِي الْعَطَاءَ فَأَقُولُ أَعْطِهِ أَفْقَرُ إِلَيْهِ
مِثِّي فَقَالَ خُذْهُ فَتَتَوَلَّهِ وَتَصَدَّقْ بِهِ فَمَا جَاءَكَ
مِنْ هَذَا الْمَالِ وَأَنْتَ غَيْرُ مُشْرِفٍ وَلَا سَائِلٍ فَخُذْهُ
وَمَا لَا فَلا تُتْبِعْهُ نَفْسًا

(ترجمہ) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کچھ عطا فرماتے تھے تو میں عرض کرتا تھا کہ:۔ حضرت! کسی ایسے آدمی کو دے دیجئے جس کو مجھ سے زیادہ اس کی ضرورت ہو؟۔ تو آپ فرماتے کہ عمر اس کو لے لو اور اپنی ملکیت بنا لو (پھر چاہو تو) صدقہ کے طور پر کسی حاجت مند کو دے دو (اور اپنا یہ اصول بنا لو کہ) جب کوئی مال تمہیں اس طرح ملے کہ نہ تم نے اس کو

سوال کیا ہو اور نہ تمہارے دل میں اس کی چاہت اور طبع ہو (تو اس کو اللہ کا علیحدہ کر دے)
 لے لیا کرو، اور جو مال اس طرح تمہارے پاس نہ آئے تو اس کی طرف توجہ بھی نہ کرو۔
 (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

جب تک محنت سے کہا سکتے ہو سوال نہ کرو: —

(۲۹) عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَأْخُذْ أَحَدُكُمْ حَبْلَهُ فَيَتَأَيَّ بِحُزْمَةٍ حَطَبٍ عَلَى ظَهْرِهِ فَيَبْتَغِيَهَا فَيَكْفُفَ اللَّهُ بِهَا وَجْهَهُ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَسْأَلَ النَّاسَ أَنْ يُعْطَوْهُ أَوْ مَنَعُوهُ

رواہ البخاری

(ترجمہ) حضرت زبیر بن العوام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی (ضرورت مند) آدمی کا یہ رویہ کہ وہ رسی لے کر جھگل جائے اور لکڑیوں کا ایک گٹھا اپنی کمر لاد کے لائے اور بیچے، اور اس طرح اللہ کی توفیق سے وہ سوال کی ذلت سے اپنے کو بچائے، اس سے بہت بہتر ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے سوال کا راتھ پھیلائے پھر خواہ وہ اس کو دیں یا نہ دیں —

(صحیح بخاری)

(۳۰) عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُهُ فَقَالَ إِنَّمَا فِي بَيْتِكَ شَيْءٌ فَقَالَ بَلَى جُلُوسٌ نَلْبَسُ بَعْضُهُ وَنَبْشُطُ بَعْضُهُ وَقَعْبٌ نَشْرَبُ فِيهِ مِنَ الْمَاءِ قَالَ إِنْتَبِزُوا بِهِمَا فَأَتَاهُ بِهِمَا فَأَخَذَ مِنْهُمَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

بِيدِهِ وَقَالَ مَنْ يَشْتَرِي هَذَيْنِ؟ قَالَ رَجُلٌ أَنَا
أَخَذْتُ مِمَّا بِيَدِهِمَا قَالَ مَنْ يَزِيدُ عَلَيَّ وَرَهْمِهِ
مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا قَالَ رَجُلٌ أَنَا أَخَذْتُ مِمَّا بِيَدِهِمَا
فَأَعْطَاهُمَا إِيَّاهُ فَأَخَذَ الدِّرْهَمَيْنِ فَأَعْطَاهُمَا
الْأَنْصَارِيَّ وَقَالَ لِيَشْتَرِ بِأَحَدِهِمَا طَعَامًا فَأَنْبِذَهُ
إِلَى أَهْلِكَ وَاشْتَرِ بِالْآخَرِ قَدْ وَفَّيْتَنِي بِهِ
فَاتَّاهُ بِهِ فَشَدَّ فِيهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
عُودًا بِبَيْدِهِ ثُمَّ قَالَ إِذْهَبْ فَأَخْطُبْ وَبِعْ وَلَا
أُرِيكَ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا فَذَهَبَ الرَّجُلُ
بِخَطْبِ بَيْدَيْهِ فُجَاءَهُ وَقَدْ أَصَابَ عَشْرَةَ دَرَاهِمَ
فَاشْتَرَى بِبَعْضِهَا ثَوْبًا وَبِبَعْضِهَا طَعَامًا فَقَالَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا خَيْرٌ لَكَ
مِنْ أَنْ تَحْمِلَ الْمَسْئَلَةَ ثَلَاثَةَ فَيُوجِّهَكَ يَوْمَ
الْقِيَمَةِ إِنَّ الْمَسْئَلَةَ لَا تَصْلِحُ إِلَّا لِثَلَاثَةٍ لِيَدِيَ
فَقَرِمْدُ قِيَعٍ أَوْ لِيَدِي غُرْمٍ مُغْطَجٍ أَوْ لِيَدِي دَمٍ

رواه ابو داود

مُوجَّعٌ

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک (غلیس اور غریب شخص)
انصار میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور (اپنی
 حاجت مندی ظاہر کر کے) آپ سے کچھ مانگا۔ آپ نے فرمایا کہ: کیا تمہارے گھر میں
 کوئی چیز بھی نہیں ہے؟۔ انھوں نے عرض کیا: بس ایک کھل ہے جس میں سے کچھ
 ہم اڑھ لیتے ہیں اور کچھ بچا لیتے ہیں، اور ایک پیالہ ہے جس سے ہم پانی پیتے ہیں

(باقی بس اللہ کا نام)۔ آپ نے فرمایا:۔ یہی دونوں چیزیں میرے پاس لے آؤ۔ انھوں نے وہ دونوں لا کر آپ کو دے دیں۔ آپ نے وہ کھل اور پیالہ ہاتھ میں لیا، اور (نیلام کے طریقے پر) حاضرین سے فرمایا:۔ کون ان دونوں چیزوں کو خریدنے پر تیار ہے؟۔ ایک صاحب نے عرض کیا:۔ حضرت! میں ایک درہم میں ان کو لے سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا:۔ کون ایک درہم سے زیادہ لگاتا ہے (یہ بات آپ نے دودفعہ یا تین دفعہ فرمائی)۔ ایک دوسرے صاحب نے عرض کیا کہ:۔ حضرت! میں دو درہم میں لے سکتا ہوں۔ آپ نے دونوں چیزیں ان صاحب کو دے دیں اور ان سے دو درہم لے لئے اور ان انصاری کے حوالے کئے اور ان سے فرمایا کہ:۔ ان میں سے ایک کا تم کھانے کا کچھ سالن (غلہ وغیرہ) لے کر اپنے بیوی بچوں کو دے دو، اور دوسرے درہم سے ایک کلبھاری خریدو اور اس کو میرے پاس لیکر آؤ۔ انھوں نے ایسا ہی کیا اور کلبھاری لیکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اپنے دست مبارک سے اس کلبھاری میں لکڑی کا ایک دستہ خوب مضبوط لگا دیا، اور ان سے فرمایا:۔ جاؤ اور جنگل کی لکڑیاں لا کر بیچو، اور اب میں پندرہ دن تک تم کو نہ دیکھوں (یعنی دو ہفتہ تک یہی کام کرو اور میرے پاس آنے کی بھی کوشش نہ کرو)۔ چنانچہ وہ صاحب چلے گئے اور آپ کی ہدایت کے مطابق جنگل کی لکڑیاں لاکر بیچتے رہے۔ پھر ایک دن آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے اپنی محنت اور لکڑی کے اس کاروبار سے دس درہم کمائے تھے جن میں سے کچھ کا انھوں نے کپڑا خریدا اور کچھ کا غلہ وغیرہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اپنی محنت سے یہ کماتا تمھارے لئے اس سے بہت ہی بہتر ہے کہ قیامت کے دن لوگوں سے مانگنے کا داغ تمھارے چہرے پر ہو۔ (پھر آپ نے فرمایا) سہل کرنا صرف تین قسم کے آدمیوں کے لئے درست ہے:۔ ایک وہ آدمی جسے فقر و فاقہ نے زمین سے لگا دیا ہو اور بالکل لاجوار کر دیا ہو۔ دوسرے وہ جس پر قرض یا کسی ڈنڈ کا بھاری بوجھ ہو (جس کی

ادائیگی اس کے امکان میں نہ ہو) تیسرے وہ جس کو کوئی نواں ادا کرنا ہوا اور وہ بے
ادانہ کر سکتا ہو۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) یہ حدیث کسی تشریح کی محتاج نہیں۔ افسوس! جس پیغمبر کی یہ ہدایت
اور یہ طرز عمل تھا، اُس کی امت میں پیشہ و رسائلوں اور گداگروں کا ایک طبقہ موجود ہے،
اور کچھ لوگ وہ بھی ہیں جو عالم یا پیر بن کر معزز قسم کی گداگری کرتے ہیں، یہ لوگ سوال اور گداگری
کے علاوہ فریب دہی اور دین فروشی کے بھی مجرم ہیں۔

زکوٰۃ کے علاوہ مالی صدقات:

(۳) عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ فِي الْمَالِ تَحَقُّقًا لِّلزَّكَاةِ
ثُمَّ تَلَا لَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تُولُوا وَجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ
وَالْمَغْرِبِ۔ الْآيَةُ۔ رواه الترمذی وابن ماجہ والدارمی

(ترجمہ) فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا: ممال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی (اللہ کا) حق ہے۔ پھر آپ نے
یہ آیت تلاوت فرمائی:۔

لَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تُولُوا	اصل نیکی اور بھلائی (کامیاب)
وَجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ	یہ نہیں ہے کہ (عبادت میں) تم
وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ	مشرق کی طرف اپنا رخ کرو، یا
مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ	مغرب کی طرف، بلکہ اصل نیکی کی
الْآخِرَةِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ	راہ بس ان لوگوں کی ہے جو ایمان
وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ	لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر

عَلٰی حَيْثُ ذُو الْقُرْبٰی
 وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسْكِيْنِ
 وَابْنِ السَّبِيْلِ وَالسَّائِلِيْنَ
 وَفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ
 وَآتٰى الزَّكٰوةَ الْاَيَةُ
 اور ملا لگہ پر اور اللہ کی کتابوں اور
 اس کے یتیموں پر اور جنھوں نے مال
 کی محبت کے باوجود اس کو خرچ کیا
 قربت داروں پر اور یتیموں مسکینوں پر
 پھر سافروں اور سائلوں پر اور غلاموں کے
 آزادی دلانے میں اور اچھی طرح قائم کی
 (البقرہ - ع - ۲۷)

انھوں نے نماز اور ادا کی زکوٰۃ الخ

(صاحب تہذیب، سنس ابن ماجہ، مسند دہلوی)

(قشریح) حدیث کا مقصد و غشاء یہ ہے کہ کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہوئی چاہئے کہ
 مقررہ زکوٰۃ (یعنی فاضل سرمایہ کا چالیسواں حصہ) ادا کر دینے کے بعد آدمی پر اللہ کا کوئی
 مالی حق اور مطالبہ باقی نہیں رہتا اور وہ اس سلسلہ کی ہر قسم کی ذمہ داریوں سے بالکل سبکدوش
 ہو جاتا ہے۔ ایسا نہیں ہے، بلکہ خاص حالات میں زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد بھی اللہ کے
 ضرورت مند بندوں کی مدد کی ذمہ داری دولت مندوں پر باقی رہتی ہے۔ مثلاً ایک
 صاحب ثروت آدمی حساب سے پوری زکوٰۃ ادا کر چکا ہو، اس کے بعد اسے معلوم ہو کہ
 اس کے پڑوس میں فاقہ ہے یا اس کا فلاں قریبی رشتہ دار سخت محتاجی کی حالت میں ہے، یا
 کوئی شریف مصیبت زدہ یا مسافر ایسی حالت میں اس کے پاس پہنچے جس کو فوری امداد کی
 ضرورت ہو تو ایسی صورتوں میں ان ضرورت مندوں محتاجوں کی امداد اس پر واجب ہوگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بیان فرمائی اور بطور استشہاد سورہ بقرہ کی
 مُنَدْرَجۃً بِالْآیۃِ تِلْكَ اٰیۃُ الْفُرْقَانِ۔ اس آیت میں اعمالِ برّ (نیکی کے کاموں) کے ذیل میں
 ایمان کے بعد یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سائلوں وغیرہ حاجت مند طبقوں کی مالی مدد کا ذکر
 کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اقامتِ صلوٰۃ اور ادا کی زکوٰۃ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے

معلوم ہوا کہ ان کمزور اور ضرورت مند طبقوں کی مالی مدد کا جو ذکر یہاں کیا گیا ہے وہ زکوٰۃ کے علاوہ ہے، کیونکہ زکوٰۃ کا مستقل ذکر اس آیت میں آگے موجود ہے۔

امیر غریب ہر مسلمان کے لئے صدقہ لازم ہے: —

(۳۲) عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ قَاتِلًا أَوْ فَنًا لَمْ يَجِدْ قَالَ فَلْيَعْمَلْ بِيَدِهِ فَيَنْفَعُ نَفْسَهُ وَ يَنْصَدَقُ قَاتِلًا أَوْ فَنًا لَمْ يَسْتَطِعْ قَالَ فَيُعِينُ ذَا الْحَاجَةِ أَلَمْ يَمُوتْ قَاتِلًا أَوْ فَنًا لَمْ يَفْعَلْهُ قَالَ فَيَأْمُرُ بِالْخَيْرِ قَاتِلًا أَوْ فَنًا لَمْ يَفْعَلْ قَالَ فَيُمْسِكُ عَنِ الشَّرِّ فَإِنَّهُ لَهُ صَدَقَةٌ

رواہ البخاری مسلم

(ترجمہ) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مسلمان پر صدقہ لازم ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ: اگر کسی آدمی کے پاس صدقہ کرنے کے لئے کچھ نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ آپ نے فرمایا کہ: اپنے دست و بازو سے محنت کرے اور مکائے پھر اس سے خود بھی فائدہ اٹھائے اور صدقہ بھی کرے۔ عرض کیا گیا کہ: اگر وہ یہ نہ کر سکتا ہو تو کیا کرے؟ آپ نے فرمایا: کسی پریشاں حال محتاج کا کوئی کام کرے اس کی مدد ہی کر دے (یہ بھی ایک طرح کا صدقہ ہے)۔ عرض کیا گیا کہ: اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے تو کیا کرے؟ آپ نے فرمایا: تو اپنی زبان ہی سے لوگوں کو بھلائی اور نیکی کے لئے کلمے۔ لوگوں نے عرض کیا: اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے تو کیا کرے؟ آپ نے فرمایا کہ: (کم از کم) شر سے اپنے کو روکے (یعنی اس کا اہتمام کرے کہ اس سے کسی کو تکلیف اور ایذا نہ پہنچے) یہ بھی

اس کے لئے ایک طرح کا صدقہ ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)
 (تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں پر دولت اور سرمایہ نہ ہونے
 کی وجہ سے زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی ان کو بھی صدقہ کرنا چاہئے۔ اگر روپیہ پیسہ سے ہاتھ بالکل
 خالی ہو تو محنت مزدوری کر کے اور اپنا پیٹ کاٹ کے صدقہ کی سعادت حاصل کرنی چاہئے۔
 اگر اپنے خاص حالات کی وجہ سے کوئی اس سے بھی مجبور ہو تو کسی پریشاں حال کی خدمت
 ہی کر دے، اور ہاتھ پاؤں سے کسی کا کام نہ کر سکے تو زبان ہی سے خدمت کرے۔
 حدیث کی روح اور اس کا خاص پیغام یہی ہے کہ ہر مسلمان خواہ امیر ہو یا غریب، طاقتور
 اور توانا ہو یا ضعیف اُس کے لئے لازم ہے کہ دے، دے، دے، سچے جس طرح اور جس
 قسم کی بھی مدد اللہ کے حاجت مند بندوں کی کر سکے ضرور کرے اور اس سے دریغ نہ کرے۔

صدقہ کی ترغیب اور اس کی برکات:

(۳۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى أَنْفَقْتُ يَا بَنِي آدَمَ مَا أَنْفَقْتُ عَلَيْكَ

رواہ البخاری و مسلم
 (ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ ہر بندے کو اللہ کا پیغام ہے کہ اے آدم کے
 فرزند! تو میرے ضرورت مند بندوں پر اپنی کمائی خرچ کر، میں اپنے خزانہ
 سے تجھ کو دیتا رہوں گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضمانت ہے کہ جو بندہ اس کے ضرورت مند
 بندوں کی ضرورتوں پر خرچ کرتا رہے گا اس کو اللہ تعالیٰ کے خزانہ بغیر بیک ملتا رہے گا۔
 اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں کو یقین کی دولت سے نوازا ہے ہم نے دیکھا کہ ان کی بھی مولا

اور ان کے ساتھ ان کے رب کریم کا یہی معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اس یقین کا کوئی حصہ نصیب فرمائے۔

(فائدہ) پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ جس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے کوئی بات بیان فرمائیں، اور وہ قرآن مجید کی آیت نہ ہو، اس حدیث کو ”حدیث قدسی“ کہا جاتا ہے، یہ حدیث بھی اسی قسم کی ہے۔

(۳۴) عَنْ نَسَاءَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْفَقِي وَلَا تُخْصِي فِيْ خَيْرِ اللَّهِ عَلَيْكِ وَلَا تُؤْرَعِي فِيْؤْرَعِي اللَّهُ عَلَيْكِ إِنْ رَضِيعٌ مَا اسْتَطَعْتَ —

رواہ البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت نساء بنت جابر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم اللہ کے بھروسہ پر اس کی راہ میں کتنا کچھ سے خرچ کرتی رہو اور دلوں کو نہ صنی اس فکر میں نہ پڑو کہ میرے پاس کتنا ہے اور اس میں سے کتنا ماہِ خدا میں دوں، اگر تم اس کی راہ میں اس طرح حساب لگائے کہ وہ لگی تو وہ بھی تمہیں حساب ہی سے دے گا (اور اگر بے حساب دو لگی تو وہ بھی اپنی نعمتیں تم پر بے حساب انڈیلے گا) اور دولت جوڑ جوڑ کرے اور بندہ کر کے نہ رکھو۔ اللہ تعالیٰ بھی تمہارے ساتھ ہی معاملہ کرے گا کہ رحمت اور برکت کے دروازے تم پر خدا نخواستہ بند ہو جائیں گے، لہذا تھوڑا بہت جو کچھ ہو سکے اور جس کی توفیق ملے راہِ خدا میں کٹا دے دیتی رہو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۳۵) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بَنِي آدَمَ أَنْ تَبْنُوا الْخَيْرَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَنْ تُنْسِكَهُ شَرٌّ لَّكُمْ وَلَا تَلَامُوا عَلَى كُفَايَةٍ وَابْنَاءُ

بِسْمِ تَعْوَل ————— رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے آدم کے فرزندو! اللہ کی دی ہوئی دولت جو اپنی ضرورت کے قابل ہو اُس کا راہِ خدا میں صرف کر دینا تمہارے لئے بہتر ہے اور اس کا روکنا تمہارے لئے بُرا ہے، اور ہاں گزراے کے بقدر رکھنے پر کوئی طامت نہیں، اور سب سے پہلے اُن پر خرچ کرو جن کی تم پر ذمہ داری ہے ————— (مبیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث کا پیغام یہ ہے کہ آدمی کے لئے بہتر یہ ہے کہ جو دولت وہ کمائے یا کسی ذریعہ سے اس کے پاس آئے اس میں سے اپنی زندگی کی ضرورت کے بقدر تو اپنے پاس رکھے باقی راہِ خدا میں اس کے بندوں پر خرچ کرتا رہے، اور اس میں پہلا حق اُن لوگوں کا ہے جن کا اللہ نے اس کو ذمہ دار بنایا ہے اور جن کی کفالت اس کے ذمہ ہے مثلاً اس کے اہل و عیال اور حاجت مند قریبی اعزہ وغیرہ۔

جوراءِ خدا میں خرچ کر دیا جائے وہی باقی اور کام آنے والا ہے

(۳۶) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا رَأَتْ رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ الْكَفِيُّ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَقِيَ مِنْهَا؟ قَالَتْ مَا بَقِيَ مِنْهَا

إِلَّا كَتَفَهَا قَالَ بَقِيَ مِنْهَا غَيْرُ كَتَفِهَا ————— رواہ الترمذی

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک بکری ذبح

کی گئی (اور اس کا گوشت اللہ تقسیم کر دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشفیاً

اور آپ نے دریافت فرمایا کہ: بکری کھینچ گیا باقی رہا؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے

عرض کیا کہ: مرنے تک دست اس کی باقی رہی ہے (باقی خستہ ہو گیا) آپ نے

فرمایا کہ: اس دست کے علاوہ جو اللہ تقسیم کر دیا گیا دراصل وہی سب باقی ہے

اور کام آنے والا ہے (یعنی آخرت میں انشاء اللہ اس کا اجر ملے گا) —

(جامع ترمذی)

انفاق کے بارے میں صحابہ یقین و توکل کی راہ :-

(۳۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ لِي مِثْلُ أَحَدٍ ذَهَبًا لَسَرَفْتِي أَنْ لَا يَمُرَّ عَلَيَّ ثَلَاثُ لَيَالٍ وَعِنْدِي مِنْهُ شَيْءٌ إِلَّا خَفِيتُ أَنْ مَجِدُهُ لَدَيْنِي. — رواه البخاری

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میرے پاس اُحد ہمارے برابر سونا جو تو میرے لئے بڑی خوشی کی بات یہ ہوگی کہ تین راتیں گزرنے سے پہلے اس کو ماہِ خدا میں خرچ کر دھں اور میرے پاس اس میں سے کچھ بھی باقی نہ رہے سوائے اس کے کہ میں فرض ادا کرنے کے لئے اس میں سے کچھ بچاؤں۔ — (صحیح بخاری)

(۳۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَى بِلَالٍ وَعِنْدَهُ صُبْرَةٌ مِنْ قَسَدٍ فَقَالَ مَا هَذِهِ يَا بِلَالُ؟ قَالَ شَيْءٌ إِذَا خَرَجْتُ لَعْنِدِ فَقَالَ أَمَا تَخْشَى أَنْ تَرَى لَهُ بُخَارًا فِي نَارِ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنْفِقْ يَا بِلَالُ وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِي الْعَرْشِ إِقْلًا

رواہ البیہقی فی شعب الایمان

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن حضرت بلال کی قیام گاہ پر پہنچے اور دیکھا کہ ان کے پاس

مجھادوں کا ایک ٹھہر ہے۔ آپ نے فرمایا:۔ بلال یہ کیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ میں نے اس کو آئندہ کے لئے ذخیرہ بنایا ہے تاکہ مستقبل میں روزی کی طرف سے ایک گونہ اطمینان رہے۔ آپ نے فرمایا:۔ بلال! کیا تمہیں اس کا ڈر نہیں ہے کہ کل قیامت کے دن آتش و دوزخ میں تم اس کی تہش اور سوزش دیکھو۔ اے بلال! جو ہاتھ پاس آئے اس کو اپنے پر اور دوسروں پر خرچ کرتے رہو اور عرشِ عظیم کے مالک سے قلت کا خوف نہ کرو (یعنی یقین رکھو کہ جس طرح اس نے یہ دیا ہے آئندہ بھی اسی طرح عطا فرماتا رہے گا، اس کے خزانہ میں کیا کمی ہے، اس لئے کل کے لئے ذخیرہ رکھنے کی فکر نہ کرو)۔

(شعب الایمان للبیہقی)

(تفسیر فتح) حضرت بلال رضی اللہ عنہ صاحبِ صفہ میں سے تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والی متوکلانہ زندگی کا طریقہ اپنایا تھا اُن کے لئے مستقبل کے واسطے خدا کا ذخیرہ کرنا بھی مناسب نہ تھا، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ ہدایت فرمائی۔ اگرچہ عام لوگوں کے لئے یہ بات بالکل جائز ہے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض صحابہ کو بھی اس سے روکا تھا کہ وہ اپنا سارا مال راہِ خدا میں خرچ کر دیں اور گھر والوں کے لئے کچھ نہ رکھیں۔ لیکن صحابہ میں سے جن حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحابِ صفہ والی خالص توکل کی راہ اپنائی تھی اُن کے لئے اس طرزِ عمل کی گنجائش نہ تھی۔

۶

”جن کے رہتے ہیں یہ وہاں کو بسا مشکل ہے“

حدیث کے آخری فقرے میں اشارہ ہے۔ کہ

اللہ کا جو بندہ

خیر کی راہوں میں تہمت کے ساتھ صرف کرے گا۔ وہ

اللہ تعالیٰ کی عطا میں کبھی کمی نہ پائے گا!

جو دولت مند کشادہ دستی سے راہِ خدا میں صرف نہ کریں
بڑے خسارے میں ہیں: —

(۳۹) عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ أَتَمَّيْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ جَالِسٌ فِي ظِلِّ الْكَعْبَةِ فَلَمَّا دَارَيْنِ قَالَ هُمُ الْأَخْسَرُونَ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ فَقُلْتُ فَمَا ذَاكَ أَبِي ذَرٍّ قَالَ هُمُ الَّذِينَ لَا يَتَوَقَّعُونَ أَهْوَاءَ الْإِسْلَامِ مَنْ قَالَ هَكَذَا وَهَكَذَا أَوْ هَكَذَا مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ وَعَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ قَلِيلٌ مَا هُمْ — معاد بخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ اس وقت کعبہ کے سامنے میں ادا اس کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے جب مجھے دیکھا تو فرمایا: — رہت کہیں قسم! حالوگ بڑے خدا سے میں ہیں؟ میں نے عرض کیا: — میرے پاس باپ کچھ بقیہ ہیں، کوئی لوگ ہیں جو بڑے خدا سے میں ہیں؟ — آپ نے فرمایا: — وہ لوگ جو بڑے دولت مند اور سرمایہ دار ہیں انہیں میں سے وہی لوگ خسارے سے محفوظ ہیں جو اپنے آگے پیچھے اور دائیں بائیں (ہر طرف خیر کے مصارف میں) اپنی دولت کشادہ دستی کے ساتھ صرف کرتے ہیں — مگر دولت مندوں اور سرمایہ داروں میں ایسے بندے بہت کم ہیں — (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فقر کی زندگی اختیار کر رکھی تھی اور ان کے مزاج اہل طبیعت کے لحاظ سے یہی ان کے لئے بہتر تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب وہ حاضر ہوئے تو آپ نے ان کے اطمینان خاطر کے لئے یہاں فرمایا کہ: — دولت مندی اہل سرمایہ داری جو بظاہر بڑی نعمت ہے مصل کوڑی آزمائش بھی ہے اور

صوت دہی بند ہے اس میں کامیاب ہو سکتے ہیں جو اس سے دل نہ لگائیں اور پوری کھلاہ دستی کے ساتھ دولت کو خیر کے مصارف میں خرچ کریں جو ایسا نہ کریں گے وہ انجام کا بڑے خرابے میں رہیں گے۔

صدقہ کے خواص اور برکات:

(۴) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
إِنَّ الْمَدَقَّةَ لَتُظْفِقُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَذْفَعُ مِثْلَةَ الشَّوْبِ۔

رواہ الترمذی

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ صدقہ اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بُری موت کو

دفع کرتا ہے۔ (جامع ترمذی)

زقشریح) جس طرح دنیا کی مادی چیزوں جڑی بوٹیوں تک کے خواص اور اثرات ہوتے ہیں، اسی طرح انسانوں کے اچھے بُرے اعمال اور اخلاق کے بھی خواص اور اثرات ہیں جو نبیاء علیہم السلام کے ذریعہ ہی معلوم ہوتے ہیں۔ اس حدیث میں صدقہ کی دو خاصیتیں بیان کی گئی ہیں:۔ ایک یہ کہ اگر بندے کی کسی بڑی لغزش اور مصیبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا غضب اس کی طرف متوجہ ہو تو صدقہ اس غضب کو ٹھنڈا کر دیتا ہے اور اس کی وجہ سے بندہ بجائے اللہ کے غضب اور ناراضی کے اس کی رضا اور رحمت کا مستحق بن جاتا ہے۔ اور دوسری خاصیت یہ ہے کہ بُری موت سے آدمی کو بچاتا ہے یعنی صدقہ کی برکت سے اس کا خاتمہ اچھا ہوتا ہے (دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اس طرح کی موت سے بچاتا ہے جس کو خیر میں بُری موت سمجھا جاتا ہے۔ واللہ اعلم

(۴۱) عَنْ مَرْثَدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ حَدَّثَنِي بَعْضُ أَصْحَابِ

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ ظِلَّ الْمُتَوَكِّلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
صَدَقَةٌ

رواہ احمد

(ترجمہ) مرتد بن عبد اللہ تابعی بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اصحاب کو اس نے بیان کیا کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سنی ہے کہ قیامت کے دن مومن پر اس کے صدقہ کا سایہ چھوگا۔

(سند احمد)

(تشریح) حدیثوں میں بہت سے اعمال صالحہ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن یہ اعمال سایہ کا ذریعہ بن جائیں گے۔ اس حدیث میں صدقہ کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت میں اس کی ایک برکت یہ ظاہر ہوگی کہ صدقہ کرنے والے کے لئے اس کا صدقہ سائبان بن جائے گا جو اس دن کی تپش اور تھکات سے اس کو بچائے گا اللہ تعالیٰ ان حقیقتوں کا یقین اور اس کے مطابق عمل نصیب فرمائے۔

صدقہ کرنے سے مال میں کمی نہیں آتی بلکہ برکت ہوتی ہے۔

(۴۲) عَنْ ابْنِ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ وَمَا زَادَ اللَّهُ بِعَفْوِ الْإِثْمِ وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلَّهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللَّهُ

رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔۔۔ صدقہ سے مال میں کمی نہیں آتی (بلکہ اضافہ ہوتا ہے) اور جو شخص اللہ کے سامنے تواضع کرے گا اللہ اس کو بلند کرے گا۔

صور محان کو یہ ہے آدمی جو تواضع کرے اللہ اس کو بلند کرے گا۔

اور اس کی عزت میں اضافہ ہو جاتا ہے اور جو بندہ اللہ کے لئے فسرہ دیتی اور
نکھائی کا کلمہ یہ اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو نعمت اور بھلائی بخئے گا۔
(صحیح مسلم)

(۳۳) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ أَبُو نَعْمَةَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ
أَرَأَيْتَ الْعَقْدَ فَتَ مَا هِيَ قَالَ أَضْعَافٌ مُضَاعَفَةٌ
عِنْدَ اللَّهِ الْمُسَوِّدُ ————— رواہ احمد

(ترجمہ) حضرت ابوامامہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو نعیمؓ نے سہل بن عبد اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے عرض کیا کہ: حضرت! بتائیے کہ صدقہ کیا ہے؟ (یعنی بھلائی کی طرف سے
اس کا کیا اجر ملے گا ہے)۔ کہنے لگے: فرمایا کہ: چندہ چند (یعنی جتنا کوئی اللہ کی
راہ میں صدقہ دے اس کا کئی گنا اس کو ملے گا) اور اللہ کے ہاں بہت ہے۔

(مسند احمد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ بھلائی کی راہ میں جتنا صدقہ کرے گا اس کو اس کا کئی گنا
اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔ دوسری بعض احادیث میں دس گئے سے سات سو گئے تک کا ذکر ہے
اور یہ بھی آخری حد نہیں ہے اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا اس سے بھی زیادہ عطا فرمائے گا۔
”وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ“ ————— اس کا خزانہ لانا تھا ہے۔

بعض حضرات نے اس حدیث کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ صدقہ کے عوض میں کئی گنا تو اللہ
ایسی دنیا میں عطا فرماتا ہے، اور اس کا سلسلہ آخرت میں عطا فرمایا جائے گا وہ اس سے
بہت زیادہ ہوگا۔

اللہ کے بندوں کا یہ عام تجربہ ہے کہ اللہ بے نقیس اور مہربان کرتے ہوئے وہ اخلاص
کے ساتھ جتنا اس کی راہ میں اس کے بندوں پر صرف کرتے ہیں اس کا کئی گنا بھلائی ان کو
اس دنیا ہی میں عطا فرمادیتا ہے، ہاں اخلاص اور یقین شرط ہے۔

ضرورت مندوں کو کھلانے پلانے اور پہنانے کا اجر و ثواب: —

(۴۴) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّهَا مُسْلِمُ كَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا عَلَى عَوَى كَسَاهُ اللَّهُ مِنْ خَضِرِ الْجَنَّةِ وَأَيُّهَا مُسْلِمُ اطْعَمَ مُسْلِمًا عَلَى جُوعٍ اطْعَمَهُ اللَّهُ مِنْ تَمَارِ الْجَنَّةِ وَأَيُّهَا مُسْلِمُ سَقَى مُسْلِمًا عَلَى ظَمَأٍ سَقَاهُ اللَّهُ مِنَ الرَّحِيقِ الْمَخْتُومِ۔

رواہ ابو داؤد و الترمذی

(ترجمہ) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: — جس مسلم نے کسی دوسرے مسلم بھائی کو جس کے پاس کپڑا نہیں تھا پہننے کو کپڑا دیا، اللہ تعالیٰ اس کو جنت کا سبز لباس پہنائے گا، اور جس مسلم بھائی نے دوسرے مسلم بھائی کو بھوک کی حالت میں کھانا کھلایا اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھل اور میوے کھلائے گا۔ اور جس مسلم نے پیاس کی حالت میں دوسرے مسلم بھائی کو پانی پلایا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کی سر بہ مہر شراب ملو اور پلائے گا۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

(۴۵) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ مَا مِنْ مُسْلِمٍ كَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا إِلَّا كَانَ فِي حِفْظِ اللَّهِ مَا دَامَ عَلَيْهِ مِنْهُ خِرْقَةٌ۔

رواہ احمد و الترمذی

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے: — جس نے کسی مسلم کو کپڑا پہنایا وہ یقیناً اس وقت تک اللہ کے حفظ و امان میں رہے گا جب تک کہ اس کے جسم پر

اس کپڑے میں سے کچھ بھی رہے۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

(۴۴) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ جِئْتُ فَلَمَّا تَبَيَّنْتُ وَجْهَهُ عَرَفْتُ أَنَّ وَجْهَهُ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ فَكَانَ أَوَّلُ مَا قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَفْشُوا السَّلَامَ وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصَلُّوا الْأَرْحَامَ وَصَلُّوا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ

رواہ الترمذی وابن ماجہ

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے تو میں (آپ کو دیکھنے بھنے کے لئے) آپ کے پاس آیا۔ جب میں نے غور سے آپ کا روئے انور دیکھا تو پہچان لیا (اور بلا کسی شک و شبہ کے جان لیا) کہ یہ ہرگز کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہے پھر آپ نے سب سے پہلی جہات فرمائی وہ یہ تھی کہ: اے لوگو! آپس میں سلام کی خوب اشاعت کرو اور رواج دو (یعنی ہر ایک دوسرے کو سلام کیا کرے اس سے دل کی گرہیں کھلتی ہیں اور تعلق ٹیڑھتا ہے) اور (اللہ کے بندوں کو خاص کر ان کو جو ضرورت مند ہوں) کھانا کھلاؤ اور آپس میں میلہ رچی کرو (یعنی قرابت کے حقوق ادا کرو) اور رات کو جس وقت لوگ سو رہے ہوں اللہ کے حضور میں نماز پڑھو، ایسا کرو گے تو سلامتی کے ساتھ جنت میں جاؤ گے۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

بھوکے پیاسے جانوروں کو کھلانا پلانا بھی صدقہ ہے:

(۴۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُفِرَ لِمَرْأَةٍ مُؤْمِسَةٍ مَثَّتْ بِكَلْبٍ عَلَى رَأْسِ
رَبِّي يَلْهَثُ كَأَن يَقْتُلَهُ الْعَطَشُ فَزَعَتْ خُفَّهَا فَأَوْثَقَتْهُ
بِخِمَارِهَا فَزَعَتْ لَهُ مِنَ الْمَاءِ فَغَفِرَ لَهَا بِذَلِكَ قِيلَ
إِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ أَجْرًا قَالَ فِي كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٌ
أَجْرٌ

رواہ البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بد چلن عورت
اس محل پر بخش دی گئی کہ وہ ایک کنوئیں کے پاس سے گزری اور اس نے دیکھا کہ ایک
کتا زبان نکالے ہوئے ہے (اور اس کی حالت ایسی ہے کہ) گویا وہ پیاس سے مر رہی
جائے گا (اس عورت کے دل میں ترس آیا وہاں پانی نکالنے کے لئے رستی ڈول کچھ موجود
نہیں تھا) اس نے اپنے چوڑے کا موزہ پاؤں سے نکالا اور (کسی طرح اس کو) اپنی اوڑھنی
سے باندھا اور (محنت مشقت کر کے) اسی کے ذریعہ کنوئیں سے پانی نکال کے اس کو پلایا،
وہ عورت اپنے اسی محل کی جس سے بخش دی گئی ————— کسی نے عرض کیا کہ: —

یا رسول اللہ! کیا جانوروں کے کھلانے پلانے میں بھی ثواب ہے؟ ————— آپ نے فرمایا: —
ہاں! ہر حساس جانور (جس کو بھوک پیاس کی تکلیف ہوتی ہو) اس کو کھلانے پلانے میں
اجر و ثواب ہے ————— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۴۸) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا أَوْ يَزْرِعُ زَرْعًا فَيَاكُلُ مِنْهُ
إِنْسَانٌ أَوْ طَيْرٌ أَوْ بَهِيمَةٌ إِلَّا كَانَ لَهُ بِهِ صَدَقَةٌ.

رواہ البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ: ————— جو مسلمان بندہ کوئی درخت لگائے یا کھیتی کرنے تو اس

درخت یا اُس کھیتی سے جو پھل اور چودانہ کوئی انسان یا کوئی پرندہ یا کوئی بوجہ پایہ کھائے گا وہ اُس بندے کے لئے صدقہ اور اجر و ثواب کا ذریعہ ہوگا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

اللہ کے بندوں کو زحمت سے بچانے کا صلہ جنت:

(۴۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ رَجُلٌ بِغُصْنٍ شَجَرَةٍ عَلَى ظَهْرِ طَرِيقٍ فَقَالَ لَا تُحْيَيْتَ هَذَا عَنْ طَرِيقِ الْمُسْلِمِينَ لَا يُؤْذِيَهُمْ فَأَدْخِلَ الْجَنَّةَ۔ رواه البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ: اللہ کا کوئی بندہ کسی راستے پر چلا جا رہا تھا جس پر کسی درخت کی ایک شاخ تھی (جس سے گزرنے والوں کو تکلیف ہوتی تھی) اُس بندے نے اپنے جی میں کہا کہ میں اس شاخ کو یہاں سے الگ کر کے راستہ صاف کروں گا تا کہ بندگانِ خدا کو تکلیف نہ ہو (پھر اس نے ایسا ہی کیا) تو وہ اپنے اس عمل کی وجہ سے جنت میں بھیج دیا گیا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) بعض اعمال بظاہر بہت چھوٹے اور معمولی ہوتے ہیں، لیکن کبھی کبھی وہ دل کی ایسی کیفیت اور ایسے خدا پرستانہ جذبہ کے ساتھ صادر ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں بڑا قیمتی اور بڑا محبوب ہوتا ہے، اس کی وجہ سے ارجمتِ رحیمین کا دریائے رحمت جو شش میں آجاتا ہے، پھر اُس بندے کے سارے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں، اور اس کے لئے مغفرت اور داخلہ جنت کا فیصلہ فرما دیا جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ والی منہرجہ بالا حدیث میں ایک پیاسے کتے کو پانی پلانے پر ایک بدچلن عورت کی مغفرت کی جو خوش خبری دی گئی ہے

اور اس حدیث میں راستہ سے ایک درخت کی صرف شاخ ہٹا دینے پر ایک آدمی کے داخلہ جنت کی جو بشارت سنائی گئی ہے اُس کا راز یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

کس وقت کے صدقہ کا ثواب زیادہ ہے: —————

(۵۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ أَيُّ الصَّدَقَةِ أَكْثَرُ أَجْراً قَالَ أَنْ تَصَدَّقَ وَأَنْتَ صَحِيحٌ شَجِيمٌ تَخْشَى الْفَقْرَ وَتَأْمُلُ الْغِنَى وَلَا تَمُهِلُ حَتَّى إِذَا بَلَغَتْ النُّفُوسُ قُلُوبَ لِفْلَاحٍ كَذَا أَوْ لِفْلَاحٍ كَذَا أَوْ قَدْ كَانَ لِفْلَاحٍ

رواہ البخاری و مسلم
(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ: کس صدقہ کا ثواب زیادہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ:۔
زیادہ ثواب کی صورت یہ ہے کہ تم ایسی حالت میں صدقہ کرو جبکہ تمہاری تندرستی قائم ہو اور تمہارے اندر دولت کی چاہت اور اس کو اپنے پاس رکھنے کی حرص ہو، اس حالت میں (راہ خدا میں مال خرچ کرنے سے) تمہیں محتاجی کا خطرہ ہو اور دولت مندی کی دل میں رزق ہو (ایسے وقت میں اللہ کی رضا کے لئے اپنا مال خرچ کرنا سچی خدا پرستی اور خدا طلبی کی دلیل ہے، اور ایسے صدقہ کا ثواب بہت بڑا ہے) اور ایسا نہ ہونا چاہئے کہ تم سوچتے رہو اور ٹالتے رہو، یہاں تک کہ جب موت کا وقت آجائے اور جان کھینچ کے حلق میں آجائے تو تم مال کے بارے میں وصیت کرنے لگو کہ اتنا فلاں کو اور اتنا فلاں کو، حالانکہ اب تو مال (تمہاری ملکیت سے نکل کر) فلاں فلاں کا (یعنی وارثوں کا) ہو ہی جائے گا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) افسانوں کی یہ عام کمزوری ہے کہ جب تک وہ تندرست و توانا

موتے ہیں اور موت سامنے نہیں کھڑی ہوتی، وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے محفل کرتے ہیں، شیطان ان کے دلوں میں دوسو ڈالتا ہے کہ اگر ہم نے راہ خدا میں خرچ کیا تو ہمارے پاس کمی ہو جائے گی، ہم خود تنگ دست اور محتاج ہو جائیں گے اس لئے ان کا ہاتھ نہیں کھلتا، لیکن جب موت سامنے آجاتی ہے اور زندگی کی امید باقی نہیں رہتی، تو انھیں صدقہ یاد آتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ یہ طرز عمل ٹھیک نہیں ہے، اللہ کی نگاہ میں محبوب اور مقبول صدقہ وہ ہے جو بندہ تندرستی و توانائی کی ایسی حالت میں کرے کہ اس کے سامنے اپنے مسائل اور اپنا مستقبل بھی ہو، اس کے باوجود وہ اللہ کی رضا جوئی کے لئے اور آخرت کے ثواب کی امید میں، اور رب کریم کے وعدوں پر یقین و اعتماد کرتے ہوئے اسی حالت میں ہاتھ کھول کے اللہ کی راہ میں اس کے بندوں پر خرچ کرے۔ ایسے بندوں کے لئے قرآن مجید میں فلاح کا وعدہ ہے:۔ وَمَنْ يُؤْتِ شَيْئًا فَنَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔

اپنے اہل و عیال کی ضروریات پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے:۔

اپنے اہل و عیال کی ضروریات پر اپنی اپنی حیثیت کے مطابق کم و بیش خرچ تو سب ہی کرتے ہیں لیکن اس خرچ کرنے سے لوگوں کو وہ روحانی خوشی حاصل نہیں ہوتی جو اللہ کے نیک بندوں کو دوسرے ضرورت مندوں اور مساکین و فقراء پر صدقہ کرنے سے ہوتی ہے، کیونکہ اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنے کو لوگ کارِ ثواب نہیں سمجھتے۔ بلکہ اس کو مجبوری کا ایک تاوان یا نفس کا ایک تقاضا سمجھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ اپنے اہل و عیال اور اعزہ و اقارب پر بھی لوجہ اللہ اور ثواب کی نیت سے خرچ کرنا چاہئے، اس صورت میں جو خرچ اس میں ہوگا وہ سب صدقہ کی طرح آخرت کے بینک میں جمع ہوگا، بلکہ دوسرے لوگوں پر صدقہ کرنے سے زیادہ اس کا ثواب ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے ہمارے لئے خیر و سعادت کا ایک بہت بڑا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اب ہم جو کچھ اپنے بیوی بچوں کے کھانے

کیڑے پرستی کہ ان کے جوتوں پر جائز حدود میں خرچ کریں، وہ ایک طرح کا "صدقہ" اور کارِ ثواب ہوگا۔
بس شرط یہ ہے کہ ہم اس ذہن سے اور اس نیت سے خرچ کریں۔

(۵۱) عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَنْفَقَ الْمُسْلِمُ نَفَقَةً عَلَى أَهْلِهِ وَهُوَ يَخْتَسِبُ بِهَا كَانَتْ لَهُ صَدَقَةٌ

رواہ البخاری و مسلم
(ترجمہ) حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی صاحبِ ایمان بندہ اپنے اہل و عیال پر ثواب کی نیت سے خرچ کرے تو وہ اس کے حق میں صدقہ ہوگا (اور وہ عند اللہ ثواب کا مستحق ہوگا)۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۵۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ؟ قَالَ جَهْدُ الْمُقِلِّ وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ۔

رواہ ابو داؤد

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! کون صدقہ افضل ہے؟ کہنے فرمایا: وہ صدقہ افضل ترین صدقہ ہے جو غریب آدمی اپنی محنت کی کمائی سے کہے، اور پہلے ان پر خرچ کر دین کے تم ذمہ دار ہو (یعنی اپنے بیوی بچوں پر)۔

(مصحف ابی داؤد)

(۵۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عِنْدِي دِينَارٌ قَالَ أَنْفَقْهُ عَلَى نَفْسِكَ قَالَ عِنْدِي آخَرُ قَالَ أَنْفَقْهُ عَلَى وَلَدِكَ قَالَ عِنْدِي آخَرُ قَالَ أَنْفَقْهُ عَلَى أَهْلِكَ قَالَ عِنْدِي

جو کھانا ہو وہ دوسرے اہل حاجت کو کھلا دیں۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 خواص صحابہ کا حال اور طرز عمل ہی تھا۔ یُوْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ
 وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ (سورۃ الحشر)۔

اہل قرابت پر صدقہ کی خاص فضیلت:

(۵۴) عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّدَقَةُ عَلَى الْمُسْكِينِ
 صَدَقَةٌ وَهِيَ عَلَى ذِي الرَّحْمِ ثَلَاثَانِ صَدَقَةٌ وَهِيَ
 رَوَاهُ أَحْمَدُ وَتَرْغِي وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ

(ترجمہ) سلیمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 نے فرمایا: کسی غنیمی مسکین کو اللہ کے لئے کچھ دینا صحت صدقہ ہے اور اپنے کسی عزیز کو
 (ضرورت مند) کو اللہ کے لئے کچھ دینے میں دو پہلو ہیں اور وہ طرح کا ثواب ہے، ایسا
 یہ کہ وہ صدقہ ہے اور دوسرے یہ کہ وہ صلہ رحمی ہے (یعنی حق قرابت کی ادائیگی ہے)
 جو بجائے خود بڑی نیکی ہے۔

_____ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، نس، رحمہ)

(۵۵) عَنْ زَيْنَبِ امْرَأَةِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَتْ قَالَ
 رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَصَدَقْتُ فَنِيَامُ مَعَشَرَ النِّسَاءِ
 وَلَوْ مِنْ حُلَيْكِ كُنْ قَالَتْ فَرَجَعْتُ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ فَقُلْتُ
 إِنَّكَ رَجُلٌ خَفِيفٌ ذَاتُ الْيَدِ وَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَمَرَ نَابِيًا بِالْمَدَقَةِ فَأَتَيْتُهُ فَاسْتَلَمَهُ فَإِنْ
 كَانَ ذَلِكَ يُجْزِي عَنِّي وَالْأَمْرُ وَفُتُّهَا إِلَى غَيْرِكُمْ قَالَتْ

فَقَالَ لِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ إِبْنِ أَبِي نَجِيٍّ أَنَّهُ قَالَ قَالَتْ فَأَنْطَلَقْتُ فَإِذَا
 امْرَأَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ بِبَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ حَاجَتِي حَاجَتُهَا كَالَتْ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أُلْقِيَتْ عَلَيْهِ الْمَهَابَةُ فَقَالَتْ فَخَرَجَ
 عَلَيْنَا بِإِلَافٍ فَقُلْنَا لَهُ إِنَّهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 فَأَخْبَرَهُ أَنَّ امْرَأَتَيْنِ بِالْبَابِ تَسْأَلَانِيكَ أَتُجِزِي
 الصَّدَقَةَ عَنْهُمَا عَلَى أَنْوَاجِهِمَا وَعَلَى آيَتِهِمَا فِي
 مَجُورِهِمَا وَلَا تُخْبِرُهُ مَنْ نَحْنُ قَالَتْ فَدَخَلَ بِإِلَافٍ
 عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ فَقَالَ لَهُ
 رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ هُمَا قَالَ امْرَأَةٌ
 مِنَ الْأَنْصَارِ وَزَيْنَبُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ أَيْ الزَيْنَبِ قَالَ امْرَأَةُ عَبْدِ اللَّهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ لَهُمَا أَجْرَانِ أَجْرُ الْقَرَابَةِ
 وَأَجْرُ الصَّدَقَةِ

رواه البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہی زینب سے روایت ہے کہ
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک خطبہ میں خاص طور سے عورتوں کو مخاطب کر کے)
 فرمایا کہ:۔۔۔ اے عورتیں! تم کو چاہئے کہ راہِ خدا میں صدقہ کیا کرو، اگرچہ تم کو اپنے زیورات
 میں سے دینا پڑے (اگے زینب بیان کرتی ہیں کہ) میں نے جب حضور کا یہ ارشاد سنا تو
 میں اپنے شوہر عبداللہ بن مسعود کے پاس آئی اور میں نے اس سے کہا کہ:۔۔۔ رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم عورتوں کو خاص طور سے صدقہ کی تاکید فرمائی ہے (اور میں
 جاہلی ہوں کہ میرے پاس جو کچھ ہے اس میں سے راہِ خدا میں خرچ کرنے کی سعادت

مائل کروں) اور تم بھی تنگ حال بعد خالی ہاتھ ہو، اب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کہ مصافحت کرو (کہ اگر میں تم کو ہی دے دوں تو کیا میرا صدقہ ادا ہو جائے گا) اگر میرا تم کو دینا صحیح ہو تو میں تم ہی کو دے دوں گی، ورنہ دوسرے ضرورت مندوں پر خرچ کر دوں گی۔ کتنی ہیں کہ عبد اللہ بن مسعود نے مجھ سے کہا کہ: تم خود ہی جا کر حضور سے دریافت کرو۔ تو میں خود گئی، وہاں پہنچی تو دیکھا کہ انصار میں سے ایک عورت آپ کے دروازے پر کھڑی ہے اور اس کی غرض بھی وہی ہے جو میری غرض ہے (یعنی وہ بھی یہی مسئلہ معلوم کرنے کے لئے حاضر ہوئی تھی)۔ (۱۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص معیت دی تھی (جس کی وجہ سے ہر ایک کو آپ سے دوید و بات کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی) اس لئے ہمیں خود آپ کے قریب پہنچ کر پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی) اتنے میں (آپ کے خاص خادم اور مؤذن) بلال باہر نکلے۔ ہم دونوں نے اُن سے کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیجئے کہ دو عورتیں دروازے پر کھڑی ہیں اور آپ سے یہ پوچھنا چاہتی ہیں کہ اگر وہ اپنے ضرورت مند شوہروں اور اُن قبیلوں پر جو خود ان کی گود میں پرورش پائے ہیں صدقہ کریں تو کیا یہ صدقہ ادا ہو جائے گا (اور ہم کو اس صدقہ کا ثواب ملے گا) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نہ بتانا کہ ہم کون دو عورتیں ہیں؟۔۔۔ بلال آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان دونوں عورتوں کا سوال آپ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے پوچھا کہ:۔۔ وہ کون عورتیں ہیں؟۔ بلال نے عرض کیا کہ:۔ ایک عورت تو انصار میں سے ہے اور دوسری زینب ہے۔ آپ نے پوچھا:۔ کون سی زینب؟۔ بلال نے عرض کیا:۔ جلیلہ بنت سہم کی بیوی زینب! آپ نے فرمایا:۔ ہاں (اُن کا صدقہ ادا ہو جائے گا)۔ بلکہ اس صورت میں) ان کو دو ہر اُثواب ملے گا، ایک صدقہ کا اور دوسرا صلہ رحمی کا ثواب۔

(۵۶) عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ أَبُو طَلْحَةَ أَحَبُّ الْأَنْصَارِ
 بِأَلَمَدِينَةِ مَالًا مِنْ غُلٍّ وَكَانَ أَحَبَّ أَمْوَالِهِ إِلَيْهِ بَيْتُ
 حَاءَ وَكَانَتْ مُسْتَقْبِلَةَ الْمَسْجِدِ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُهَا وَيَشْرَبُ مِنْ مَاءٍ فِيهَا طَيِّبٌ فَقَالَ
أَنَسٌ فَلَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ لَنْ تَذَالُوا لِيَرْحَتِي تُنْفِقُوا
مِمَّا تُحِبُّونَ . قَامَ أَبُو طَلْحَةَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ
 لَنْ تَذَالُوا لِيَرْحَتِي تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ . فَإِنَّ أَحَبَّ
 مَالِي إِلَيَّ بَيْتُ حَاءَ وَإِنَّهَا صَدَقَةُ اللَّهِ تَعَالَى أَرْجُو
 بَيْتَهَا وَدُخَاهَا عِنْدَ اللَّهِ فَضَعُهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ حَيْثُ
 أَرَادَ اللَّهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 بِحَبْنِ ذَالِكِ مَالٍ رَاحٍ وَقَدْ سَمِعْتُ مَا قُلْتَ وَابْنِي
 أَرَى أَنْ تَجْعَلَهَا فِي الْأَقْرَبِينَ فَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ أَفْعَلُ
 يَا رَسُولَ اللَّهِ فَخَسَمَهَا أَبُو طَلْحَةَ فِي أَقَارِيدِهِ وَبَنَى
 عَلَيْهِ

رواه البخاری وسلم

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کھجور کے باغات کے
 لحاظ سے مدینہ کے انصار میں سب سے زیادہ دولت مند حضرت ابو طلحہ انصاری تھے
 اور انھیں اپنے باغات اور جائیدادوں میں سب سے زیادہ محبوب بے بی حاء تھا
 (یہ ان کے ایک قیمتی باغ کا نام تھا) اور یہ مسجد نبوی کے بالکل سامنے تھا، اور
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں تشریف لے جایا کرتے تھے اور اس کا نفیس
 پانی (شوق سے) نوش فرماتے تھے۔ انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ۔

جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔ لَٰكِن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ (نیکو اور مقبولیت کا مقام تم کو اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنی محبوب چیزوں کو تم راہ خدا میں خرچ نہ کرو) تو حضرت ابو طلحہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔ لَٰكِن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ اور مجھے اپنی ساری مالیات میں سب سے زیادہ محبوب بیکڑھا ہے، اس لئے اب وہی میری طرف سے اللہ کے لئے صدقہ ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ آخرت میں مجھے اس کا ثواب ملے گا، اور وہ میرے لئے ذخیرہ ہو گا۔ لہذا آپ اس کے بارے میں وہ فیصلہ فرمادیں جو اللہ تعالیٰ آپ کے ذہن میں ڈالے (یعنی جو مصروف اس کا مناسب سمجھیں معنی میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔۔۔ واہ واہ! یہ تو بڑی نفع مند اور کار آمد جائیداد ہے، میں نے تمہاری مات میں لی (اور تمہارا غشاد سمجھ لیا) میں مناسب سمجھا ہوں کہ تم اس کو اپنے ضرورت مند قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کرو۔ حضرت ابو طلحہؓ نے عرض کیا۔۔۔ یا رسول اللہ! میں ہی کروں گا۔ چنانچہ انھوں نے وہ باغ اپنے قریبی رشتہ داروں اور چچا زاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) بعض روایات میں تفصیل کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ حضرت ابو طلحہؓ نے اپنا یہ باغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق اپنے خاص وقارب ابی بن کعب، حسان بن ثابت، شذاد بن اوس اور نضیر بن جابر پر تقسیم کر دیا تھا۔۔۔ یہ باغ کس قدر قیمتی تھا اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ بعد میں حضرت صلحہ ثبہ نے صرف حضرت حسان بن ثابتؓ کا حصہ ایک لاکھ درہم میں خریدا تھا۔

(فائدہ) چونکہ آدمی کا زیادہ واسطہ اپنے عزیز و قریبوں ہی سے رہتا ہے اور

زیادہ تر معاملات انھیں سے پڑتے ہیں، اس لئے اختلافات اور تنازعات بھی زیادہ تر اقارب ہی میں جھومتے ہیں جن کی وجہ سے اس دنیا کی زندگی بھی عذاب بن جاتی ہے اور آخرت بھی برباد ہوتی ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم و ہدایت پر عمل کیا جائے اور لوگ اپنے قریب و داروں پر اپنی کمائی خرچ کرنا اللہ کی رضا کا وسیلہ سمجھیں تو دنیا اور آخرت کے بڑے عذاب سے محفوظ رہیں۔ کاش دنیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت کی قدر سمجھے اور اس سے فائدہ اٹھائے۔

مرنے والوں کی طرف سے صدقہ:

صدقہ کیا ہے؟ اللہ کے بندوں کے ساتھ اس نیت سے اور اس اُمید پر احسان کرنا کہ اس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت اور ہر مافی النیب ہوگی۔ اور بلاشبہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا کرم و احسان حاصل کرنے کا خاص و خاص وسیلہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بتایا کہ جس طرح ایک آدمی اپنی طرف سے صدقہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے ثواب و صلہ کی اُمید کر سکتا ہے اُسی طرح اگر کسی مرنے والے کی طرف سے صدقہ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کا ثواب و صلہ اُس مرنے والے کو عطا فرمائے گا۔ پس مرنے والوں کی خدمت اور اُن کے ساتھ ہمدردی و احسان کا ایک طریقہ اُن کے لئے دعا و استغفار کے علاوہ یہ بھی ہے کہ ان کی طرف سے صدقہ کیا جائے، یا اسی طرح ان کی طرف سے دوسرے اعمال خیر کر کے ان کو ثواب پہنچایا جائے۔

اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھیے!:

(۵۷) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أُمَّيْ أُمْتُيَلْتُ نَفْسُهَا

وَإِظْهَمَهَا لَوْ تَكَلَّمْتُ تَصَدَّقْتُ فَهَلْ لَهَا أَجْرٌ إِنْ

(۵۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ أَبِي مَاتَ وَتَرَكَ مَالًا وَلَكُمْ يُؤْصِ فَهَلْ يَكْفُرُ عَنْهُ إِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهُ؟ قَالَ نَعَمْ —

رواہ ابن جریر فی تہذیب الآثار

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ:۔ حضرت! میرے والد کا انتقال ہو گیا ہے اور انھوں نے ترکہ میں کچھ مال چھوڑا ہے اور (صدقہ وغیرہ کی) کوئی وصیت نہیں کی ہے، تو اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا میرا یہ صدقہ ان کے لئے کفارہ سیئات اور مغفرت و نجات کا ضعیف بن جائے گا؟۔ آپ نے فرمایا:۔ ہاں! (اللہ تعالیٰ سے اسی کی امید ہے)۔ (تہذیب الآثار لابن جریر)

(۶۰) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ الْعَاصَ بْنَ دَاوُدَ كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ أَنْ تَفْعَلَ مِائَةَ يَدْنَةٍ وَأَنَّ هِشَامَ بْنَ الْعَاصِ نَحَرَ جِصَّةَ خَمْسَيْنِ وَأَنَّ عَمْرًا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ أَمَّا أَبُوكَ لَوْ أَقْرَبَا لَتَوْجِدَ فَصُمْتَ وَتَصَدَّقْتَ عَنْهُ نَفْعَةٌ ذَلِكَ

رواہ احمد

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے دادا عاص بن داؤد نے زمانہ جاہلیت میں تیسواؤں قربان کرنے کی عہد نامہ تھی (جس کو وہ پورا نہیں کر سکے تھے) تو ان کے ایک بیٹے ہشام بن العاص نے تو پچاس اونٹوں کی قربانی (اپنے باپ کی اس نذر کے حساب میں) کر دی، اور دوسرے بیٹے عمرو بن العاص (جس کو اللہ نے اسلام کی توفیق دے دی تھی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

اس بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ: اگر تمہارے باپ ایسا مان
لے آئے ہوتے اور پھر تم ان کی طرف سے مددے رکھتے یا خدمت کرتے، تو
وہ ان کے لئے نفع مند ہوتا (اور اس کا ثواب ان کو پہونچتا، لیکن کفر و مشرک
کی حالت میں مرنے کی وجہ سے اب تمہارا کوئی عمل ان کے کام نہیں آ سکتا)۔

(مسند احمد)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حدیثوں میں (اور ان کے
علاوہ بھی بہت سی حدیثوں میں جو کتب حدیث کے مختلف ابواب میں مروی ہیں) یہ بات
پوری صراحت کے ساتھ بیان فرمائی ہے کہ صدقہ وغیرہ جو قابل قبول نیک عمل کسی مزیو
کی طرف سے کیا جائے یعنی اس کا ثواب اس کو پہونچایا جائے وہ اس کے لئے نفع مند ہوگا
اور اس کو اس کا ثواب پہونچے گا۔ گویا جس طرح اس دنیا میں ایک آدمی
اپنا کمایا ہوا پیسہ اللہ کے کسی دوسرے بندے کو دے کر اس کی خدمت اور مدد کر سکتا ہے
اور وہ بندہ اُس سے نفع اٹھا سکتا ہے اُسی طرح اگر کوئی صاحب ایمان اپنے مرحوم
میں باپ یا کسی دوسرے مومن بندہ کی طرف سے صدقہ کر کے اس کو آخرت میں نفع پہونچانا اور
اس کی خدمت کرنا چاہے تو مندرجہ بالا حدیثوں نے بتایا کہ ایسا ہو سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ
کی طرف سے اس کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ، کتنا عظیم فضل و احسان ہے اللہ تعالیٰ کا کہ اس راستے سے
پہنچنے والے باپ اور دوسرے عزیزوں و قریبوں اور دوستوں محسنوں کی خدمت ان کے
مرنے کے بعد بھی کر سکتے ہیں، اور اپنے دیے اور تحفے ان کو برا بھلا بھیج سکتے ہیں۔

یہ مسئلہ احادیث نبویہ سے بھی ثابت ہے اور اس برائمت کے اللہ تعالیٰ کا اجماع بھی ہے۔
جس زمانہ کے بعض ان لوگوں نے جو حدیث و سنت کو کتاب اللہ کے بعد دین و شریعت
کی ثانوی اساس بھی نہیں مانتے، اور اس کے تحت دینی امور کے قطعی منکر ہیں، اس مسئلہ سے

انکار کیا ہے۔ — اس عاجز نے اب سے قریباً ۲۰ سال پہلے ایک مستقل بیٹو رسالہ
 اس موضوع پر لکھا تھا اس میں اس مسئلہ کے ہر پہلو پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے اور منکرین کے
 ہر شبہ کا جواب دیا گیا ہے۔ الحمد للہ وہ اس موضوع پر کافی شافی ہے۔
 کتاب الزکوٰۃ کو ہم اسی پر ختم کہے کتاب الصوم شروع کرتے ہیں۔
 اللَّهُمَّ لَا تَحْمِلْهُ وَأَنْتَ الْمُسْتَعَانُ



كتاب الصوم

قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا
كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

(البقرہ آیت ۱۸۰)

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جس طرح تم سے پہلی
امتوں پر بھی فرض کئے گئے تھے، تاکہ تمہارے اندر تقویٰ اور پرہیزگاری
پیدا ہو۔

بِسْمِ الْحَمْدِ الْحَمْدِ الْحَمْدِ

توحید و رسالت کی شہادت کے بعد نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج، اسلام کے
عناصر اربعہ ہیں۔

وہ حدیثیں اسی سلسلہ ”معارف الہدیت“ کے بالکل شروع میں ذکر کی جا چکی ہیں جن میں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پانچوں چیزوں کو اسلام کے ارکان اور بنیادی ستون
بتایا ہے۔ ان کے ارکان اور عناصر ہونے کا مطلب جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے یہ کہ
اسلام اللہ کی فرمانبرداری والے جس طرزِ حیات کا نام ہے اس کی تخلیق و تفسیر اور
نشوونما میں ان پانچوں کو خاص الخاص دخل ہے۔ اس لحاظ سے نماز اور زکوٰۃ
کی جو تاثری خصوصیات ہیں وہ اپنے موقع پر ذکر کی جا چکی ہیں۔ روزے کی اس
تاثر و خصوصیت کا ذکر خود قرآن مجید میں صراحت اور وضاحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے۔
”سُوْرَةُ بَقَرَةٍ میں رمضان کے روزوں کی فرضیت کا اعلان فرمانے کے ساتھ ہی ارشاد فرمایا
گیا ہے، ”لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ“ یعنی اس حکم کا مقصد یہ ہے کہ تم میں تقویٰ پیدا ہو۔
اللہ تعالیٰ نے انسان کو روحانیت اور حیوانیت کا یاد دہان کرنے کے الفاظ میں کہنے کے
مکرمیت اور ہمیت کا سفر جامع بنایا ہے اس کی طبیعت اور جبلت میں وہ سارے مادی
اور سفلی تقاضے بھی ہیں جو دوسرے جانوں میں ہوتے ہیں اور اسی کے ساتھ اس کی عظمت
میں روحانیت اور ملکوتیت کا وہ نورانی جوہر بھی ہے جو طائرِ اعلیٰ کی لطیف مخلوق فرشتوں کی

خاص دولت ہے۔ انسان کی سعادت کا دار و مدار اس پر ہے کہ اس کا یہ روحانی اور ملکوتی عنصر بھی اور جہانی عنصر پر غالب اور عادی رہے اور اس کو حدود کا پابند رکھے، اور یہ تب ہی ممکن ہے جبکہ بھی پہلو روحانی اور ملکوتی پہلو کی فرمانبرداری اور اطاعت شہادی کا عادی ہو جائے اور اس کے مقابلے میں کوششی نہ کر سکے۔ روزہ کی ریاضت کا خاص مقصد و موضوع یہی ہے کہ اس کے ذریعے انسان کی حیوانیت اور بھیمیت کو اللہ کے احکام کی پابندی اور ایمانی و روحانی تقاضوں کی تابعداری و فرمانبرداری کا جو گربنایا جائے اور چونکہ یہ چیز نبوت اور شریعت کے خاص مقاصد میں سے ہے اس لئے پہلی تمام شریعتوں میں بھی روزہ کا حکم ملا ہے۔ قرآن مجید میں اس امت کو روزے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ
عَلَيْكُمْ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ
عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ

اے ایمان والا! تم پر روزے فرض کئے گئے جس طرح تم سے پہلی امتوں پر بھی فرض کئے گئے تھے (روزوں کا یہ حکم تم کو اس لئے دیا گیا ہے) تاکہ تم میں

(المائدہ - ع ۲۳) تقویٰ پیدا ہو۔

بہر حال روزہ چونکہ انسان کی قوت بھی کو اس کی ملکوتی اور روحانی قوت کے تاج رکھنے اور اللہ کے احکام کے مقابلے میں نفس کی خواہشات اور پیٹ اور شہوت کے تقاضوں کو دبانے کی علامت ڈالنے کا خاص فدیہ اور وسیلہ ہے، اس لئے اگلی امتوں کو بھی اس کا حکم دیا گیا تھا۔ اگرچہ روزوں کی مدت اور بعض دوسرے تفصیلی احکام میں ان امتوں کے خاص حالات اور ضروریات کے لحاظ سے کچھ فرق بھی تھا۔ اس آخری امت کے لئے جس کا دور دنیا کے آخری دن تک ہے سال میں ایک جیسے کے روزے فرض کئے گئے ہیں اور روزے کا وقت طلوعِ سورج سے غروبِ آفتاب تک رکھا گیا ہے، اور بلاشبہ یہ مدت اور یہ وقت

مذکورہ ہلا مقصد کے لئے اس دور کے واسطے مناسب ترین اور نہایت معتدل مدت اور وقت ہے اس سے کم میں ریاضت اور نفس کی تربیت کا مقصد حاصل نہیں ہوتا، اور اگر اس سے زیادہ رکھا جاتا مثلاً روزے میں دن کے ساتھ رات بھی شامل کر دی جاتی، اور یس سحر کے وقت کھانے پینے کی اجازت ہوتی، یا سال میں دو چار مہینے مسلسل روزے رکھنے کا حکم ہوتا، تو انسانوں کی اکثریت کے لئے ناقابل برداشت اور معتدوں کے لئے مضر ہوتا۔

بہر حال طلوع سحر سے غروب آفتاب تک کا وقت اور سال میں ایک مہینے کی مدت اس دور کے عام انسانوں کے حالات کے لحاظ سے ریاضت و تربیت کے مقصد کے لئے بالکل مناسب اور معتدل ہے۔

پھر اس کے لئے مہینہ وہ مقرر کیا گیا ہے جس میں قرآن مجید کا نزول ہوا، اور جس میں بے حساب برکتوں اور رحمتوں والی رات (لیلۃ القدر) ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہی مبارک مہینہ اس کے لئے سب سے زیادہ موزوں اور مناسب ہو سکتا تھا۔ پھر اس مہینے میں دن کے روزوں کے علاوہ رات میں بھی ایک خاص عبادت کا عمومی اور اجتماعی نظام قائم کیا گیا ہے جو تراویح کی شکل میں امت میں رائج ہے۔ دن کے روزوں کی ساتھ رات کی تراویح کی برکات مل جانے سے اس مبارک مہینے کی نورانیت اور تاثیر میں اضافہ ہو جاتا ہے جس کو اپنے اپنے ادماک و احساس کے مطابق ہر وہ بندہ محسوس کرتا ہے جو ان باتوں سے کچھ بھی غفلت اور مناسبت رکھتا ہے۔

من مخصر تمیدی اشارات کے بعد رمضان اور روزہ وغیرہ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ذیل میں پڑھئے :-

ماہ رمضان کے فضائل و برکات :-

(۶۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ
وُغْلِقَتْ أَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَسُلِسَتِ الشَّيَاطِينُ وَفِي
رُكَايَةِ أَبْوَابِ الرَّحْمَةِ ————— رواه البخاری وسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین جن کو دے دیئے جاتے ہیں۔ (اور ایک روایت میں بجائے ”ابواب جنت“ کے ”ابواب رحمت“ کا لفظ ہے) ————— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اسناد الاساندہ حضرت شاہ ولی اللہ نے ”حجۃ اللہ البالغہ“ میں

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کے صالح اور اطاعت شعار بندے رمضان میں چونکہ طاعات و حسنات میں مشغول و منہمک ہو جاتے ہیں، وہ دنوں کو روزہ رکھ کے ذکر و تلاوت میں گزارتے ہیں، امداد توں کا بڑا حصہ تراویح و تہجد اور دُعا و استغفار میں بسر کرتے ہیں اور اُن کے انوار و برکات سے متاثر ہو کر عوام و منین کے قلوب بھی رمضان مبارک میں جمادات اور نیکیوں کی طرف زیادہ راغب اور بہت سے گناہوں سے کنار کش ہو جاتے ہیں، تو اسلام اور ایمان کے حلقے میں سعادت اور تقویٰ کے اس عمومی رجحان اور نیکی و امداد کی اس عام فضا کے پیدا ہو جانے کی وجہ سے وہ تمام طوائف میں کچھ بھی صلاحیت ہوتی ہے اللہ کی مرضیات کی جانب مائل اور شرفِ جنت سے متنفر ہو جاتی ہیں، اور پھر اس ماحول مبارک میں ٹھوڑے سے عمل خیر کی قیمت بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے دوسرے دنوں کی نسبت بہت زیادہ بڑھادی جاتی ہے، تو ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے لئے جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین ان کو گمراہ کرنے سے عاجز اور بے بس ہو جاتے ہیں۔

اس تشریح کے مطابق ان مینوں باتوں (یعنی جنت و رحمت کے دروازے کھل جانے، دوزخ کے دروازے بند ہو جانے اور شیاطین کے مقید اور بے بس کر دیئے جانے) کا تعلق صرف اُن اہل ایمان سے ہے جو رمضان مبارک میں خیر و سعادت حاصل کرنے کی طرف مائل ہوتے اور رمضان کی رحمتوں اور برکتوں سے مستفید ہونے کے لئے عبادات و طاعات کو اپنا شغل بناتے ہیں۔ ————— باقی رہے وہ کفار اور خدا ناشناس اور وہ خدا فراموش اور غفلت شعار لوگ، جو رمضان اور اس کے احکام و برکات سے کوئی سروکار ہی نہیں رکھتے اور اس کے آنے پر ان کی زندگیوں میں کوئی تبدیلی ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ اس قسم کی بشارتوں کا اُن سے کوئی تعلق نہیں، انھوں نے جب اپنے آپ کو خود ہی محروم کر لیا ہے اور بارہ جیسے شیطان کی پیروی پر وہ مطمئن ہیں تو پھر اللہ کے یہاں بھی اُن کے لئے محرومی کے سوا اور کچھ نہیں۔

(۶۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ أَوَّلُ لَيْلَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ صُفِّدَتِ الشَّيَاطِينُ وَمَرَدَةُ النُّجِنِ وَغُلِقَتِ أَبْوَابُ النَّارِ فَلَمْ يُفْتَحْ مِنْهَا بَابٌ وَفُتِحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ فَلَمْ يُغْلَقْ مِنْهَا بَابٌ وَيُنَادِي مُنَادٍ يَا بَاغِيَ الْخَيْرِ أَقْبِلْ وَيَا بَاغِيَ الشَّرِّ أَقْصِرْ وَلِلَّهِ عِتْقَاءُ مِنَ النَّارِ وَذَلِكَ كُلُّ لَيْلَةٍ —

رواہ الترمذی وابن ماجہ

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو شیاطین اور سرکش جنات جکڑ دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے سارے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ ان میں سے کوئی دروازہ بھی کھلا نہیں رہتا۔ اور جنت کے تمام دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اس کا کوئی دروازہ بھی بند نہیں کیا جاتا، اور اللہ کا منادی پکارتا ہے کہ

اے خیر اور نیکی کے طالب قدم بڑھا کے آ، اور اسے بدی اور بدکرداری کے شائق ترک،
 آگے نہ آ، اور اللہ کی طرف سے بہت سے (گنہگار) بندوں کو دوزخ سے رہائی دیجاتی ہو
 (یعنی ان کی مغفرت کا فیصلہ فرمادیا جاتا ہے) اور یہ سب رمضان کی ہر رات میں ہوتا
 رہتا ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) اس حدیث کے ابتدائی حصے کا مضمون تو وہی ہے جو اس سے پہلی
 حدیث کا تھا، آخر میں عالم غیب کے منادی کی جس کی نذا کا ذکر ہے اگرچہ ہم اس کو اپنے کانوں سے
 نہیں سنتے اور نہیں سُن سکتے، لیکن اس کا یہ اثر اور یہ ظہور ہم اس دنیا میں بھی اپنی آنکھوں سے
 دیکھتے ہیں کہ رمضان میں عموماً اہل ایمان کا رجحان اور میلان خیر و سعادت والے اعمال کی طرف
 بڑھ جاتا ہے، یہاں تک کہ بہت سے غیر محتاط اور آزاد منش عامی مسلمان بھی رمضان میں اپنی روش
 کو کچھ بدل لیتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ ملا، علی کی اُس نذا اور پکار ہی کا ظہور اور اثر ہے۔

(۶۳) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ أَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ وَكَانَ أَجْوَدَ مَا يَكُونُ فِي
 رَمَضَانَ كَانَ جَبْرِئِيلُ يُلْقَاهُ كُلَّ لَيْلَةٍ فِي رَمَضَانَ
 يَعْرِضُ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْآنَ
 فَإِذَا لَقِيَهُ جَبْرِئِيلُ كَانَ أَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّجْلِ
 الْمُرْسَلَةِ۔ رواه البخاری وسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم خیر کی بخشش اور خلق اللہ کی نفع رسانی میں اللہ کے سب بندوں سے
 فائق تھے، اور رمضان مبارک میں آپ کی یہ کریما نہ صفت اور زیادہ ترقی کر جاتی تھی۔
 رمضان کی ہر رات میں جبرئیل امین آپ سے ملے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 اُن کو قرآن مجید سناتے تھے۔ تو جب روزانہ جبرئیل آپ سے ملے تو آپ کی اس کریما نہ

نفع رسائی اور خیر کی بخشش میں اللہ کی بھی ہوئی ہو اؤں سے بھی زیادہ تیری آجاتی،

اور زور پیدا ہو جاتا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) گویا رمضان مبارک کا مہینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبع مبارک کے لئے بہار و نشاط کا اور شر خیر کی صفت میں ترقی کا مہینہ تھا، اور اس میں اس چیز کو بھی دخل تھا کہ اس مہینے کی ہر رات میں اللہ کے خاص پیغامبر جبریل امین آتے تھے اور آپ ان کو قرآن مجید سناتے تھے۔

رمضان کی آمد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خطبہ:—

(۶۴) عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ قَالَ خَطَبَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْآخِرِ يَوْمٍ مِّنْ شَعْبَانَ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ أَظْلَكُمُ شَهْرٌ عَظِيمٌ شَهْرُ مَبَارَكٍ شَهْرٌ فِيهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِّنَ أَلْفِ شَهْرٍ جَعَلَ اللَّهُ صِيَامَهُ فَرِيضَةً وَقِيَامَ لَيْلِهِ تَطَوُّعًا مَّن تَقَرَّبَ فِيهِ بِحَسَنَةٍ مِّنَ الْخَيْرِ كَانَ كَمَنْ آدَى فَرِيضَةً فِيمَا سِوَاهُ وَمَنْ آدَى فَرِيضَةً فِيهِ كَانَ كَمَنْ آدَى سَبْعِينَ فَرِيضَةً فِيمَا سِوَاهُ وَهُوَ شَهْرُ الصَّيْرِ وَالصَّبْرِ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ وَشَهْرُ الْمَوَاسَاةِ وَشَهْرٌ يُزَادُ فِيهِ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ مَنْ فَطَرَ فِيهِ صَائِمًا كَانَ لَهُ مَغْفِرَةٌ لِّدُنُوبِهِ وَعِثْقٌ رَّقَبَتِهِ مِنَ النَّارِ وَكَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ مَن غَيْرُ أَنْ يُنْتَقَصَ مِنْ أَجْرِهِ شَيْءٌ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ لَيْسَ كُلُّنَا يَجِدُ مَا يَقْطُرُ بِهِ الصَّائِمَ فَقَالَ

کوئی کمی کی جائے — آپ سے عرض کیا گیا کہ :- یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر ایک کو تو افطار کرانے کا سامان میسر نہیں ہوتا (تو کیا غبار اس عظیم ثواب سے محروم رہیں گے)؟ آپ نے فرمایا کہ :- اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی دے گا جو دو دھو کی تھوڑی سی سی پی یا صرف پانی ہی کے ایک گھونٹ پر کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرادے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے آگے ابشار فرمایا کہ) اور جو کوئی کسی روزہ دار کو پورا کھانا کھلا دے اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوض (یعنی کوثر) سے ایسا سیراب کرے گا جس کے بعد اس کو کبھی پیاس ہی نہیں لگے گی تا آنکہ وہ جنت میں پہنچ جائے گا۔ (اس کے بعد آپ نے فرمایا) اس ماہ مبارک کا ابتدائی حصہ رحمت ہے اور دمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ آتش دوزخ سے آزادی ہے (اس کے بعد آپ نے فرمایا) اور جو آدمی اس مہینے میں اپنے غلام و خادم کے کام میں تخفیف اور کمی کر دے گا اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دے گا اور اس کو دوزخ سے رہائی اور آزادی دے دیگا۔ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) اس خطبہ نبویؐ کا مطلب و مدعا واضح ہے، تاہم اس کے چند اجزاء کی

مزید وضاحت کے لئے کچھ عرض کیا جاتا ہے :-

(۱) اس خطبہ میں ماہ رمضان کی سب سے بڑی اور پہلی عظمت و فضیلت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس میں ایک ایسی رات ہوتی ہے جو ہزار دنوں اور راتوں سے نہیں، بلکہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ یہ بات جیسا کہ معلوم ہے قرآن مجید سورۃ القدر میں بھی فرمائی گئی ہے بلکہ اس پوری سورۃ میں اس مبارک رات کی عظمت اور فضیلت ہی کا بیان ہے، اور اس رات کی عظمت و اہمیت سمجھنے کے لئے بس یہی بات کافی ہے۔

ایک ہزار مہینوں میں قریباً تیس ہزار راتیں ہوتی ہیں، اس لیلۃ القدر کے ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہونے کا مطلب یہ سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے والے اور اس کے

قرب و رضا کے طالب بندے اس ایک رات میں قربِ آسمانی کی اتنی مسافت طے کر سکتے ہیں جو دوسری ہزاروں راتوں میں طے نہیں ہو سکتی۔ ہم جس طرح اپنی اس مادی دنیا میں دیکھتے ہیں کہ تیز رفتار ہوائی جہاز یا راکٹ کے ذریعہ اب ایک دن بلکہ ایک گھنٹہ میں اُس سے زیادہ مسافت طے کی جا سکتی ہے جتنی پرانے زمانے میں سیکڑوں برس میں طے ہوا کرتی تھی۔ اسی طرح حصولِ رضا، خداوندی اور قربِ آسمانی کے سفر کی رفتار لیلۃ القدر میں اتنی تیز کر دی جاتی ہے کہ جو بات صادق طالبوں کو سیکڑوں مہینوں میں حاصل نہیں ہو سکتی، وہ اس مبارک رات میں حاصل ہو جاتی ہے۔

اسی طرح اور اسی کی روشنی میں حضورؐ کے اس ارشاد کا مطلب بھی سمجھنا چاہئے کہ اس مبارک مہینہ میں جو شخص کسی قسم کی نفلی نیکی کرے گا اس کا ثواب دوسرے زمانہ کی فرض نیکی کے برابر ملے گا، اور فرض نیکی کرنے والے کو دوسرے زمانہ کے نشتر فرض ادا کرنے کا ثواب ملے گا۔ گویا ”لیلۃ القدر“ کی خصوصیت تو رمضان مبارک کی ایک مخصوص رات کی خصوصیت ہے، لیکن نیکی کا ثواب نشتر گناہوں پر رمضان مبارک کے ہر دن اور ہر رات کی برکت اور فضیلت ہے اللہ تعالیٰ ہمیں ان حقیقتوں کا یقین نصیب فرمائے، اور ان سے مستفید اور متمتع ہونے کی توفیق دے۔

(۲) اس خطبہ میں رمضان کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ یہ صبر اور غنچاری کا مہینہ ہے۔ دینی زبان میں صبر کے اصل معنی ہیں اللہ کی رضا کے لئے اپنے نفس کی خواہشوں کو دبانا اور تلخیوں اور ناگواریوں کو چھیلنا۔ ظاہر ہے کہ روزہ کا اول و آخر بالکل یہی ہے، اسی طرح روزہ رکھ کر ہر روزہ دار کو تجربہ ہوتا ہے کہ فاقہ کیسی تکلیف کی چیز ہے، اس سے اُس کے اندر ان غریبوں اور مساکین کی ہمدردی اور غنچاری کا جذبہ پیدا ہونا چاہئے جو بیچارے ناداری کی وجہ سے فاقوں پہ فلقے کرتے ہیں۔ اس لئے رمضان کا مہینہ بلاشبہ صبر اور غنچاری کا مہینہ ہے۔

(۳) یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ: ————— ”اس بابرکت مہینہ میں اہل ایمان کے رزق میں

اضافہ کیا جاتا ہے۔۔۔۔۔ اس کا تجربہ تو بلا استثنا ہر صاحب ایمان روزہ دار کو ہوتا ہے کہ رمضان مبارک میں جتنا اچھا اور جتنی فراغت سے کھانے پینے کو ملتا ہے باقی گیارہ مہینوں میں اتنا نصیب نہیں ہوتا، خواہ اس عالم اسباب میں وہ کسی بھی راستے سے آئے، سب اللہ ہی کے حکم سے اور اسی کے فیصلے سے آتا ہے۔

(۴) خطبہ کے آخر میں فرمایا گیا ہے کہ:۔۔۔۔۔ ”رمضان کا ابتدائی حصہ رحمت ہے“

درمیانِ حصہ مغفرت ہے، اور آخری حصہ جہنم سے آزادی کا وقت ہے۔“

اس عاجز کے نزدیک اس کی راجح اور دل کو زیادہ لگنے والی توجیہ اور تشریح یہ ہے کہ رمضان کی برکتوں سے مستفید ہونے والے بندے تین طرح کے ہو سکتے ہیں، ایک وہ اصحاب صلاح و تقویٰ جو ہمیشہ گناہوں سے بچنے کا اہتمام رکھتے ہیں اور جب کبھی ان سے کوئی خطا اور لغزش ہو جاتی ہے تو اسی وقت توبہ و استغفار سے اس کی صفائی و تلافی کر لیتے ہیں، تو ان بندوں پر تو شروع مہینہ ہی سے بلکہ اس کی پہلی ہی رات سے اللہ کی رحمتوں کی بارش ہونے لگتی ہے۔ دوسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو ایسے متقی اور پرہیزگار تو نہیں ہیں لیکن اس لحاظ سے بالکل گئے گزرے بھی نہیں ہیں، تو ایسے لوگ جب رمضان کے ابتدائی حصے میں روزوں اور دوسرے اعمال خیر اور توبہ و استغفار کے ذریعے اپنے حال کو بہتر اور اپنے کو رحمت و مغفرت کے لائق بنا لیتے ہیں، تو درمیانِ حصے میں ان کی بھی مغفرت اور معافی کا فیصلہ فرما دیا جاتا ہے۔ اور تیسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو اپنے نفسوں پر بہت ظلم کر چکے ہیں اور ان کا حال بڑا برتر رہا ہے اور اپنی بد اعمالیوں سے وہ گویا دوزخ کے پورے پورے مستحق ہو چکے ہیں، وہ بھی جب رمضان کے پہلے اور درمیانِ حصے میں عام مسلمانوں کے ساتھ روزے رکھ کے اور توبہ و استغفار کر کے اپنی سیاہ کاریوں کی کچھ صفائی ہو تلافی کر لیتے ہیں تو اخیر عشرہ میں (جو دریائے رحمت کے جوش کا عشرہ ہے) اللہ تعالیٰ دوزخ سے ان کی بھی نجات اور رہائی کا فیصلہ فرما دیتا ہے۔۔۔۔۔ اس تشریح کی بنا پر رمضان مبارک کے ابتدائی حصے کی رحمت، درمیانِ حصے کی مغفرت اور

آخری صفحے میں جہنم سے آزادی کا تعلق بالترتیب اُمتِ مسلمہ کے ان مذکورہ بالا تین طبقوں سے ہوگا۔ واللہ اعلم

روزہ کی قدر و قیمت اور اس کا صلہ:

(۶۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ عَمَلٍ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِمِائَةٍ ضَعْفٍ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى إِلَّا الصَّوْمَ فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ يَدْعُو شَهْوَتَهُ وَطَعَامَهُ مِنْ أَجْلِي لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ خُطْبِهِ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهِ وَلَتُكْفَوْا مِنَ الصَّائِمِ أَطِيبُ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ وَالصَّيَّامُ جُنَّةٌ وَإِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِهِ أَحَدِكُمْ فَلَا يَزِفْتُ وَلَا يَصْنَعُ فَإِنْ سَابَتْهُ أَحَدٌ أَوْ قَاتَلَهُ فَلْيَقُلْ إِنِّي امْرُؤٌ صَائِمٌ

رواہ البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (روزہ کی فضیلت اور قدر و قیمت بیان کرتے ہوئے) ارشاد فرمایا کہ آدمی کے ہر اچھے عمل کا ثواب دس گنے سے سات سو گنے تک بڑھایا جاتا ہے (یعنی اس اُمتِ موجودہ کے اعمالِ خیر کے متعلق عام قانونِ الہی یہی ہے کہ ایک نیکی کا اجر اگلی امتوں کے لحاظ سے کم از کم دس گنا ضرور عطا ہوگا اور بعض اوقات عمل کرنے کے خاص حالات اور اخلاص و خشیت وغیرہ کیفیات کی وجہ سے اس سے بھی بہت زیادہ عطا ہوگا، یہاں تک کہ بعض مقبول بندوں کو ان کے اعمالِ حسنہ کا

اجزات کو مکمل فرمایا جائے گا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے
 اس عام قانونِ رحمت کا ذکر فرمایا مگر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:۔ روزہ اس عام
 قانون سے مستثنیٰ اور بالا تر ہے، وہ بندہ کی طرف سے عاص میرے لئے ایک تحفہ ہے اور
 میں ہی (جس طرح چاہوں گا) اس کا اجر و ثواب دوں گا۔ میرا بندہ میری رضا کے واسطے
 اپنی خواہش نفس اور اینٹ کھا نا بینا بھڑکتا ہے پس میں خود ہی اپنی مرضی کے مطابق
 اس کی اس قربانی اور نفس کشی کا صلہ دوں گا، روزہ دار کے لئے دو ستر تیس ہیں:۔
 ایک اطہار کے وقت اور دوسری اپنے مالک و مولیٰ کی بارگاہ میں حضورِ اور شرفِ
 باریابی کے وقت۔ اور قسم ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بواللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو
 سے بھی بہتر ہے (یعنی انسانوں کے لئے مشک کی خوشبو جتنی بھی اور جتنی پیاری ہے
 اللہ کے ہاں روزہ دار کے منہ کی بو اس سے بھی اچھی ہے) اور روزہ زونیس میں
 شیطان و نفس کے حملوں سے بچاؤ کے لئے اور آخرت میں آتشِ دوزخ سے حفاظت
 کے لئے اڑھا لیا ہے۔ اور جب نم میں سے کسی کا روزہ ہو تو چاہئے کہ وہ یہودہ اور
 فحش باتیں نہ کہے اور شور و شغب نہ کرے اور اگر کوئی دوسرا اس سے گالی گلوچ یا
 جھگڑاٹٹا کرے تو کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔

اصحیح بخاری و صحیح مسلم

(تشریح) حدیث کے اکثر وضاحت طلب اجزاء کی تشریح ترجمہ کے ضمن میں
 کر دی گئی ہے۔ آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ ہدایت فرمائی ہے کہ:۔
 جب کسی کا روزہ ہو تو وہ فحش اور گندی باتیں اور شور و شغب بالکل نہ کرے، اور اگر بالفرض
 کوئی دوسرا اس سے اُلجھے اور گالیاں بکے جب بھی یہ کوئی سخت بات نہ کہے بلکہ صرف اتنا
 کہہ دے کہ:۔ بھائی! میرا روزہ ہے۔ اس آخری ہدایت میں اشارہ ہے کہ
 اس حدیث میں روزہ کی جو خاص فضیلتیں اور برکتیں بیان کی گئی ہیں یہ انہی روزوں کی ہیں جن میں

شہوتِ نفس اور کھانے پینے کے علاوہ گناہوں سے حتیٰ کہ بُری اور ناپسندیدہ باتوں سے بھی پرہیز کیا گیا ہو۔۔۔ ایک دوسری حدیث میں (جو عنقریب درج ہوگی) سنایا گیا ہے کہ:- جو شخص روزہ رکھے لیکن بُرے کاموں اور غلط باتوں سے پرہیز نہ کرے تو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی اللہ کو کوئی احتیاج نہیں ہے۔

(۶۶) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ إِنَّ فِي الْجَنَّةِ بَابًا يُقَالُ لَهُ الرَّيَّانُ يَدْخُلُ مِنْهُ الصَّائِمُونَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ لَا يَدْخُلُ مِنْهُ أَحَدٌ غَيْرُهُمْ يُقَالُ أَيْنَ الصَّائِمُونَ؟ فَيَقُولُونَ لَا يَدْخُلُ مِنْهُ أَحَدٌ غَيْرُهُمْ فَإِذَا دَخَلُوا أُغْلِقَ فَلَمْ يَدْخُلْ مِنْهُ أَحَدٌ

رواہ البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:- جنت کے دروازوں میں ایک خاص دروازہ ہے جس کو ”باب الریان“ کہا جاتا ہے۔ اس دروازہ سے قیامت کے دن صرف روزہ داروں کا داخلہ ہوگا، ان کے سوا کوئی اس دروازے سے داخل نہیں ہو سکے گا۔ اس دن پکارا جائے گا کہ ہر ہیں وہ بندے جو اللہ کے لئے روزے رکھا کرتے تھے اور بھوک پیاس کی تکلیف اٹھایا کرتے تھے، وہ اس پکار پر چل پڑیں گے، ان کے سوا کسی اور کا اس دروازے سے داخلہ نہیں ہو سکے گا۔ جب وہ روزہ دار اس دروازے سے جنت میں پہنچ جائیں گے تو یہ دروازہ بند کر دیا جائے گا، پھر کسی کا اس سے داخلہ نہیں ہو سکے گا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) روزہ میں جس تکلیف کا احساس سب سے زیادہ ہوتا ہے اور جو روزہ دار کی سب سے بڑی قربانی ہے وہ اس کا پیاسا رہنا ہے، اس لئے اس کو جو صیلا اور انعام دیا جائے

اُس میں سب سے زیادہ نمایاں اور غالب پہلو سیرابی کا ہونا چاہئے۔ اسی مناسبت سے جنت میں روزہ داروں کے داخلہ کے لئے جو مخصوص دروازہ مقرر کیا گیا ہے اس کی خاص صفت سیرابی و شادابی ہے۔ رِیَّان کے لغوی معنی ہیں پورا پورا سیراب، یہ بھرپور سیرابی تو اس دروازہ کی صفت ہے جس سے روزہ داروں کا داخلہ ہوگا، آگے جنت میں پہنچ کر جو کچھ اللہ تعالیٰ کے انعامات ان پر ہوں گے ان کا علم تو بس اُس اللہ تعالیٰ ہی کو ہے جس کا ارشاد ہے کہ: —
 الصَّوْمُ لِيْ وَ اَنَا بِنْدَةِ كَارِزِهِ بَسِیرٌ لِّئَلَّیْ ہُوَ اور

أَجْزِئِیْ بِہِ ————— میں خود ہی اس کا صلہ دوں گا۔

(۶۷) عَنْ ابْنِ اُمَامَۃَ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مُرِّنِیْ بِاَمْرِ یَنْفَعُنِیْ اللّٰہُ بِہِ قَالَ عَلَیْكَ بِالصَّوْمِ فَإِنَّہٗ لَا مِثْلَ لَہٗ ————— رواہ النسائی

(ترمذی رحمہ) حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ: مجھے کسی عمل کا حکم فرمائیے جس سے اللہ تعالیٰ مجھے نفع دے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ: روزہ رکھا کرو، اس کی مثل کوئی بھی عمل نہیں ہے۔
 (سنن نسائی)

(تشریح) نماز، روزہ، صدقہ، حج اور خلق اللہ کی خدمت وغیرہ اعمال صالحہ میں یہ بات مشترک ہونے کے باوجود کہ یہ سب تقرب الی اللہ کا ذریعہ اور وسیلہ ہیں ان کی الگ الگ کچھ خاص تاثیرات اور خصوصیات بھی ہیں جن میں یہ ایک دوسرے سے ممتاز اور منفرد ہیں۔
 گویا: ۶ ————— ”ہر گلے راز نگ و بوسے دیگر است“

ان افراد کی اور امتیازی خصوصیات کے لحاظ سے ان میں سے ہر ایک کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ: ”اس کے مثل کوئی عمل نہیں ہے“ مثلاً نفس کو مغلوب اور مقہور کرنے اور اس کی خواہشوں کو دبانے کے لحاظ سے کہا جاسکتا ہے کہ اس صفت میں

کوئی دوسرا عمل روزہ کے مثل نہیں ہے۔۔۔۔۔ پس حضرت ابو امامہ کی اس حدیث میں روزہ کے بارے میں جو فرمایا گیا ہے کہ: ”اس کے مثل کوئی عمل نہیں ہے“ اس کی حقیقت یہی سمجھنی چاہئے۔ نیز ملحوظ رہنا چاہئے کہ ابو امامہ کے خاص حالات میں اُن کے لئے زیادہ نفع مند روزہ ہی تھا، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسی کی ہدایت فرمائی۔۔۔۔۔ اور اسی حدیث کی بعض روایات میں ہے کہ ابو امامہ نے یہ جواب پانے کے بعد دوبارہ ۱۰ اور سہ بارہ بھی عرض کیا کہ: ”مجھے کسی عمل کا حکم فرمائیے جس کو میں کیا کروں“ تو دونوں دفعہ آپ نے روزہ ہی کی ہدایت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ: ”بس روزہ رکھا کرو، اس کے مثل کوئی دوسرا عمل نہیں ہے یعنی تمہارے خاص حالات میں تم کو اسی سے زیادہ نفع ہوگا۔ واللہ اعلم

روزے اور تراویح باعث مغفرت:

(۶۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ۔۔۔۔۔ رواہ البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو لوگ رمضان کے روزے ایمان و احتساب کے ساتھ رکھیں گے ان کے سب گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور ایسے ہی جو لوگ ایمان و احتساب کے ساتھ رمضان کے راتوں میں نوافل (تراویح و تہجد) پڑھیں گے ان کے بھی سب پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، اور اسی طرح جو لوگ شبِ قدر میں ایمان و احتساب

کے ساتھ نوافل پڑھیں گے اُن کے بھی سارے پہلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں رمضان کے روزوں، اس کی راتوں کے نوافل اور خصوصیتِ شب قدر کے نوافل کو پچھلے گناہوں کی مغفرت اور معافی کا یقینی وسیلہ بتایا گیا ہے بشرطیکہ یہ روزے اور نوافل ایمان و احتساب کے ساتھ ہوں۔۔۔ یہ ایمان و احتساب خاص دینی اصطلاحیں ہیں اور ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو نیک عمل کیا جائے اس کی بنیاد اور اس کا محرک بس اللہ و رسول کو ماننا اور ان کے وعدہ و وعید پر یقین لانا اور ان کے بتائے ہوئے اجر و ثواب کی طمع اور امید ہی ہو کوئی دوسرا جذبہ اور مقصد اس کا محرک نہ ہو۔ اسی ایمان و احتساب سے ہمارے اعمال کا تعلق اللہ تعالیٰ سے جوڑتا ہے، بلکہ اسی ایمان و احتساب ہمارے اعمال کے قلب و روح ہیں، اگر یہ نہ ہوں تو پھر ظاہر کے لحاظ سے بڑے سے بڑے اعمال بھی بے جان اور کھوکھلے ہیں جو خدا نخواستہ قیامت کے دن کھوٹے سکے ثابت ہوں گے، اور ایمان و احتساب کے ساتھ بندے کا ایک عمل بھی اللہ کے ہاں اتنا عزیز و قیمتی ہے کہ اس کے صدقہ اور طفیل میں اس کے برسا برس کے گناہ معاف ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایمان و احتساب کی یہ صفت اپنے فضل سے نصیب فرمائے۔

روزہ اور قرآن کی شفاعت:

(۶۹) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الصِّيَامُ وَالْقُرْآنُ يُشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَقُولُ الصِّيَامُ أَيْ رَبِّ إِنِّي مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِي فِيهِ وَيَقُولُ الْقُرْآنُ مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِي فِيهِ فَيُشَفَّعَانِ

رواہ ابی یحییٰ فی شعب الایمان

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- روزہ اور قرآن دونوں بندے کی سفارش کریں گے (یعنی اُس بندے کی جو دن میں روزے رکھے گا اور رات میں اللہ کے حضور میں کھڑے ہو کر اُس کا پاک کلام قرآن مجید پڑھے گا یا سُنے گا)۔ روزہ عرض کرے گا :- اے میرے پروردگار! میں نے اس بندے کو کھانے پینے اور نفس کی خواہش پورا کرنے سے روک رکھا تھا، آج میری سفارش اس کے حق میں قبول فرما (اور اس کے ساتھ مغفرت و رحمت کا معاملہ فرما)۔ اور قرآن کہے گا کہ :- میں نے اس کو رات کے سونے اور آرام کرنے سے روک رکھا تھا، خداوند! آج اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما (اور اس کے ساتھ بخشش اور عنایت کا معاملہ فرما) چنانچہ روزہ اور قرآن دونوں کی سفارش اس بندے کے حق میں قبول فرمائی جائے گی (اور اس کے لئے جنت اور مغفرت کا فیصلہ فرما دیا جائے گا) اور خاص مہم خسرانہ سے اس کو نوازا جائے گا۔

(شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) کیسے خوش نصیب ہیں وہ بندے جن کے حق میں اُن کے روزوں کی اور نوافل میں اُن کے پڑھے ہوئے یا سُنے ہوئے قرآن پاک کی سفارش قبول ہوگی، یہ اُن کے لئے کیسی مسرت اور فرحت کا وقت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے اس سیاہ کار بندے کو بھی مجھ اپنے کرم سے اُن خوش بختوں کے ساتھ کر دے!۔

رمضان کا ایک روزہ چھوڑنے کا نقصان ناقابل تلافی :-

(۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَفْطَرَ يَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ نِصَّةٍ وَلَا مَرَضٍ لَمْ يَقْضِ عَنْهُ صَوْمُ الدَّهْرِ

کَلْبِهِ وَلَا نَصَامَةً ————— رواہ احمد

والترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ و الدارمی و البخاری فی ترجمۃ باب -

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی سفر وغیرہ کی شرعی نخصت کے بغیر اور بیماری (جیسے کسی عذر) کے بغیر رمضان کا ایک روزہ بھی چھوڑ دے وہ اگر اس کے بجائے عمر بھر بھی روزے رکھے تو جو چیز فوت ہوگئی وہ پوری ادا نہیں ہو سکتی ————— (مسند احمد جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی) ————— (اور

صحیح بخاری میں بھی بغیر سند کے ایک ترجمہ باب میں اس حدیث کا ذکر کیا گیا ہے)۔

(تشریح) حدیث کا مدعا اور مطلب یہ ہے کہ شرعی عذر اور نخصت کے بغیر رمضان کا ایک روزہ دانستہ چھوڑنے سے رمضان مبارک کی خاص برکتوں اور اللہ تعالیٰ کی خاص انعامات حاصل ہوتی ہیں جو محرومی ہوتی ہے، عمر بھر نفل روزے رکھنے سے بھی اس محرومی اور خسران کی تلافی نہیں ہو سکتی اگرچہ ایک روزے کی قانونی قضا ایک ہی دن کا روزہ ہے، لیکن اس سے وہ ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا جو روزہ چھوڑنے سے کھو گیا ————— پس جو لوگ بے پروائی کے ساتھ رمضان کے روزے چھوڑتے ہیں وہ سوچیں کہ اپنے کو وہ کتنا نقصان پہنچاتے ہیں۔

روزے میں مصیبتوں سے پرہیز: —————

(۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلِ بِهِ فَلَيْسَ لِلَّهِ حَاجَةٌ أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَدَابَهُ —————

رواہ البخاری

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ :- جو آدمی روزہ رکھتے ہوئے باطل کلام اور باطل کام نہ چھوڑے، تو اللہ کو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) معلوم ہوا کہ اللہ کے ہاں روزے کے مقبول ہونے کے لئے ضروری ہو کہ آدمی کھانا پینا چھوڑنے کے علاوہ مصیبات و منکرات سے بھی زبان و دہن اور دوسرے اعضاء کی حفاظت کرے۔ اگر کوئی شخص روزہ رکھے اور گناہ کی باتیں اور گناہ والے اعمال کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کے روزے کی کوئی پروا نہیں۔

عشرہ اخیرہ اور لیلۃ القدر :-

جس طرح رمضان المبارک کو دوسرے مہینوں کے مقابلے میں فضیلت حاصل ہے اُسی طرح اس کا آخری عشرہ پہلے دونوں عشروں سے بہتر ہے اور لیلۃ القدر اکثر و بیشتر اسی عشرہ میں ہوتی ہے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبادت وغیرہ کا اہتمام اس میں اور زیادہ کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے۔

(۶۲) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْتَهِدُ فِي الْعَشْرِ آخِرِ مَا لَا يَجْتَهِدُ فِي غَيْرِهِ۔

رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں عبادت وغیرہ میں وہ مجاہدہ کرتے اور وہ مشقت اٹھاتے جو دوسرے دنوں میں نہیں کرتے تھے۔ (صحیح مسلم)

(۶۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِيزْرَهُ وَآخَى لَيْلَهُ وَآيَقَطَ أَهْلَهُ۔

رواہ البخاری و مسلم

رمضان کی ستائیسویں ہی ہوتی ہے۔

(۷۵) عَنْ زَيْدِ بْنِ جُبَيْثٍ قَالَ سَأَلْتُ أَبِي بِنَ كَعْبٍ فَقُلْتُ
 إِنَّ أَخَاكَ ابْنَ مَسْعُودٍ يَقُولُ مَنْ يَقِمِ الْحَوْلَ يُصِيبُ
 لَيْلَةَ الْقَدْرِ فَقَالَ مَحَبَّةُ اللَّهِ أَرَادَ أَنْ لَا يَكْثُرَ النَّاسُ
 أَمَّا إِنَّهُ قَدْ عَلِمَ أَنَّهَا فِي رَمَضَانَ وَأَنَّهَا فِي عَشْرِ الْأَوَاخِرِ
 وَأَنَّهَا لَيْلَةُ سَبْعٍ وَعِشْرِينَ ثُمَّ حَلَفَ لَا يَسْتَنْبِيَنَّهَا
 لَيْلَةُ سَبْعٍ وَعِشْرِينَ فَقُلْتُ يَا بَنِي سَبِيئٍ تَقُولُ ذَلِكَ
 يَا أَبَا الْمُنْذِرِ قَالَ بِالْعَلَامَةِ أَوْ قَالَ بِالْأَيَةِ الَّتِي أَخْبَرَنَا
 رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا تَطْلُعُ يَوْمَ مِثْلِهِ
 لَا شُعَاعَ لَهَا _____ رواه مسلم

(ترجمہ) زید بن حبیب جو اکابر تابعین میں سے ہیں بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت
 کعب بن سعید رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ کے دینی بھائی عبداللہ بن مسعود
 کہتے ہیں کہ جو کوئی پورے سال کی راتوں میں کوڑا (یعنی ہر رات عبادت کیا کرے گا)
 اس کو شب قدر نصیب ہو بھی جائے گی (یعنی ایسے سال کی کوئی نہ کوئی رات ہوتی ہو)
 پس جو اس کی برکات کا طالب ہو اُسے چاہئے کہ سال کی ہر رات کو عبادت سے محروم کرے
 اس طرح وہ یقینی طور پر شب قدر کی برکات پاسکے گا _____ نذیب حبیب نے
 حضرت ابن مسعود کی یہ بات نقل کر کے حضرت ابی بن کعب سے دریافت کیا کہ آپ کا
 اس باب سے کیا ارشاد ہے (انہوں نے فرمایا کہ بھائی ابن مسعود پر خدا کی رحمت ہو، ان کا
 مقصد اس بات سے یہ تھا کہ لوگ کسی ایک ہی رات کی عبادت پر اطمینان نہ کر لیں
 ورنہ ان کو یہ بات یقیناً معلوم تھی کہ شب قدر رمضان ہی کے مہینہ میں ہوتی ہے اور
 اس کے بھی خاص آخری عشرہ ہی میں ہوتی ہے یعنی اکیسویں سے تیسویں یا تیسویں تک)

اور وہ یقیناً ستائیسویں شب ہے۔ پھر انھوں نے پوری قطیعت کے ساتھ قسم کھا کر کہا کہ:-
 وہ بلاشبہ ستائیسویں شب ہی ہوتی ہے (اوپر اپنے یقین و اطمینان کے اظہار کے لئے
 قسم کے ساتھ) انھوں نے انشاء اللہ بھی نہیں کہا (وہ رابن حبیش کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا
 کہ اے ابوالنذر! یہ حضرت اُبی کی کنیت ہے، یہ آپ کس بنا پر فرماتے ہیں؟۔۔۔ انھوں نے
 فرمایا کہ:- میں یہ بات اس نشانی کی بناء پر کہنا ہوں جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو
 خبر دی تھی، اور وہ یہ کہ شب قدر کی صبح کو جب سورج نکلتا ہے تو اس کی شعاع نہیں ہوتی۔
 (صحیح مسلم)

(ترشح) حضرت اُبی بن کعبؓ کے جواب سے معلوم ہوا کہ انھوں نے جو قطیعت کیساتھ
 یہ بات کہی کہ شب قدر یقیناً طور سے ستائیسویں شب ہی ہوتی ہے۔ یہ بات انھوں نے رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنی تھی، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جو ایک خاص
 نشانی بتائی تھی انھوں نے چونکہ وہ نشانی عموماً ستائیسویں شب کی صبح ہی کو دیکھی تھی، اس لئے
 یقین کے ساتھ انھوں نے رائے قائم کر لی تھی۔۔۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
 کبھی تو یہ فرمایا کہ اس کو آخری عشرہ میں تلاش کرو، اور کبھی فرمایا کہ آخری عشرہ کی طاق راتوں میں
 تلاش کرو، کبھی عشرہ اخیرہ کی پانچ طاق راتوں میں سے چار یا تین راتوں کے لئے فرمایا، کسی خاص رات
 کی تعیین آپ نے نہیں فرمائی۔ ہاں بہت سے اصحاب و ادراک کا تجربہ یہی ہے کہ وہ زیادہ تر
 ستائیسویں شب ہی ہوتی ہے۔۔۔۔۔ اس عدم تعیین کی بڑی حکمت یہی ہے کہ طالب بند
 مختلف راتوں میں عبادت و ذکر و دعا کا اہتمام کریں، ایسا کرنے والوں کی کامیابی یقینی ہے۔

(۷۶) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 إِذَا كَانَ كَيْسَلَةُ الْعَتَمَةِ رَسَزَلَ جَبْرُئِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ
 فِي كُتُبِكُمْ مِنَ الْمَلَائِكَةِ يُصَلُّونَ عَلَى كُلِّ عَبْدٍ قَائِمٍ
 أَوْ قَاعِدٍ يَذْكُرُ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ۔۔۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جب شب قدر ہوتی ہے تو جبریل علیہ السلام فرشتہ کے فجرٹ میں نازل ہوتے ہیں اور اس بندے کے لئے دعائے رحمت کرتے ہیں جو کھڑا یا بیٹھا اللہ کے ذکر عبادت میں مشغول ہوتا ہے۔ ————— (شعب الایمان المہتمی)

شب قدر کی خاص دُعا:۔

(۷۷) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَلَّتْ بِأَرْسُولِ اللَّهِ آدَايَتُ إِنْ غَلِظْتُ أَمْرِي لَسْتُ لِبَنَاتِكَ لِلْعَدُوِّ مَا أَخَذُونِي فِيهَا قَالَ قُولِي أَلَلَّهُمَّ إِنَّا نَعُوْكَ كَرِهْنَا نَحْنُ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي۔

رواہ احمد و طبرانی و ابن ماجہ

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے بتائیے کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ کون رات شب قدر ہے تو میں اس رات اللہ سے کیا عرض کروں اور کیا دعا مانگوں؟ آپ نے فرمایا: یہ عرض کرو:۔
 اللَّهُمَّ إِنَّا نَعُوْكَ عَفْوَكَ رَبِّهِ اے میرے اللہ! تو بہت معاف فرمائے اور
 نَحْنُ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي۔ اور بڑا کرم فرما ہے اور دعا کرو نیلے پتھر
 پس تو میری خطائیں معاف فرما دے:

(مسند احمد، جامع ترمذی، مسند ابن ماجہ)

(تشریح) اس حدیث کی بنا پر اللہ کے بہت سے بندوں کا یہ معمول ہے کہ وہ ہر رات میں یہ دعا خصوصیت سے کرتے ہیں، اور رمضان مبارک کی راتوں میں امدان میں سے بھی خاص کر آخری عشرہ کی طاق راتوں میں اس دعا کا اور بھی زیادہ اہتمام کرتے ہیں۔

رمضان کی آخری رات :-

(۷۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
أَنَّهُ قَالَ يُغْفَرُ لَأُمَّتِهِ فِي آخِرِ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ
قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَهِيَ لَيْلَةُ الْقَدَرِ قَالَ لَا وَلَكِنَّ
الْعَامِلَ إِنَّمَا يُؤْتَى أَجْرُهُ إِذَا أَقْبَضْنِي عَمَلَهُ —

رواہ احمد

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ :- رمضان کی آخری رات میں آپ کی امت کے لئے مغفرت اور بخشش کا فیصلہ
کیا جاتا ہے۔ آپ سے دریافت کیا گیا :- یا رسول اللہ کیا وہ شب قدر ہوتی ہے؟
آپ نے فرمایا کہ :- شب قدر تو ہمیں ہوتی لیکن بات یہ ہے کہ عمل کرنے والا جب اپنا
عمل پورا کر دے تو اس کو پوری اُجرت مل جاتی ہے۔ (مسند احمد)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رمضان مبارک کی آخری رات بھی خاص
مغفرت کے فیصلہ کی رات ہے لیکن اس رات میں مغفرت اور بخشش کا فیصلہ انہی بندوں
کے لئے ہو گا جو رمضان مبارک کے عملی مطالبات کسی درجہ میں پورے کر کے اُس کا استحقاق
پیدا کر لیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔

اعتکاف :-

رمضان مبارک اور بالخصوص اس کے آخری عشرہ کے اعمال میں سے ایک حکمت
بھی ہے۔ اعتکاف کی حقیقت یہ ہے کہ ہر طرف سے کیسوا اور سب سے منقطع ہو کر
بس اللہ سے ٹو لگا کے اُس کے درپہ (یعنی کسی مسجد کے کونہ میں) پڑ جائے اور سب الگ تنہائی میں

اس کی عبادت اور اسی کے ذکر و فکر میں مشغول رہے، یہ خواص بلکہ ان خاص ان خواص کی عبادت ہے۔
اس عبادت کے لئے بہترین وقت رمضان مبارک اور خاص کر اس کا آخری عشرہ ہی ہو سکتا تھا
اس لئے اسی کو اس کے لئے انتخاب کیا گیا۔

نزول قرآن سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت مبارک میں سب سے یکسو
اور اگ بگڑ تھائی تھی اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے ذکر و فکر کا جو بیتا بانہ جذبہ پیدا ہوا تھا
جس کے نتیجہ میں آپ مسلسل کئی مہینے غار حرا میں خلوت گزینی کرتے رہے، یہ گویا آپ کا پہلا اعتکاف تھا
اور اس اعتکاف ہی میں آپ کی روحانیت اس مقام تک پہنچ گئی تھی کہ آپ پر قرآن مجید کا
نزول شروع ہو جائے چنانچہ چرا کے اس اعتکاف کے آخری ایام ہی میں اللہ کے حامل وحی فرشتے
جبریلؑ سورہ اترار کی ابتدائی آیتیں لے کر نازل ہوئے۔۔۔۔۔ تحقیق یہ ہے کہ یہ رمضان
کا مہینہ اور اسی کا آخری عشرہ تھا اور وہ رات شب قدر تھی اس لئے بھی اعتکاف کے لئے
رمضان مبارک کے آخری عشرہ کا انتخاب کیا گیا۔

روح کی تربیت و ترقی اور نفسانی قوتوں پر اس کو غالب کرنے کے لئے پورے مہینے رمضان
کے روزے تو تمام افراد امت پر فرض کئے گئے، گویا کہ اپنے باطن میں ملکوتیت کو غالب و ہمیشہ کے
مغلوب کرنے کے لئے تمنا بجا رہو اور نفسانی خواہشات کی تہی قربانی تو ہر مسلمان کے لئے لازم
کردی گئی کہ وہ اس پورے مہینہ میں اللہ کے حکم کی تعمیل اور اس کی عبادت کی نیت
سے دن کو نہ کھائے نہ پیوے نہ بیوی سے متبع ہو، اور اسی کے ساتھ ہر قسم کے گناہوں بلکہ فضول
باتوں سے بھی پرہیز کرے اور یہ پورا مہینہ اسی پابندیوں کے ساتھ گزارے۔۔۔۔۔ پس یہ تو
رمضان مبارک میں روحانی تربیت و تزکیہ کا حوامی اور کمپلری کو دس مقرر کیا گیا، اور اس سے
اس کے تعلق بالذہن ترقی اور طرازی اعلیٰ سے خصوصی مناسبت پیدا کرنے کے لئے اعتکاف دکھایا گیا۔

اس اعتکاف میں اللہ کا بندہ سب سے کٹ کے اور سب سے ہٹ کے اپنے مالک و مولا کے آستانے پر اور گویا اسی کے قدموں میں پڑ جا رہا ہے، اس کو یاد کرتا ہے، اسی کے درمیان میں رہتا ہے اس کی تسبیح و تقدیس کرتا ہے، اُس کے حضور میں توبہ و استغفار کرتا ہے، اپنے گناہوں اور قصوروں پر روتا ہے، اور رحیم و کریم مالک سے رحمت و مغفرت مانگتا ہے، اس کی رضا اور اس کا قرب چاہتا ہے اسی حال میں اس کے دن گزرتے ہیں اور اسی حال میں اس کی راتیں ———— ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی بندے کی سعادت اور کیا ہو سکتی ہے ———— رُحْمَلُ اللہ صَلَّی اللہ علیہ وسلم اہتمام سے ہر سال رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف فرماتے تھے، بلکہ ایک سال کسی وجہ سے رہ گیا تو اگلے سال آپ نے دو عشروں کا اعتکاف فرمایا۔۔۔۔۔ اس سلسلہ کے بعد اس سلسلے کی حدیثیں پڑھئے !:

(۶۹) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْأَوَّلَ وَآخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتَّى تَوَفَّاهُ اللَّهُ ثُمَّ اعْتَكَفَ أَزْوَاجُهُ مِنْ بَعْدِهِ ————

رواہ البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے تھے، وفات تک آپ کا یہ معمول رہا، آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات اہتمام سے اعتکاف کرتی رہیں۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) ازواج مطہرات اپنے محروم میں اعتکاف فرماتی تھیں، اور خواتین کے لئے اعتکاف کی جگہ ان کے گھر کی وہی جگہ ہے جو انھوں نے نماز پڑھنے کی مقرر رکھی ہو، اگر گھر میں نماز کی کوئی خاص جگہ مقرر نہ ہو تو اعتکاف کرنے والی خواتین کو ایسی جگہ مقرر کرنی چاہئے۔

(۷۰) عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

لَعَنَكُمُ الْعَشْرَ إِلَّا وَاجِدَ مِنْ رَمَضَانَ فَلَمْ يُعْتَكِفْ عَامًا
فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ اعْتَكَفَ عَشْرِينَ

رواہ الترمذی

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ ایک سال آپ اعتکاف نہیں
کرسکے تو اگلے سال بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔۔۔۔۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) حضرت انس کی اس روایت میں یہ مذکور نہیں ہے کہ ایک سال اعتکاف
نہ ہوسکے کی کیا وجہ پیش آئی تھی۔ سنن نسائی اور سنن ابی داؤد وغیرہ میں حضرت ابی بن کعب کی
ایک حدیث مروی ہے اُس میں تصریح ہے کہ ایک سال رمضان کے عشرہ اخیرہ میں آپ کو
کوئی سفر کرنا پڑ گیا تھا اس کی وجہ سے اعتکاف نہیں ہوسکا تھا اس لئے اگلے سال آپ نے
بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔

اور صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے مروی ہے کہ جس سال
آپ کا وصال ہوا اس سال کے رمضان میں بھی آپ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا تھا۔ یہ بیس
دن کا اعتکاف غالباً اس وجہ سے فرمایا تھا کہ آپ کو یہ اشارہ مل چکا تھا کہ غریب آپ کو
اس دنیا سے اٹھایا جائے گا اس لئے اعتکاف جیسے اعمال کا شغف بڑھ جانا بالکل قدرتی
بات تھی۔

وعدہ وصل چوں شود نزدیک

آتش شوق تیز تر گردد

(۸۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ أَلْسِنَةٌ عَلَى الْمُعْتَكِفِ أَنْ لَا
يَعُوذَ مَرِيضًا وَلَا يَشْهَدَ جَنَازَةً وَلَا يَمَسَّ الْمَرْأَةَ
وَلَا يَبْأَسِرَهَا وَلَا يَخْذُرُ حَاجَةً إِلَّا لِمَا لَا بُدَّ مِنْهُ
وَلَا اعْتِكَافَ إِلَّا بِصَوْمٍ وَلَا اعْتِكَافَ إِلَّا فِي مَسْجِدٍ

رواہ ابو داؤد

جامع

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ فہی اللہ عنہا سے مروی ہے فرمایا کہ: بیعتک کے لئے شرعی دستور و مضابطہ یہ ہے کہ وہ نہ مریض کی عیادت کو جائے، نہ نماز جنازہ میں شرکت کے لئے باہر نکلے، نہ عورت سے صحبت کرے، نہ بوس و کنار کرے، اور اپنی ضرورتوں کے لئے بھی مسجد سے باہر نہ جائے سوائے اُن حاجت کے جو بالکل ناگزیر ہیں جیسے پیشاب پانخانہ وغیرہ اور اعتکان (روزہ کے ساتھ ہونا چاہئے) بغیر روزہ کے اعتکان نہیں، اور مسجد جامع میں ہونا چاہئے، اس کے سوا نہیں۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس سلسلہ معارف الحدیث میں یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ صحابہ کرام میں سے جب کوئی یہ کہے کہ ”سنت“ یہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شرعی مسئلہ یہ ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ یہ مسئلہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد یا طرزِ عمل سے جانا ہے اس لئے یہ حدیث مرفوعہ ہی کے حکم میں ہوتا ہے، اس بنا پر حضرت عائشہ صدیقہ فہی اللہ عنہا کی اس حدیث میں اعتکان کے جو مسائل بیان کئے گئے ہیں وہ نبوی ہدایات ہی کے حکم میں ہیں، اس کے بالکل آخر میں ”مسجد جامع“ کا جو لفظ ہے اس سے مراد جماعت الی مسجد ہے یعنی ایسی مسجد جس میں پانچوں وقت جماعت پابندی سے ہوتی ہو۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اعتکان کے لئے روزہ بھی شرط ہے اور جماعت والی مسجد کا ہونا بھی۔

(۴۲) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي الْمُعْتَكِفِ هُوَ يَعْتَكِفُ الدُّنُوبَ وَيَجْعَلُ لَهُ مِنَ الْحَسَنَاتِ كَعَامِلِ الْحَسَنَاتِ كُلِّهَا.

رواہ ابن ماجہ

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتکان کرنے والے کے بارے میں فرمایا کہ وہ (اعتکان کی

وجہ سے اور مسجد میں مقید ہو جانے کی وجہ سے) گنت ہوں سے بچا دیتا ہے اور اس کا
نیکوں کا حساب ساری نیکیاں کرنے والے بندے کی طرح جاری رہتا ہے، اور
نامہ اعمال میں لکھا جاتا رہتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

(تشریح) جب بندہ اعتکاف کی نیت سے اپنے کو مسجد میں مقید کر دیتا ہے تو اگرچہ وہ
عبادت اور ذکر و تلاوت وغیرہ کے راستہ سے اپنی نیکیوں میں خوب اضافہ کرتا ہے لیکن بعض بہت
بڑی نیکیوں سے وہ محجور بھی ہو جاتا ہے، مثلاً وہ بیماروں کی عیادت اور خدمت نہیں کر سکتا جو
بہت بڑے ثواب کا کام ہے، کسی لاچار مسکین، یتیم اور بیوہ کی مدد کے لئے دوڑ دھوپ نہیں کر سکتا
کسی میت کو غسل نہیں دے سکتا، جو اگر ثواب کے لئے اور انخاص کے ساتھ ہو تو بہت بڑے
اجر کا کام ہے، اسی طرح نماز جنازہ کی شرکت کے لئے نہیں نکل سکتا، میت کے ساتھ قبرستان
نہیں جاسکتا جس کے ایک ایک قدم پر گناہ معاف ہوتے ہیں اور نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔
لیکن اس حدیث میں اعتکاف والے کو بشارت سنائی گئی ہے کہ اُس کے حساب اور
اس کے صحیفہ اعمال میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ سب نیکیاں بھی لکھی جاتی ہیں جن کے
کرنے سے وہ اعتکاف کی وجہ سے محجور ہو جاتا ہے، اور وہ ان کا عادی تھا۔ ۶
کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

رویت ہلال :

شریعت اسلامی نے خاص اعمال و عبادات کے لئے جو مخصوص اوقات یا دن
یا زمانے مقرر کئے ہیں ان کی تعیین میں اس بات کا خصوصییت سے لحاظ رکھا گیا ہے کہ اُس وقت
یا دن یا اس زمانہ کا جاننا پہچاننا کسی علم یا فلسفہ پر یا کسی آلہ کے استعمال پر موقوف نہ ہو، بلکہ
ایک حامی اور بے پڑھادیہائی آدمی بھی مشاہدہ سے اس کو جان سکے۔ اسی لئے نماز اور رونے
کے اوقات سورج کے حساب سے مقرر کئے گئے مثلاً فجر کا وقت صبح صادق سے لیکر طلوع آفتاب

۲۹ یا ۳۰ رکھو۔۔۔۔۔ پھر آپؐ نے مختلف موقعوں پر رویت ہلال کے متعلق اور سب ضروری ہدایات دیں۔۔۔۔۔ اس تمہید کے بعد مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھئے:۔

(۸۳) عَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
أَنَّهُ ذَكَرَ رَمَضَانَ فَقَالَ لَا تَصُومُوا حَتَّى تَرَوْا الْهِلَالَ
وَلَا تَفْطِرُوا حَتَّى تَرَوْهُ فَإِنْ أُغْيِيَ عَلَيْكُمْ فَأَقْبِرُوا رُؤْيَاهُ۔

رواہ البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے ایک موقع پر رمضان کا ذکر فرمایا، اس سلسلہ میں آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ:۔۔۔ رمضان کا روزہ اُس وقت تک مت رکھو جب تک کہ چاند نہ دیکھ لو اور روزوں کا سلسلہ ختم نہ کرو جب تک کہ شوال کا چاند نہ دیکھ لو، اور اگر (۲۹) کو چاند دکھائی نہ دے تو اس کا حساب پورا کرو (یعنی جیسے کہ ۳۰ دن کا سمجھو)۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۸۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صُومُوا لِرُؤْيَيْهِ وَافْطِرُوا لِرُؤْيَيْهِ
فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلَاثِينَ۔

رواہ البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔۔۔ چاند دیکھ کر روزے رکھو اور چاند دیکھ کر روزے چھوڑ دو، اور اگر (۲۹) تاریخ کو) چاند دکھائی نہ دے تو شعبان کی ۳۱ گنتی پوری کرو۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ رمضان کے شروع ہونے اور ختم ہونے کا دار و مدار

رویت ہلال (یعنی چاند دکھائی دینے) پر ہے۔۔۔۔۔ صرف کسی حساب یا تقریب قیاس کی بنا پر اس کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔۔۔۔۔ پھر رویت ہلال کے ثبوت کی ایک شکل تو یہ ہے کہ خود ہم نے اپنی آنکھوں سے اس کو دیکھا ہو، اور دوسری صورت یہ ہے کہ کسی دوسرے نے دیکھ کے ہم کو بتایا ہو اور وہ ہمارے نزدیک قابل اعتبار ہو۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں بھی کبھی کبھی ایسا ہوا ہے کہ آپ نے کسی دیکھنے والے کی اطلاع اور شہادت پر رویت ہلال کو مان لیا، اور روزہ رکھنے یا عید کرنے کا حکم دے دیا۔ جیسا کہ آگے درج ہونے والی بعض احادیث سے معلوم ہوگا۔

(۸۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْضَرُوا هِلَالَ شَعْبَانَ لِرَدِّ صَنَانٍ -

رواہ الترمذی

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔۔۔۔۔ رمضان کے لحاظ سے شعبان کے چاند کو خوب اچھی طرح رگو۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ رمضان کے پیش نظر شعبان کا چاند دیکھنے کا بھی خاص اہتمام کیا جائے اور اس کی تاریخیں یاد رکھنے کی خاص فکر اور کوشش کی جائے اور جب ۲۹ دن پورے ہو جائیں تو رمضان کا چاند دیکھنے کی کوشش کی جائے۔

(۸۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَحَقَّقُ مِنْ شَعْبَانَ مَا لَا يَتَحَقَّقُ مِنْ غَيْرِهِ ثُمَّ يَصُومُ لِرُؤْيَا رَمَضَانَ فَإِنْ غَمَّ عَلَيْهِ عَدَّةٌ ثَلَاثِينَ يَوْمًا ثُمَّ صَامَ -

رواہ ابو داؤد

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

علیہ وسلم ماہ شعبان کے دن اور اس کی تاریخیں جتنے اہتمام سے یاد رکھتے تھے اتنے اہتمام سے کسی دوسرے مہینے کی تاریخیں یاد نہیں رکھتے تھے، پھر رمضان کا چاند دیکھ کر روزے رکھتے تھے، اور اگر (۲۹ شعبان کو) چاند دکھائی نہ دیتا تو ۳۰ دن کی شمار پورا کر کے پھر روزے رکھتے تھے۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان مبارک کے اہتمام کی وجہ سے شعبان کا چاند دیکھنے اور اس کی تاریخیں یاد رکھنے کا خاص اہتمام فرماتے تھے۔ پھر اگر ۲۹ شعبان کو رمضان کا چاند نظر آجاتا تو رمضان کے روزے رکھنے شروع فرماتے تھے، اور اگر نظر نہ آتا تو شعبان کے ۳۰ دن پورے کر کے روزے رکھتے تھے۔

خبر اور شہادت سے چاند کا ثبوت:

(۸۷) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي رَأَيْتُ الْهِلَالَ يَعْنِي هِلَالَ رَمَضَانَ فَقَالَ أَتَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ قَالَ نَعَمْ قَالَ أَتَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ قَالَ نَعَمْ قَالَ يَا بِلَالُ ادِّنْ فِي النَّاسِ أَنْ يَصُومُوا غَدًا

رواہ ابو داؤد و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ و الدارمی

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بدوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے بتایا کہ میں نے آج چاند دیکھا ہے (یعنی رمضان کا چاند)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا: کیا تم لا اِلهَ اِلاَّ اللہ کی شہادت دیتے ہو؟ اس نے عرض کیا کہ: ہاں میں لا اِلهَ اِلاَّ اللہ کی شہادت دیتا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: اور کیا تم

عُمَرُ بْنُ الْكَوْثَرِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ شَهِادَتِ دیتے ہوئے۔ اس نے کہا:۔ ہاں! میں اس کی بھی شہادت دیتا ہوں (یعنی میں توحید و رسالت پر ایمان رکھتا ہوں، مسلمان ہوں۔ اس تصدیق کے بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ لوگوں میں اس کا اعلان کر دو کہ کل سے روزے رکھیں۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مسند اری)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رویت بلال کی شہادت یا اطلاع قبول کرنے کے لئے ضروری ہو کہ شہادت یا اطلاع دینے والا صاحب ایمان ہو، کیونکہ وہی اس کی نزاکت اور اہمیت کو اور اس کی بھاری ذمہ داری کو محسوس کر سکتا ہے۔

(۸۸) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ تَرَا آتَى النَّاسَ الْهَلَكَ
فَأَخْبَرْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنِّي
رَأَيْتُهُ فَصَامَ وَأَمَرَ النَّاسَ بِصِيَامِهِ

رواہ ابوداؤد والدارمی

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں نے رمضان کا چاند دیکھنے کی کوشش کی (لیکن عام طور سے لوگ دیکھ نہ سکے) تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ میں نے چاند دیکھا ہے، تو آپ نے خود بھی روزہ رکھا اور لوگوں کو حکم دیا کہ وہ بھی روزے رکھیں۔ (سنن ابی داؤد، مسند اری)

(تشریح) ان دونوں حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رمضان کا چاند ثابت ہونے کے لئے صرف ایک مسلمان کی شہادت اور اطلاع بھی کافی ہو سکتی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے مشہور قول کے مطابق ایک آدمی کی شہادت اس صورت میں کافی ہوتی ہے جبکہ مطلع صاف نہ ہو، ابریغبار وغیرہ کا اثر ہو، یا وہ شخص بستی کے باہر سے یا کسی بلند علاقہ سے آیا ہو،

لیکن اگر مطلع بالکل صاف ہو اور چاند دیکھنے والا آدمی باہر سے یا کسی بلند مقام سے بھی نہ آیا ہو، بلکہ اس سستی ہی میں چاند دیکھنے کا دعویٰ کرے جس میں باوجود کوشش کے او کسی نے چاند نہ دیکھا ہو، تو ایسی صورت میں اس کی شہادت پر چاند ہو جانے کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس صورت میں دیکھنے والے اتنے آدمی ہونے چاہئیں جن کی شہادت پر اطمینان ہو جائے، امام ابو حنیفہؒ کا مشہور قول یہی ہے۔ لیکن ایک روایت امام صاحبؒ سے یہ بھی ہے کہ رمضان کے چاند کے ثبوت کے لئے ایک دیندار اور قابل اعتبار مسلمان کی شہادت بہر حال کافی ہے، اور اکثر دوسرے ائمہ کا مسلک بھی یہی ہے۔

یہ جو کچھ ذکر کیا گیا اس کا تعلق رمضان کے چاند سے ہے، لیکن عید کے چاند کے ثبوت کے لئے جمہور ائمہ کے نزدیک کم سے کم دو دیندار اور قابل اعتبار مسلمانوں کی شہادت ضروری ہے۔ ————— دارقطنی اور طبرانی نے اپنی اپنی سند کے ساتھ عکرمۃ تابعی سے روایت کیا ہے کہ :- ایک دفعہ مدینہ کے حاکم کے سامنے ایک آدمی نے رمضان کا چاند دیکھنے کی شہادت دی، اس وقت حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ دونوں مدینہ میں موجود تھے، والی مدینہ نے ان دونوں بزرگوں کی طرف رجوع کیا تو انھوں نے بتایا کہ اس ایک آدمی کی شہادت قبول کر لی جائے، اور رمضان ہونے کا اعلان کر دیا جائے اور ساتھ ہی منبر مایاکہ :-

اِنَّ رَّسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ اَجَازَ شَہَادَۃً
وَاحِدٍ عَلٰی رُویۃِ ہِلَالِ رَمَضَانَ وَكَانَ لَا یُحْیِزُ
شَہَادَۃُ الْاَقْطَارِ اِلَّا بِشَہَادَۃِ رَجُلَیْنِ —————

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روایت ہلال رمضان کی ایک آدمی کی شہادت کو بھی کافی مانا ہے، اور عید کے چاند کی شہادت دو آدمیوں سے

کم کی آپ کافی نہیں قرار دیتے تھے۔

رمضان سے ایک دن پہلے روزہ رکھنے کی ممانعت :-

شریعت اسلامیہ میں پوسے رمضان کے روزے فرض کئے گئے ہیں اور جیسا کہ ابھی معلوم ہو چکا یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ رمضان کا چاند دیکھنے کا خاص اہتمام کیا جائے، بلکہ اس مقصد سے شعبان کا چاند دیکھنے کا بھی خصوصی اہتمام کیا جائے تاکہ کسی دھوکہ یا غفلت سے رمضان کا کوئی نہ روزہ چھوٹ نہ جائے لیکن حدود شریعت کی مخالفت کے لئے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ رمضان کے ایک دو دن پہلے سے روزے نہ رکھے جائیں، اگر جمادات کے شوقین ایسا کریں گے تو خطوہ کہ بے بیارے ناواقف عوام اسی کو تسرہمت کا حکم اور سلسلہ سمجھے لگیں، اس لئے اس کی ممانعت فرمادی گئی۔

(۸۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَقَدَّ مَنَّا أَحَدُكُمْ يَخْلُصَ بِصَوْمِ يَوْمٍ أَوْ يَوْمَيْنِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ رَجُلًا كَانَ يَصُومُ مَهْمًا فَلْيَصُومْ ذَلِكَ الْيَوْمَ ————— رواه البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تم میں سے کوئی آدمی رمضان کے ایک دو دن پہلے سے روزہ نہ رکھے، البتہ کہ اتفاق سے وہ دن پڑ جائے جس میں روزہ رکھنے کا کسی آدمی کا معمول ہو تو وہ شخص اپنے معمول کے مطابق اس دن بھی روزہ رکھ سکتا ہے (مثلاً ایک آدمی کا معمول ہے کہ وہ ہر جمعرات یا پیر کو روزہ رکھتا ہے مگر ۲۹، ۳۰ شعبان کو جمعرات یا پیر نہ پڑے تو اس کو بھی کو اس دن روزہ رکھنے کی اجازت ہے)۔

(مصحح بخاری و مسلم)

(۹۰) عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ مَن صَامَ الْيَوْمَ الَّذِي
بُنِيَ فِيهِ مُحَمَّدٌ فَقَدْ عَمِلَ آيَاتِ الْقَاسِمِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ۔۔۔ روزہ ابو داؤد و ترمذی و نسائی، وابن ماجہ و طحاوی

(ترجمہ) حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ:۔۔

جس آدمی نے شک والے دن کا روزہ رکھا اُس نے بغیر خدا ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم

کا قربانی کی۔

(مفسر علیہ السلام) جان تیری، سنسنی، سنسنی میں اس روزہ رکھنا

(تشریح) شک والے دن سے مراد وہ دن ہے جس کے بارے میں شک ہو کہ

یہ یار رمضان کا دن ہو یا نہ ہو۔ مثلاً ۹ شعبان کو مطلع پر یا غبار ہو اور چاند نظر نہ آئے تو کنگے

دلوں کے بارے میں شک ہوتا ہے کہ شاید چاند ہو چکا ہو یا نہ ہو۔ غبار یا برکی وجہ سے نظر

نہ آئے ہو اور اس لحاظ سے کہ رمضان کا دن ہو۔۔۔ تو تشریح میں اس شک اور

مہم کا اعتبار نہیں ہے اور اس کی بنا پر اس دن روزہ رکھنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

منع فرمایا ہے اور صحابہ اگر اور صبح بھٹنے والی بعض احادیث سے محظوم ہو چکا، ایسی صورت

میں شعبان کے یہ دن پورے کرنے کا حکم دیا ہے۔

سحور اور افطار کے بارے میں ہدایات:

(۹۱) مَن آتَسَّ قَالَ خَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

تَتَحَرَّرُ وَاقَانَ فِي الْبُحُورِ بِبَرَكَتِهِ۔۔۔ روزہ البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شعل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فرمایا،۔۔۔ سو کیا اگر دیکھو کہ میری برکت ہے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب کے ہاں دونوں کے لئے سحری نہیں ہے اور ہمارے ہاں سحری کھانے کا حکم ہے، اس لئے اس فرق اور امتیاز کو علما بھی قائم رکھنا چاہئے اور اللہ کی اس نعمت کا کہ اس نے ہم کو یہ سہولت بخشی، شکر ادا کرنا چاہئے۔

افطار میں تعجیل اور سحری میں تاخیر کا حکم:

(۹۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى أَحَبُّ عِبَادِي إِلَيَّ أَنْ يَجْلُو فُطْرًا

رواہ الترمذی

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اپنے بندہ میں مجھے وہ بندہ زیادہ محبوب ہے جو روزہ کے افطار میں جلدی کرے (یعنی غروب کا قلب کے بعد بالکل زیر کرے)۔

(جامع ترمذی)

(۹۴) عَنْ سَعْدِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ النَّاسُ بِحَيْرٍ مَا جَعَلُوا الْفِطْرَ

رواہ البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت سعد بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب تک میری امت کے لوگ افطار میں جلدی کرتے رہیں گے وہ بچے حال میں رہیں گے۔ صبح بخاری و صحیح مسلم

(تشریح) اسی ضمن میں حدیث مسند احمد میں حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ میں نے "مَا جَعَلُوا الْفِطْرَ" کے آگے "وَأَخْرَجُوا الشَّحْوَةَ" بھی ہے (یعنی اس امت کے حالات اس وقت تک بچے رہیں گے جب تک کہ افطار میں

تاخیر نہ کرنا بلکہ جلدی کرنا، اور سحری میں جلدی نہ کرنا بلکہ تاخیر کرنا اس کا طریقہ اور طریقہ عمل ہے گا۔ اس کا راز یہ ہے کہ افطار میں جلدی کرنا اور سحری میں تاخیر کرنا شریعت کا حکم اور اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے، اور اس میں عام بندگانِ خدا کے لئے سہولت اور آسانی بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نیکو و کرم کا ایک مستقل وسیلہ ہے اس لئے امت جب تک اس پر عامل رہے گی وہ اللہ تعالیٰ کی نظر کرم کی مستحق رہے گی اور اس کے حالات اچھے رہیں گے، اور اس کے برعکس افطار میں تاخیر اور سحری میں جلدی کرنے میں چونکہ اللہ کے تمام بندوں کے لئے مشقت ہے اور یہ ایک طرح کی بدعت اور یہود و نصاریٰ کا طریقہ ہے اس لئے وہ اس امت کے لئے بجائے وضو اور رحمت کے اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا باعث ہے، اس واسطے جب امت اس طریقے کو اپنائے گی تو اللہ تعالیٰ کی نظر کرم سے محروم ہوگی اور اس کے حالات بگڑیں گے۔ افطار میں جلدی کا مطلب یہ ہے کہ جب آفتاب غروب ہونے کا یقین ہو جائے تو پھر تاخیر نہ کی جائے اور اسی طرح سحری میں تاخیر کا مطلب یہ ہے کہ صبح صادق سے بہت پہلے سحری نہ کھال جائے بلکہ جب صبح صادق کا وقت قریب ہو تو اس وقت کھایا پیا جائے۔ یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول اور دستور تھا۔

(۹۵) عَنْ أَنَسٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ تَسَعَّجُوا مَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ كَانُوا إِلَى الصَّلَاةِ قُلُوبُكُمْ كَمَا كَانَ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْمَشْهُورِ قَالَ قَدْ رَحِمَنِي آيَةُ

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے بیان کیا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کھائی پھر (جلد ہی) آپ نماز فجر کے لئے کھڑے ہو گئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اس سے دریافت کیا کہ:۔ سحری کھانے اور فجر کی اذان کے درمیان کتنا وقفہ رہا ہو گا؟۔

انہوں نے فرمایا:۔ پچاس آیتوں کی تلاوت کے بعد در

(صبح بخاری و صبح مسلم)

(تشریح) صحتِ محاسن اور قواعدِ قرأت کے لحاظ کے ساتھ پچاس آیات کی تلاوت میں پانچ منٹ سے بھی کم وقت صرف ہوتا ہے اس پر تاہم کہا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سحری اور اذان فجر کے درمیان صرف چار پانچ منٹ کا فاصلہ تھا۔

صوم وصال کی ممانعت:

”صوم وصال“ یہ ہے کہ غیر افطار اور سحری کے مسلسل روزے رکھے جائیں اور روزوں کی راتیں بھی بلا کھائے پئے گزریں، چونکہ اس طرح کے روزے سخت مشقت اور ضعف کا باعث ہوتے ہیں، اور اس کا قوی خطرہ ہوتا ہے کہ آدمی اتنا کمزور ہو جائے کہ دوسرے روزے فرض اور دوسری ذمہ داریوں کو ادا نہ کر سکے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے است کو اس طرح روزے رکھنے سے منع فرمایا ہے، لیکن خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال چونکہ یہ تھا کہ اس طرح روزے رکھنے سے آپ کی صحت اور توانائی میں کوئی خاص فرق نہیں آتا تھا اور آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک قسم کی غیر مادی غذا اور صحتِ قوت ملتی رہتی تھی اس لئے آپ خود ایسے روزے رکھتے تھے۔

(۵۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوِصَالِ فِي الصَّوْمِ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ إِنَّا نَكُونُ نَوَاصِلُ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَالْوَائِلِ وَأَبْكُ مِثْلِي إِنِّي أَبِيتُ يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِيْنِي

رواہ البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نصوم وصال سے لگد کہ منع فرمایا، تھیک صبا نے آپ سے عرض کیا کہ: - حضرت! آپ
نہ تو نصوم وصال رکھتے ہیں؟ - آپ نے فرمایا: - تم میں سے کوئی میری طرح ہے (یعنی
اس جلسے میں میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خاص معاملہ ہے جو دوسروں کے ساتھ نہیں ہے
اور وہ یہ ہے) میری حالت اس طرح گزرتی ہے کہ میرا رب مجھے کھانا پلا جاتا ہے (یعنی
مجھے عالم غیب سے غذا ملتی ہے) اس لئے اس معاملہ میں اپنے کو مجھ پر قیاس نہ کرو۔
(صحیح بخاری و مسلم)

(تشریح) اس مضمون کی حدیثیں الفاظ کے خفیف فرق کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن عمر
رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بھی مروی ہیں۔ ان تمام روایات سے یہ بات ظاہر
ہو کہ اس ممانعت کا مقصد اور نشانہ یہی تھا کہ اللہ کے بندے شفقت اور تکلیف میں مبتلا نہ ہوں
اور ان کی سمجھوں کو نقصان نہ پہنچے، بلکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں تو
یہ بات اور زیادہ صراحت کے ساتھ مذکور ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: -

ثُمَّ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ
تَرْمِزُ وَرُفْقَتُ كِي بِنَا يَوْمَ وَصَالٍ
رَحْمَةً لِّهَمَّةٍ - (بخاری و مسلم)

اور آگے دیکھنے والی حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث سے معلوم ہو گا کہ آپ نے نصوم وصال کا
شوق رکھنے والوں کو کمر تک کے وصال کی اجازت بھی دے دی تھی۔

(۹۶) عَنْ أَبِي سَبْعٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تُؤَاوِصُوا أَحَايَكُمْ لَّئِنْ تُوَاوِصْتُمْ
فَلْيُؤَاوِصْ حَتَّى السَّخَرِ قَالُوا فَإِذَا قُلْتُمْ يُؤَاوِصْ يَا رَسُولَ اللَّهِ
قَالَ لَسْتُ كَمَنْ يَفْتِكُمْ رَأَيْتُمْ أَيْبَتُ لِي مُنْطَعِمٌ فَلْيُؤَاوِصْ
وَسَاقِي يَسْقِيْنِي

(ترجمہ) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ ارشاد فرماتے تھے کہ: تم لوگ صوم وصال نہ رکھو اور جو کوئی (اپنے شوقِ ابدل کے واسطے) اور جذبہ کی بنا پر صوم وصال کھائی پئے تو وہ بس سحر تک رکھے (یعنی سحر سے سحر تک قریباً ۲۴ گھنٹے کا)۔ بعض صحابہ نے عرض کیا کہ:۔۔ آپ خود تو صوم وصال رکھتے ہیں؟۔۔ آپ نے فرمایا کہ:۔۔ (اس معاملے میں) میرا حال تمہارا سا نہیں ہے، میں اس طرح رات گزارتا ہوں کہ ایک کھلانے والا مجھے کھلاتا ہے اور ایک پلانے والا مجھے پلاتا ہے۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) ان حدیثوں میں صوم وصال کی راتوں میں اللہ تعالیٰ کے کھلانے اور پلانے کا جو ذکر ہے اس کی کوئی وضاحت اور خاص صورت احادیث سے معلوم نہیں ہوتی، بعض حضرات نے اس سے یہ سمجھا ہے کہ آپ کو صوم وصال میں خاص کرمات کے اوقات میں اللہ کا جو خاص الخاص قرب حاصل ہوتا تھا اس سے آپ کی روح اور قلب کو وہ طاقت اور توانائی ملتی تھی جو کھانے پینے کے قائم مقام ہو جاتی تھی، اس کی تعبیر روحانی غذا سے بھی کی جاسکتی ہے۔ اور بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب سمجھا ہے کہ صوم وصال کی راتوں میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت اور عالمِ غیب کے اکولات و مشروبات کھلائے پلائے جاتے تھے۔ لیکن یہ کھانا پینا اس عالم میں نہیں ہوتا تھا، اس وقت آپ کسی دوسرے عالم میں ہوتے تھے، ہم جیسے عوام خواجے کھانے پینے میں غور کر کے اس کو سمجھ سکتے ہیں۔

افطار کے لئے کیا چیز بہتر ہے؟:

(۹۸) عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ صَائِمًا فَلْيُفِطِرْ عَلَى التَّسْرِيفِ فَإِنَّ لَمْ يَجِدِ التَّمَرَ فَعَلَى الْمَاءِ

فَإِنَّ الْمَاءَ طَهُوْرٌ — رواہ احمد و ابوداؤد و الترمذی و ابن ماجہ و الدارمی —

(ترجمہ) حضرت سلمان بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو وہ کھجور سے افطار کرے، اگر کھجور نہ پائے تو پھر پانی ہی سے افطار کرے، اس لئے کہ پانی کو اللہ تعالیٰ نے طہور بنایا ہے۔

————— (مسند احمد، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند صحابی)

(تشریح) اہل عرب خاص طور سے اہل مدینہ کے لئے کھجور بہترین غذا تھی اور سہل الحصول اور ارزاں بھی تھی کہ غرباء اور فقراء بھی اس کو کھاتے تھے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے افطار کی ترغیب دی اور جس کو بروقت کھجور بھی نہ ملے اُس کو پانی سے افطار کی ترغیب دی، اور اس کی یہ مبارک خصوصیت بتائی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو طہور قرار دیا ہے۔ اس سے افطار کرنے میں ظاہر و باطن کی طہارت کی نیک فالی بھی ہے۔

(۹۹) عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

يُفْطِرُ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ عَلَى رُطَبَاتٍ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ

رُطَبَاتٍ فَتَمِيرَاتٍ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَمِيرَاتٍ فَحَسَا

حَسَوَاتٍ مِنْ مَّاءٍ ————— رواہ الترمذی و ابوداؤد

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مغرب کی نماز سے پہلے چند تر کھجوروں سے روزہ افطار فرماتے تھے، اگر تر کھجوریں بروقت

موجود نہ ہوتیں تو خشک کھجوروں سے افطار فرماتے تھے اور اگر خشک کھجوریں بھی نہ ہوتیں

تو چند گھونٹ پانی پی لیتے تھے ————— (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

افطار کی دُعا: —————

(۱۰۰) عَنْ مُعَاذِ بْنِ زُهْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَفْطَرَ قَالَ اللَّهُمَّ
لَكَ صُومْتُ وَعَلَى رِزْقِكَ أَفْطَرْتُ — رواه ابو داؤد
(ترجمہ) معاذ بن زہرہ تاہی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب روزہ افطار فرماتے تھے تو کہتے تھے: — اللَّهُمَّ
لَكَ صُومْتُ وَعَلَى رِزْقِكَ أَفْطَرْتُ (اے اللہ! میں نے تیرے ہی واسطے
روزہ رکھا اور تیرے ہی رزق سے افطار کیا۔) (سنن ابی داؤد)
(۱۰۱) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ إِذَا أَفْطَرَ قَالَ ذَهَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَّتِ
الْعُرُوقُ وَثَبَتَ الْآخِرُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ —

رواہ ابو داؤد

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم جب روزہ افطار فرماتے تھے تو کہتے تھے: — پیاس بجلی گئی، اور رگیں
(جو سوکھ گئی تھیں وہ) تر ہو گئیں، اور خدا نے چاہا تو اجر و ثواب قائم ہو گیا
(سنن ابی داؤد)

(تشریح) یعنی پیاس اور خشکی کا جو تکلیف ہم نے کچھ دیر ٹھائی وہ تو افطار
کرتے ہی ختم ہو گئی، اب نہ پیاس باقی ہے اور نہ رگوں میں خشکی، اور انشاء اللہ آسختہ کا
نہ ختم ہونے والا ثواب ثابت و قائم ہو گیا۔ یہ اللہ کے حضور میں آپ کا شکر بھی ہے
اور دوسروں کو تعلیم و تلقین بھی کہ روزہ داروں کا احساس اور اذعان یہ ہونا چاہیئے
مندرجہ بالا دونوں دعاؤں کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ افطار کے بعد یہ کلمات
کہتے تھے۔

بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افطار کے وقت دعا

کرتے تھے :- يَا وَاسِعَ الْفَضْلِ اِغْفِرْ لِي (اے وسیع فضل و کرم والے مالک! میری مغفرت فرما)۔

روزہ افطار کرانے کا ثواب : —————

(۱۰۲) عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فَطَرَ صَائِمًا أَوْ جَمَعَ غَازِيًا فَخَلَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ۔

————— رواہ بیہقی فی شعب الایمان و رواہ حمی السنۃ فی شرح السنۃ

(ترجمہ) حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جس کسی نے کسی روزہ دار کو غلطہ کرایا، یا کسی مجاہد کو جہاد کا سامان دیا (مثلاً اسلحہ وغیرہ) تو اس کو روزہ داماد و مجاہد کے مثل ہی ثواب ملے گا۔

————— (شعب الایمان للبیہقی و شرح السنۃ للنیوی)

(تشریح) اللہ تعالیٰ کے کریاۃ قوانین میں سے یہ بھی ایک قانون ہے کہ کسی نیک عمل کی ترفیع دینے والے اللہ اس میں مدد دینے والے کو بھی اس عمل کے کرنے والے کا سا ثواب عطا فرماتے ہیں۔ جو نا حقیقت شناس اللہ تعالیٰ کی شان کرم سے آشنا نہیں ہیں، انہی کو اس طرح کی بشارتوں میں شکوک و شبہات ہوتے ہیں۔۔۔ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ كَمَا اَشْكَيْتَ عَلٰی نَفْسِكَ۔

مسافرت میں روزہ : —————

قرآن مجید سنی و شافعی میں جس جگہ رمضان کے روزوں کی فرضیت کا اعلان کیا گیا ہے وہیں مریضوں اور مسافروں کو رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی گئی ہے، اور حکم دیا گیا ہے کہ وہ سفر اور بیماری کے بعد اپنے روزے پورے کریں اور وہیں بتا دیا گیا ہے کہ یہ اجازت اور صحت

بندوں کی سہولت اور آسانی کے لئے دی گئی ہے۔ ارشاد ہے: —————

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ اور جو تم میں سے رمضان کا عید پائے تو
فَلْيَصُمْهُ دَوْمَنْ كَانَ مَرِيضًا وہ اُس پورے عید کے روزے رکھے اور
أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ جو مریض ہو یا سفر میں ہو تو اس کے ذمہ
أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ دوسرے دنوں میں رمضان کے دنوں کی
الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ گنتی پوری کرتی ہے۔ اللہ کو تمہارے لئے
الْعُسْرَ سہولت اور آسانی منظور ہے تمہارے

واسطے دشواری نہیں چاہتا۔

(البقرہ ۱۸۵-۱۸۶)

اس آیت سے خود معلوم ہو گیا کہ یہ شخصت بندوں کی سہولت اور آسانی کے لئے اور تنگی اور دشواری سے ان کو بچانے کے لئے دی گئی ہے، اس لئے اگر کوئی شخص سفر میں ہونے کے باوجود روزے میں اپنے لئے کوئی خاص تکلیف اور دشواری محسوس نہ کرے تو وہ روزہ رکھ سکتا ہے اور چاہے تو شخصت پر عمل کر سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل چونکہ امت کے لئے اسوہ اور نمونہ ہے، اس لئے آپ نے کبھی سفر میں روزے رکھے اور کبھی قضا کئے تاکہ امتی اپنے حالات کے مطابق جس طریقے پر چاہیں عمل کر سکیں۔
اس سلسلے کے آپ کے ارشادات اور طرز عمل سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ سفر میں روزہ رکھنے سے اگر دوسرے ضروری کاموں کا حرج اور نقصان ہوتا ہو تو روزہ قضا کرنا بہتر ہے اور اگر ایسی بات نہ ہو تو پھر روزہ رکھنا بہتر ہے۔

(۱۰۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ حَمْزَةَ بْنَ عَمْرِوَ الْأَسْلَمِيَّ
قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصُومُ فِي السَّفَرِ
وَكَانَ كَثِيرَ الصِّيَامِ — فَقَالَ إِنَّ شِئْتَ فَصُمْ
وَلَا تَنْتَهِ فَافْطِرْ — رواه البخاری وسلم

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حمزہ بن عمرو سلمیٰ نے —
 جو بہت روزے رکھا کرتے تھے — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ
 میں سوچوں روزے رکھ لیا کروں؟ آپ نے فرمایا کہ: چاہو تو رکھو اور چاہو نہ رکھو۔
 (صحیح بخاری و مسلم)

(۱۰۴) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى مَكَّةَ فَصَامَ حَتَّى بَلَغَ
 عُسْفَانَ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَرَقَعَهُ إِلَى يَدِهِ لِإِذَا هُوَ النَّاسُ
 فَأَفْطَرَ حَتَّى قَدِمَ مَكَّةَ وَذَلِكَ فِي رَمَضَانَ —
 فَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُولُ قَدْ صَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَفْطَرَ فَمَنْ شَاءَ صَامَ وَمَنْ شَاءَ أَفْطَرَ۔
 رواہ البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں آپ برابر روزے
 رکھتے رہے، یہاں تک کہ آپ مقام عسفان تک پہنچ گئے (وہاں سے آپ نے
 روزے رکھنے چھوڑ دیئے، اور سب پر یہ بات واضح کر دینے کے لئے) آپ نے پانی
 ننگوا یا پھر آپ نے اُس پانی کو ہاتھ میں لیکر اوپر اٹھایا، تاکہ سب لوگ دیکھ سکیں (اس کے
 بعد آپ نے اس کو پیا) پھر کہہ چوٹے تک آپ نے روزے نہیں رکھے، اور یہ سب
 ماہ رمضان میں پیش آیا — تو ابن عباس (اسی بنا پر) کہہ کرتے تھے کہ:۔۔
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں روزے رکھے بھی ہیں اور قضا بھی کئے ہیں، تو
 (گنجائش ہے) کہ جس کا جی چاہے سفر میں روزے رکھے اور جس کا جی چاہے قضا کرے۔
 (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں مکہ کے جس سفر کا ذکر ہے یہ فتح مکہ والا سفر تھا جو رمضان میں ہوا تھا، اس میں آپ شروع میں روزے رکھتے رہے جب مقام عسفان پہنچے (جو مکہ منظر سے قریب ۳۵+۳۶ میل پہلے ایک چشمہ پڑتا تھا) اور وہاں سے مکہ صرف دو منزل رہ گیا، اور اس کا امکان پیدا ہو گیا کہ قریبی وقت میں کوئی مزاحمت یا معرکہ پیش آجائے تو آپ نے مناسب سمجھا کہ روزے نہ رکھے جائیں اس لئے آپ نے روزہ قضا کر دیا، اور سب کو دکھا کے پانی پیا تاکہ کسی کے لئے روزہ قضا کرنا گراں نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرز عمل سے معلوم ہوا کہ جب تک روزہ قضا کرنے میں کوئی ایسی مصلحت نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے، اسی لئے آپ نے عسفان تک برابر روزے رکھے، اگر بغیر کسی خاص مصلحت کے بھی سفر میں روزہ قضا کرنا ہی افضل ہوتا، تو آپ شروع سفر ہی سے قضا کرتے۔

اسی واقعہ کے بارے میں حضرت جابرؓ کی بھی ایک روایت صحیح مسلم میں ہے، اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ بعض لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرح بالاعلان روزہ قضا کرنے اور سب کو دکھا کر پانی پینے کے بعد بھی روزے جاری رکھے جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ بات آئی تو آپ نے فرمایا کہ: ”یہ لوگ خطا کار اور گنہگار ہیں“ (کیونکہ انھوں نے غشاء نبوی کے ظاہر ہونے کے بعد اس کی خلاف ورزی کی)، اگرچہ نادانستہ اور غلط فہمی سے کی، لیکن ”حسنات الابوار سیئات المقربین“

(۱۰۵) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِسِتِّ عَشْرَ مَضَتْ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ فَمِنَّا مَنْ صَامَ وَمِنَّا مَنْ أَفْطَرَ فَلَمْ يَعْيبِ النَّبِيُّ عَلَى الْمُفْطِرِ وَلَا عَلَى الْمُصْطِرِّ عَلَى

الضَّائِمِ _____ رواه مسلم

(ترجمہ) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم جہاد کے لئے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوٹھویں رمضان کو توہم میں سے بعض نے روزے رکھے اور بعض نے رخصت سفر کی بنا پر قضا کئے، تو نہ تو روزے رکھنے والوں نے قضا کرنے والوں پر اعتراض کیا اور نہ قضا کرنے والوں نے روزے رکھنے والوں پر اعتراض کیا (یعنی ہر ایک نے دوسرے کے طرز عمل کو جائز اور شریعت کے مطابق سمجھا) (صحیح مسلم)

(۱۰۶) عَنْ أَنَسٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي السَّفَرِ فَمِنَّا الصَّائِمُ وَمِنَّا الْمُفْطِرُ فَانْزَلَنَا مَنَزِلًا فِي يَوْمٍ حَارٍّ فَسَقَطَ الصَّوَامُونَ وَقَامَ الْمُفْطِرُونَ فَضَرَبُوا الْأَبْيَةَ وَسَقَوُا الرِّكَابَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَهَبَ الْمُفْطِرُونَ الْيَوْمَ بِالْأَجْرِ

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو ہم میں سے بعضے روزے رکھتے تھے اور بعضے روزے قضا کرتے تھے تو ایک دن جبکہ سخت گرمی تھی ہم ایک منزل پر اترے تو روزے رکھنے والے تو گر گئے اور پڑ گئے اور جو روزے قضا کرنے والے تھے وہ اٹھے، انھوں نے سب کے لئے خیمے لگائے اور سب کی سواریوں کو (یعنی سواری کے اونٹوں کو) پانی پلایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ آج روزے قضا کرنے والے ثواب مارے گئے۔ (یعنی انھوں نے ثواب زیادہ کمایا) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۱۰۷) عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَرَأَى زَحَامًا وَرَجُلًا قَدْ ظَلِلَ

عَلَيْهِ فَقَالَ مَا هَذَا؟ قَالُوا صَائِتُمْ فَقَالَ لَيْسَ

بَيْنَ الْبَيْنِ الصَّوْمُ فِي الشَّعْرِ ————— رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَسَلَّم

(ترجمہ) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے۔ آپ نے لوگوں کی بیڑ دیکھی اور ایک آدمی کو دیکھا جس پر سایہ کیا گیا تھا تو آپ نے فرمایا کہ: کیا معاملہ ہے؟۔ لوگوں نے عرض کیا کہ: یہ صاحبِ روزہ داری ہیں (ان کی حالت غیر عادی ہے اسلئے یہ سایہ کیا جا رہا ہے اور لوگ حسیع ہو گئے ہیں) آپ نے فرمایا: سفر کی حالت میں یہ روزہ تو کوئی منہ کی کا کام نہیں ہے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) آپ کا مطلب یہ تھا کہ جب سفر میں اللہ تعالیٰ نے روزہ قضا کرنے کی رخصت اور اجازت دی ہے اور میں خود بھی اس پر عمل کرتا ہوں تو پھر مسلمانوں میں سے کسی کا ایسے حال میں روزہ رکھنا کہ خود بھی گرجائیں اور دوسرے لوگ بھی ان کی دیکھ بھال میں لگ جائیں کئی نکتہ کی بات نہیں ہے، ایسی حالت میں تو رخصت پر عمل کر کے روزہ قضا کرنا ضروری ہے اور اسی میں اللہ کی رضا ہے۔

گر طمع خواہد ز من سلطان دیں : خاک بر فرق قناعت بعد ازین

فرض روزوں کی قضا:

(۱۰۸) عَنْ مُعَاذَةَ الْأَحَدَوِيَّةِ أَنَّهَا قَالَتْ لِعَائِشَةَ

مَا بَالُ انْتِهَايِصِ تَقْضِي الصَّوْمَ وَلَا تَقْضِي الصَّلَاةَ

قَالَتْ عَائِشَةُ كَانَ يُصِيبُنَا ذَالِكَ فَتَوُ مَرِيقَصَاءَ

الصَّوْمِ وَلَا نُو مَرِيقَصَاءَ الصَّلَاةِ ————— رَوَاهُ

(ترجمہ) معاذہ صدویہ (جو ایک تابعی خاتون ہیں) وہ بیان کرتی ہیں کہ انھوں نے

اہلِ مومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ:۔ یہ کیا بات ہے کہ
ایامِ حج میں جو روزے قضا ہوتے ہیں ان کی قضا کی جاتی ہے، اور جو نمازیں قضا
ہوتی ہیں ان کی قضا نہیں پڑھتی جاتی؟۔ اُم المومنین نے فرمایا کہ (بس اللہ و رسول کا
حکم ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جب ہم اس میں مبتلا ہوتے تھے
(اور اس کی وجہ سے ان دنوں میں روزہ نماز کچھ نہیں کر سکتے تھے) تو ہم کو ان دنوں کے
قضا شدہ روزے رکھنے کا تو حکم دیا جاتا تھا اور قضا نمازیں پڑھنے کا حکم نہیں
دیا جاتا تھا۔ (صحیح مسلم)

نفس کی خواہش سے بلا عذر شرعی فرض روزہ توڑنے کا کفارہ

(۱۰۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوسٌ
عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ
فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلَكْتُ قَالَ وَمَا لَكَ قَالَ
وَقَعْتُ عَلَى امْرَأَتِي وَأَنَا صَائِمٌ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تَحْدُ رَقَبَةً نَعْتِقُهَا
قَالَ لَا قَالَ فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَصُومَ شَهْرَيْنِ
مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ لَا قَالَ هَلْ تَحْدُ إِطْعَمَ سِتِّينَ
مِسْكِينًا قَالَ لَا قَالَ اجْلِسْ وَمَكَثَ النَّبِيُّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَيْنَا نَحْنُ عَلَى ذَلِكَ
أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْرِقُ فِيهِ
تَسْرُورًا وَعَرَفَ الْبِكَتَ انْقَضَ قَالَ آيُنَ

اَتَمَّ اِثْلٍ قَالَ اَنَا قَالَ خُذْ مِنْهَا فَتَصَدَّقْ بِهَا
فَقَالَ الرَّجُلُ اَعْلَى فَقَرَمَتْ يَارَسُولَ اللّٰهِ
قَوْلَ اللّٰهِ مَا بَيْنَ الْاَبْنَاءِ رِيْعًا رِيْعًا (مُحَوَّلِينَ) اَهْلُ
بَيْتٍ اَفْقَرُ مِنْ اَهْلِ بَيْتِي فَصَلِّ عَلَيْكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى يَدْكُ اَنْيَابُهُ ثُمَّ قَالَ اَطْلَعْنِي
اَهْلَكَ

رواہ البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ جبکہ ہم لوگ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ایک آدمی آپ کے پاس آیا
اور اُس نے عرض کیا :- یا رسول اللہ! میں تو ہلاک ہو گیا (یعنی میں ایک ایسا کام کر چکا ہوں
جس نے مجھے ہلاک و برباد کر دیا ہے) آپ نے فرمایا :- کیا ہو گیا؟ اُس آدمی نے کہا
میں نے روزہ کی حالت میں اپنی بیوی سے صیغہ کر لی (دوسری روایت میں ہے کہ یہ
رمضان کا واقعہ ہے) آپ نے فرمایا :- تو کیا تمہارے پاس وہ تمہاری ملکیت میں کوئی ٹھکانہ
جس کو تم اس غلطی کے کفارہ میں آزاد کر سکو؟ اُس آدمی نے کہا کہ نہیں! آپ نے فرمایا :-
تو پھر کیا تم یہ کر سکتے ہو کہ تمہارا وہ بیٹے کے روزے رکھو؟ اس نے عرض کیا کہ :- یہ بھی میرے
بس کی بات نہیں! آپ نے فرمایا :- تو کیا تمہارے پاس انسا ہے کہ ساتھ مسکینوں کو کھانا
کھلا سکو؟ اس نے عرض کیا کہ :- مجھے اس کی بھی قدرت نہیں۔۔۔۔۔ آپ نے فرمایا
تو بیٹے (یہ شاید اللہ تعالیٰ کوئی اسمیل تمہارے لئے پیدا کرے) ابوہریرہ کہتے ہیں کہ :-
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہیں تشریف فرما تھے اور آپ لوگ (آدمی) دیر حاضری کی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مجھ سے بہت تڑپا ہوا آیا، آپ نے
پکارا کہ :- سلطہ پوچھنے والا وہ آدمی کہہ رہے؟ اُس آدمی نے عرض کیا کہ میں حاضر ہوں
آپ نے فرمایا کہ :- اس شخص کے لئے لہذا دعا اپنی طرف سے صدقہ کر دو۔ اُس نے

نے اُن صاحبِ واقعہ صحابی کو کچھ روں کا جو بورا اس لئے عنایت فرمایا تھا کہ مساکین پر صدقہ کر کے وہ اپنا کفارہ ادا کریں، ان کے اس کہنے پر کہ مدینہ بھر میں مجھ سے اور میرے اہلِ مجال سے زیادہ حاجت مند کوئی بھی نہیں ہے۔ آپ نے اس کے بارے میں ان کو اجازت دے دی کہ اس کو اپنے ہی کام میں لے آئیں۔ اس کے بارے میں جمہورِ ائمہ کی رائے یہ ہو کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس طرح اُن کا کفارہ ادا ہو گیا، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی وقتی ضرورت اور حاجت مندی کا لحاظ کر کے اُن کچھ روں کو اپنے حشرِ ج میں لے آنے کی ان کو اُس وقت اجازت دے دی اور کفارہ ان کے ذمہ واجب رہا۔ اور مسئلہ یہی ہے کہ اگر رمضان کا روزہ کوئی ایسا آدمی اس طرح توڑ ڈالے جو نہ تو فی الوقت غلام آزاد کر سکتا ہو، نہ دو مہینے متواتر روزے رکھ سکتا ہو اور نہ افلاس و غربت کی وجہ سے ساتھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہو تو کفارہ اس کے ذمہ واجب رہے گا، وہ اس کی ادائیگی کی نیت رکھے اور جب کبھی اس کو استطاعت ہو وہ ساتھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ اور امامِ زہری وغیرہ بعض ائمہ کی رائے یہ ہے کہ عام شرعی قانون اور مسئلہ تو یہی ہو لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی کے ساتھ ایک طرح کا استثنائی معاملہ کیا اور ان کا کفارہ اسی طرح ادا ہو گیا۔ یہ واقعہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہی میں کسی قدر اختصاراً لکھا ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔ حافظ ابن حجر نے ”فتح الباری“ شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ بعض علمائے کبار نے (جن کو ہمارے اساتذہ اور شیوخ نے دیکھا ہے) ابو ہریرہؓ والی اس حدیث کی شرح دو جلدوں میں لکھی ہے اور دکھایا ہے کہ اس حدیث سے ایک ہزار علمی فائدے اور کتنے پیدا ہوتے ہیں۔

کن چیزوں سے روزہ خراب نہیں ہوتا:۔۔۔۔۔

بعض چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں شبہ ہو سکتا ہے کہ ان سے روزہ ٹوٹ

جانا ہوگا، یا اس میں کچھ خرابی آجاتی ہوگی۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے
 ہر شادات یا عمل سے واضح فرمایا ہے کہ ان چیزوں سے روزہ میں کوئی خرابی نہیں آتی۔
 اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھئے:۔

(۱۱۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَسِيَ وَهُوَ صَائِمٌ فَأَكَلَ أَوْ شَرِبَ
 فَلَبِثَهُ صَوْمُهُ فَإِنَّمَا أَطْعَمَهُ اللَّهُ وَسَقَاهُ۔
 رواه البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ، میں نے رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کو کچھ کھایا یا پی لیا، تو اس سے اس کا روزہ نہیں ٹوٹا، اس لئے (وہ طالعہ کے
 مطابق اپنا روزہ پورا کرے، کیونکہ اس کو اللہ نے کھلایا اور پلایا ہے) (اس نے خود ارادہ
 کر کے، روزہ نہیں توڑا ہے، اس لئے اس کا روزہ علیٰ حالہ ہے)

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۱۱۱) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ لَا يُفْطِرَنَّ الصَّائِمُ اِنْجَامَةً
 وَالْقَيْئُ وَالْإِحْتِلَامُ۔ رواه الترمذی

(ترجمہ) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اسی تین چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔
 بچنے گوانا، تھے ہو جانا اور احتلام۔ (جامع ترمذی)

(۱۱۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُبَاشَرَةِ لِلصَّائِمِ
 فَرَحَّصَ لَهُ وَأَنَّهُ أَخْرَفَ سَأَلَهُ فَنَهَاهُ فَوَازَ الَّذِي

تقاضے منسوب ہو کر کہیں جماع میں مبتلا نہ ہو جائے اس کو اس قسم کی باتوں سے روزے میں پورا پرہیز کرنا چاہئے۔ جیسا کہ اوپر کی بعض حدیثیں سے معلوم ہو چکا۔

نفل روزے:

نماز اور زکوٰۃ کی طرح روزوں کا ایک نصاب اور کورس تو اسلام کا رکن اور گویا شرط لازم قرار دی گئی ہے جس کے بغیر کسی مسلمان کی زندگی اسلامی زندگی نہیں بن سکتی، اور رمضان کے پورے مہینے کے روزے ہیں۔ اس کے علاوہ شریعت اسلام میں جو صلی تہیت اور تزکیہ کے لئے اور اللہ تعالیٰ کا خاص تقرب حاصل کرنے کے لئے دوسری نفل عبادات کی طرح نفل روزوں کی بھی تعلیم دی گئی ہے، اور بعض خاص دنوں اور تاریخوں کی خاص فضیلتیں اور برکتیں بیان فرما کے ان کے روزوں کی خصوصی ترغیب دی گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زبانی تعلیم و تلقین کے علاوہ اپنے عمل سے بھی اُمت کو ان نفل روزوں کی ترغیب دیتے تھے، لیکن اسی کے ساتھ آپ اس کی بھی پوری احتیاط فرماتے تھے کہ لوگ نفل روزوں میں جداعتل سے آگے نہ بڑھیں اور ان کا اہتمام اور پابندی فرض روزوں کی طرح نہ کریں بلکہ حدود اللہ کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنے فرائض کو فرائض کی طرح ادا کریں اور نوافل کو نوافل کے درجے میں رکھیں۔ اس مختصر تمہید کے بعد اس سلسلے کی حدیثیں

ذیل میں پڑھئے!:

(۱۱۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِكُلِّ شَيْئٍ زَكَاةٌ وَزَكَاةُ الْجَسَدِ الْحَتْمُ۔

رواہ ابن ماجہ

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر چیز کی کوئی زکوٰۃ ہے (جس کے نکالنے سے وہ چیز پاک ہو جاتی ہے) اور

جسم کی زکوٰۃ روزے میں ————— (سنن ابن ماجہ)

ماہ شعبان میں نفل روزوں کی کثرت:

(۱۱۸) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُ حَتَّى نَقُولَ لَا يُفْطِرُ وَيُفْطِرُ حَتَّى نَقُولَ لَا يَصُومُ وَمَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَكْمَلَ صِيَامَ شَهْرٍ قَطُّ إِلَّا رَمَضَانَ وَمَا رَأَيْتُهُ فِي شَهْرٍ آخَرٍ مِنْهُ صِيَامًا فِي شَعْبَانَ

رواہ البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور (نفلی روزوں کے بارے میں) یہ تھا کہ آپ (کبھی کبھی) مسلسل بلاناغہ روزے رکھنے شروع کرتے، یہاں تک کہ ہمیں خیال ہوتا کہ اب ناغہ ہی نہیں کریں گے، اور (کبھی اس کے برعکس ایسا ہوتا کہ) آپ روزے نہ رکھتے اور مسلسل بغیر روزے کے دن گزارتے، یہاں تک کہ ہمیں خیال ہوتا کہ اب آپ بلا روزے کے ہی رہا کریں گے۔ اور فرماتی ہیں حضرت صدیقہؓ کہ ————— میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے علاوہ کسی پورے مہینے کے روزے رکھے ہوں، اور میں نے نہیں دیکھا کہ آپ کسی مہینے میں شعبان سے زیادہ نفلی روزے رکھتے ہوں (اسی حدیث کی بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ آپ شعبان کے (قرینا) پورے مہینے ہی کے روزے رکھتے تھے)۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حدیث کے پہلے جز کا مطلب تو یہ ہے کہ نفلی روزوں کے بارے میں آپ کا کوئی لگا بندھا دستور معمول نہیں تھا، بلکہ کبھی آپ مسلسل بلاناغہ روزے رکھتے تھے، اور کبھی

مسلل بغیر روزے کے رہتے تھے بقصد یہ تھا کہ اُمت کے لئے آپ کی پیروی میں مشکل باورنگی نہ ہو بلکہ وسعت کا راستہ کھلا رہے، اور ہر شخص اپنے حالات اور اپنی ہمت کے مطابق آپ کے کسی روزہ کی پیروی کر سکے۔ دوسرے جز کا مطلب یہ ہے کہ آپ پورے اہتمام سے پورے مہینے کے روزے صرف رمضان کے رکھتے تھے (جو اللہ نے فرض کئے ہیں) ہاں شعبان میں دوسرے مہینوں کی نسبت زیادہ روزے رکھتے تھے۔ بلکہ اسی حدیث کی ایک روایت میں ہے کہ:-
 قریب قریب پورے مہینے شعبان کے روزے رکھتے تھے اور بہت کم دن ناغہ فرماتے تھے۔

ماہ شعبان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ فعلی روزے رکھنے کے کئی سبب و کئی حکمتیں بیان کی گئی ہیں جن میں سے بعض وہ ہیں جن کی طرف بعض حدیثوں میں بھی اشارہ ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت اسامہ بن زید کی ایک حدیث میں ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ:- اسی مہینے میں بارگاہِ اکہی میں بندوں کے اعمال کی پیشی ہوتی ہے، میں پسند کرتا ہوں کہ جب میرے اعمال کی پیشی ہو تو میں روزے سے ہوں۔

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث مروی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہ شعبان میں بہت زیادہ روزے اس لئے رکھتے تھے کہ پورے سال میں مرنے والوں کی فرست اسی مہینے میں ملک الموت کے حوالہ کی جاتی ہے، آپ چاہتے تھے کہ جب آپ کی وفات کے بارے میں ملک الموت کو احکام دیئے جا رہے ہوں تو اس وقت آپ روزے سے ہوں۔

اس کے علاوہ رمضان کا قرب اور اس کے خاص انوار و برکات سے مزید مناسبت پیدا کرنے کا شوق اور داعیہ بھی غالباً اس کا سبب اور محرک ہو گا، اور شعبان کے ان روزوں کو رمضان کے روزوں سے وہی نسبت ہوگی جو فرض نمازوں سے پہلے پڑھے جانے والے نوافل کو فرضوں سے ہوتی ہے، اور اسی طرح رمضان کے بعد شوال میں چھ فعلی روزوں کی تعلیم و ترغیب جو آگے درج ہونے والی حدیث میں آ رہی ہے، اس کو رمضان کے روزوں سے وہی نسبت ہوگی

جو فرض نمازوں کے بعد والی سنتوں اور نفلوں کو فرض میں سے ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

رمضان کے بعد شوال کے چھ روزے: —————

(۱۱۹) عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ ————— رواه مسلم

(ترجمہ) حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جس نے ماہ رمضان کے روزے رکھے اس کے بعد ماہ شوال میں چھ نفل روزے رکھے تو اس کا یہ عمل ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہوگا۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) رمضان کا مہینہ اگر ۲۹ ہی دن کا ہو تب بھی اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ۳ روزوں کا ثواب دیتے ہیں اور شوال کے ۶ نفل روزے شامل کرنے کے بعد روزوں کی تعداد ۳۶ ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے کریمانہ قانون ”الحسنة بعشر امثالها“ (ایک نیکی کا ثواب دس گنا) کے مطابق ۳۶ کا دس گنا ۳۶۰ ہو جاتا ہے اور پورے سال کے دن ۳۶۰ سے کم ہی ہوتے ہیں۔ پس جس نے پورے رمضان جبارک کے روزے رکھنے کے بعد شوال میں ۶ نفل روزے رکھے وہ اس حساب سے ۳۶۰ روزوں کے ثواب کا مستحق ہوگا۔ پس اگر وہ ثواب کے لحاظ سے یہ ایسا ہی ہوا جیسے کوئی بندہ سال کے ۳۶۰ دن برابر روزے رکھے۔

ہر مہینہ میں تین نفل روزے کافی ہیں: —————

(۱۲۰) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَامِرِ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَبْدَ اللَّهِ أَلَمْ أَخْبَرْ

اَنَّا نَصُومُ النَّهَارَ وَتَقُومُ اللَّيْلَ فَقُلْتُ بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ
قَالَ فَلَا تَفْعَلْ مِنْهُمْ وَافْطِرْ وَقُمْ وَكُنْ فَإِنَّ لِي سِدْرًا
عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِي زُجْجًا
عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِي زُورًا عَلَيْكَ حَقًّا. لَا صَامَ مَنْ
صَامَ الدَّهْرَ صَوْمَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ صَوْمَ الدَّهْرِ
كُلِّهِ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَأَقْرَأَ الْقُرْآنَ فِي كُلِّ
شَهْرٍ قُلْتُ إِنِّي أُطِيقُ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ قَالَ صُمْنَا أَفْضَلَ
الصَّوْمِ صَوْمَ دَاوُدَ صِيَامُ يَوْمٍ وَافْطَارُ يَوْمٍ وَأَقْرَأَ فِي
كُلِّ سَبْعٍ لَيَالٍ مَرَّةً وَلَا تَزِدْ عَلَى ذَلِكَ

رواہ البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ :- مجھے بتایا گیا ہے کہ تم نے یہ معمول بنا رکھا ہے کہ
تم ہمیشہ دن کو روزہ رکھتے ہو اور رات بھر نوافل پڑھتے ہو کیا واقعہ ایسا ہی ہے؟ میں نے
عرض کیا کہ :- ہاں حضرت! میں ایسا ہی کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا :- یہ سہ رقیہ چھوڑ دو
روزے بھی رکھا کرو اور ناغہ بھی کیا کرو، اسی طرح رات کو نماز بھی پڑھا کرو اور سویا بھی کرو
کیونکہ تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے (تمہیں اس کی اجازت نہیں ہے کہ جسم پر حد سے زیادہ
بوجھ ڈالو اور اس کے ضروری تقاضے بھی پورے نہ کرو) اسی طرح تمہاری آنکھ کا بھی تم پر
حق ہے (تم اس کو سونے اور آرام لینے کا موقع دو) اسی طرح تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے
اور تمہارے ملاقاتیوں و ممالوں کا بھی تم پر حق ہے (تم کو جائز نہیں کہ ان کی حق تلفی کر کے
اللہ کی عبادت کرو۔ سنو) جو ہمیشہ بلا ناغہ روزہ رکھے اس نے گویا روزہ رکھا ہی نہیں ہے
میں تین دن کے نفل روزے رکھ لینا ہمیشہ روزہ رکھنے کے حکم میں ہے اس لئے تم ہر مہینے

ہیں تین ہفتے لکھ لیا کرو، اسی ہفتے میں ایک قرآن پاک (تجدید میں) ختم کر لیا کرو۔ (عبد اللہ بن عمر روایت ہے) میں نے عرض کیا کہ: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں (اس لئے مجھے زیادہ کی اجازت مرحمت فرمائیے)۔ آپ نے فرمایا: تو پھر تم داؤد علیہ السلام کے روزوں کا طریقہ اختیار کر لو، اور وہ یہ کہ ایک دن روزہ اور ایک دن افطار (یعنی روزہ کا ناغہ) اور تجدید سات راتوں میں ایک قرآن ختم کر لیا کرو، اور اس سے زیادہ نہ کرو۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) عبد اللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ عنہ کا ذوق عبادت بہت بڑھا ہوا تھا وہ ہمیشہ دن کو روزہ رکھتے اور رات بھر نوافل پڑھتے اور اس میں روزانہ پورا قرآن مجید ختم کر لیتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ان کو وہ ہدایت فرمائی جو حدیث میں مذکور ہوئی اور ان کو عبادت میں اعتدال اور میانہ روی کا حکم دیا اور فرمایا کہ: تم پر اپنے جسم و جان اور اپنے اہل و عیال کی بھی ذمہ داریاں ہیں اور ان کی بھی رعایت اور ادائیگی ضروری ہے۔ آپ نے پہلے انھیں مینے میں تین نفلی روزے رکھنے اور تجدید میں پورے مینے میں ایک قرآن پڑھنے کیلئے فرمایا، اور جب انھوں نے عرض کیا کہ میں با آسانی اس سے زیادہ کر سکتا ہوں لہذا کچھ زیادہ کی مجھے اجازت دے دیجائے۔ تو آپ نے ان کو صوم داؤد کی (یعنی ہمیشہ ایک دن روزہ اور ایک دن افطار کی) اور ہفتے میں ایک قرآن مجید رات کے نوافل میں پورا کر لینے کی اجازت مرحمت فرمادی اور اس سے زیادہ کے لئے منع فرمادیا۔ لیکن اس حدیث ہی سے یہ بات ظاہر ہے کہ آپ کی ممانعت کا منشا یہ نہیں تھا کہ زیادہ عبادت کرنا کوئی بُری بات ہے، بلکہ یہ ممانعت بربنائے شفقت تھی (جس طرح چھوٹے بچوں کو زیادہ بوجھ اٹھانے سے منع کیا جاتا ہے) یہی وجہ ہے کہ ان کے یہ عرض کرنے پر کہ میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں آپ نے ان کو مینے میں تین روزوں کے بجائے صوم داؤد کی یعنی ۱۵ دن روزہ اور ۵ دن افطار کی اور مینے میں قرآن ختم کرنے کے بجائے ہفتے میں قرآن ختم کرنے کی اجازت دے دی۔ بلکہ ترمذی کی روایت کے مطابق بعد میں

صرف پانچ دن میں قرآن پاک ختم کرنے کی بھی اجازت دے دی تھی، اور بعض صحابہ کو حضورؐ نے تین دن میں قرآن ختم کرنے کی بھی اجازت دی ہے۔

(۱۲۱) عَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَيْفَ تَصُومُ؟ فَغَضِبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قَوْلِهِ، فَلَمَّا رَأَى عُمَرُ غَضَبَهُ قَالَ نَضِينَا بِاللَّهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ غَضَبِ اللَّهِ وَغَضَبِ رَسُولِهِ، فَجَعَلَ عُمَرُ يُرَدِّدُ هَذِهِ الْكَلَامَ حَتَّى سَكَنَ غَضَبُهُ، فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ مَنْ يَصُومُ الدَّهْرَ كُلَّهُ قَالَ لَا صِيَامَ وَلَا أَفْطَرَ أَوْ قَالَ لَمْ يَصُمْ وَلَمْ يُفْطِرْ قَالَ كَيْفَ مَنْ يَصُومُ يَوْمَيْنِ وَيُفْطِرُ يَوْمًا قَالَ وَيُطِيقُ ذَلِكَ أَحَدٌ قَالَ كَيْفَ مَنْ يَصُومُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمًا قَالَ ذَلِكَ مَبْنُومٌ دَاوُدُ قَالَ كَيْفَ مَنْ يَصُومُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمَيْنِ قَالَ وَدِدْتُ أَتَى طُؤُفْتُ ذَلِكَ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَمَضَانُ إِلَى رَمَضَانَ فَهَذِهِ أَصْيَامُ الدَّهْرِ كُلِّهِ وَصِيَامُ يَوْمٍ عَرَفَةَ اخْتَسِبَ عَلَى اللَّهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ وَالسَّنَةَ الَّتِي بَعْدَهُ وَصِيَامُ يَوْمٍ عَاشُورَاءَ اخْتَسِبَ عَلَى اللَّهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي

۱۔ جمع الغوامد میں مسند احمد اور کبیر طبرانی کے حوالہ سے سعید بن مسدد انصاریؒ کو اس کی اجازت مروی ہے۔

(جمع الغوامد ۲۶۹ جلد دوم)

قَبْلَهُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

(ترجمہ) حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اس نے حضورؐ سے پوچھا کہ: آپ روزے کس طرح رکھتے ہیں؟ (یعنی نفلی روزے رکھنے کے بارے میں آپ کا کیا معمول و دستور ہے؟) اس کے اس سوال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگواری ہوئی (یعنی چہرہ مبارک پر نگہ راوہ برہمی کے آثار ظاہر ہوئے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (جو حاضر تھے) جب آپ کی ناگواری کی کیفیت کو محسوس کیا تو کہا:۔

رَضِينَا بِاللَّهِ رَبًّا	ہم رضی ہیں اللہ کو اپنا رب مان کر
وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا	اور اسلام کو اپنا دین بن کر اور محمد
وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا	علیہ السلام کو نبی مان کر، اللہ کی پناہ
فَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ	اس کی ناراضی سے اور اس کے رسول
وَمِنْ غَضَبِ رَسُولِهِ۔	کی ناراضی سے۔

حضرت عمرؓ بار بار اپنی یہی بات دہراتے رہے، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج مبارک میں جو ناگواری پیدا ہو گئی تھی اس کا اثر زائل ہو گیا، تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! وہ شخص کیسا ہے جو ہمیشہ بلا ناغہ روزہ رکھے، اور اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ آپ نے فرمایا:۔ نہ اس نے روزہ رکھا نہ اٹھا کیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے عرض کیا:۔ اور اس آدمی کے بارے میں کیا ارشاد ہے جو دو دن روزے رکھے اور ایک دن ناغہ کرے یعنی بغیر روزے کے رہے؟ آپ نے فرمایا:۔ کیا کسی میں اسکی طاقت ہے؟ (یعنی یہ بہت مشکل ہے، ہمیشہ روزہ رکھنے سے بھی زیادہ مشکل ہے اس لئے اس کا ارادہ نہ کرنا چاہئے)۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا اور اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے:۔ جو ہمیشہ ایک دن روزہ رکھے اور ایک دن ناغہ کرے؟ آپ نے فرمایا:۔ یہ صوم داؤد ہے (یعنی حضرت

داؤد علیہ السلام جن کو اللہ نے غیر معمولی جسمانی قوت بخشی تھی ان کا معمول یہی تھا کہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن ناخاکرتے تھے (حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ :- اس آدمی کے ہاں میں کیا ارشاد ہے جو ایک دن روزہ رکھے اور دو دن ناخاکرے؟) اور اس طرح اوسطاً ہر مہینے میں دس دن روزہ رکھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ :- میرا بھی چاہتا ہے کہ مجھے اس کی طاقت عطا فرمائی جائے۔۔۔۔۔۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :- ہر مہینے کے تین نفلی روزے اور رمضان تا رمضان یہ (اجر و ثواب کے لحاظ سے) بیسٹہ روزہ رکھنے کے برابر ہے (لہذا جو صوم دہر کا ثواب حاصل کرنا چاہے وہ اس کو اپنا معمول بنالے) اور بوم عرفہ (۹ رذی الحجہ) کے روزے کے بارے میں میں امید کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے حکم سے کہ وہ صفائی کر دے گا اس سے پہلے سال کی اور بعد کے سال کی (یعنی اس کی برکت سے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کی گندگیاں دھل جائیں گی) - اور یوم عاشوراء (دار محرم) کے روزے کے بارے میں میں امید کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے کہ وہ صفائی کر دے گا اس سے پہلے سال کی۔۔۔۔۔۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) حدیث کا اصل مفہوم و مقصد تو ظاہر ہے لیکن چند ضمنی باتیں وضاحت طلب ہیں، انہی کے بارے میں کچھ عرض کیا جاتا ہے۔

حدیث کے بالکل شروع میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ :- آپ کس طرح روزے رکھتے ہیں؟ (یعنی نفلی روزوں کے بارے میں خود آپ کا معمول اور طریقہ کیا ہے) آپ کو اس سوال پر ناراضی اور ناگواری ہوئی۔۔۔۔۔۔ یہ ناراضی اور ناگواری ایسی ہی تھی جیسی شفیق اُمتاذاورمُرتبی کو کسی شاگرد اور زیر تربیت طالب و مرید کے غلط اور نامناسب سوال سے ہوتی ہے۔ سوال کرنے والے کو اصل بات دریافت کرنی چاہیے تھی یہ پوچھنا چاہئے تھا کہ میرے لئے نفلی روزوں کے بارے میں کیا طرز عمل مناسب ہے؟ اس نے بجائے اس کے حضورؐ کا معمول دریافت کیا تھا۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندگی کے

بہت سے شعبوں میں اُن بہت سے اسباب کی بنا پر جو آپ کے منصب نبوت اور مصالح اُمت سے تعلق رکھتے تھے ایسا طرز عمل بھی اختیار فرماتے تھے جس کی تقلید ہر ایک کے لئے مناسب نہیں ہے اس لئے سائل کو آپ کا معمول دریافت کرنے کے بجائے اصل مسئلہ دریافت کرنا چاہئے تھا۔

استاذ اور مربی کی اس طرح کی ناگواری بھی دراصل تربیت ہی کا ایک جز ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سوال سے حضور کی ناگواری کو محسوس کر کے کُل مسلمانوں کی طرف سے عرض کیا: ”رَضِينَا بِاللّٰهِ رَجَاءً وَبِالْاِسْلَامِ دِينًا وَبِصَلَاتِنَا نَبِيًّا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَغَضَبِ رَسُوْلِهِ“۔ اس کے بعد آپ نے فضلی روزوں میں ہی کے بدلے میں صحیح طریقے پر سوالات کئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جوابات میں ممت فرائض جو شخص ہمیشہ بلا ناغہ روزہ رکھے اس کے بارے میں آپ نے جو یہ فرمایا کہ: ”كَاصِمًا“ و”كَافِطًا“ (نہ اس نے روزہ رکھا نہ افطار کیا) اس سے آپ کا مقصد نا پسندیدگی کا اظہار اور مطلب یہ ہے کہ یہ غلط ہے، نہ صوم ہے نہ افطار ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوالات کے جوابات کے بعد آپ نے اپنی طرف سے جو مزید فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ روزہ کے باب میں عام مسلمین کے لئے بس اتنا کافی ہے کہ وہ رمضان کے فرض روزے رکھا کریں، اس کے علاوہ ہر مہینے میں تین فضلی روزے رکھ لیا کریں جو ”الحسنة بعشر امثالها“ کے حساب سے ثواب میں تیس روزوں کے برابر ہوں گے اور اس طرح ان کو ”صوم دہر“ کا ثواب مل جائے گا۔ مزید نفع مندی اور کمائی کے لئے یوم عرفہ اور یوم عاشوراء کے دو روزے بھی رکھ لیا کریں۔ حضور نے اُمید ظاہر فرمائی کہ ربّ کریم کے کرم سے مجھے اُمید ہے کہ یوم عرفہ کا روزہ ایک سال پہلی اور ایک سال بعد کی خطا کاریوں کا اور یوم عاشوراء کا روزہ پہلے سال کی غلط کاریوں کا کفارہ بن جائے گا۔ واضح رہے کہ عرفہ کے دن جو اصل حج کا دن ہے روزہ کی یہ فضیلت اور ترغیب غیر حاجیوں کے لئے ہے، حاجیوں کی اس دن کی خاص الخاص اور مقبول ترین عبادت

میدانِ عرفات کا وقوف ہے جس کے لئے ظہر و عصر کی نماز مختصر اور ایک ساتھ پڑھ لینے کا حکم ہے اور ظہر کی سنتیں بھی اُس دن چھوڑ دینے کا حکم ہے، اگر حاجی لوگ اُس دن روزہ رکھیں گے تو ان کے لئے عرفات میں وقوف اور آفتاب غروب ہوتے ہی مزدلفہ کو چل دینا مشکل ہوگا، اس لئے حاجیوں کے لئے عرفہ کے دن روزہ رکھنا پسندیدہ نہیں ہے (بلکہ ایک حدیث میں ممانعت بھی وارد ہوئی ہے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اپنے عمل سے بھی اسی کی تعلیم اُمت کو دی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے عرفہ کے دن ٹھیک اُس وقت جبکہ آپ میدانِ عرفات میں اپنے اونٹ پر تھے اور وقوف فرما رہے تھے سب کے سامنے دودھ نوش فرمایا تاکہ سب دیکھ لیں کہ آج آپ روزہ سے نہیں ہیں۔

غیر حاجیوں کے لئے یومِ عرفہ کا روزہ دراصل اس دن کی ان رحمتوں اور برکتوں میں شریک اور حصّہ دار ہونے ہی کے لئے ہے جو عرفات میں حجاج پر نازل ہوتی ہیں، اور اس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اللہ کے جو صاحبِ ایمان بندے حج میں شریک نہیں ہیں وہ اس پورے دن روزہ رکھ کر اس دن کی خاص الخاص رحمتوں اور برکتوں میں کسی درجے کا حصّہ لے لیں۔ اسی طرح یومِ النحر یعنی بقرہ عید کے دن غیر حاجیوں کو قربانی کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا راز بھی یہی ہے، واللہ اعلم۔

یومِ عاشوراء کا روزہ نفلی روزوں میں اس لحاظ سے سب سے زیادہ اہم ہو کہ رمضان مبارک کے روزوں کی فرضیت سے پہلے وہی فرض تھا۔ جب رمضان کے روزے فرض کئے گئے تو اس کی فرضیت منسوخ ہو گئی اور صرف نفلی درجہ رہ گیا۔ اس کے بارے میں احادیث آگے مستقل عنوان کے تحت انشاء اللہ درج ہوں گی۔

مہینہ کے تین روزوں کے بارے میں رسول اللہ کا معمول :-

(۱۲۲) عَنْ خَفْصَةَ قَالَتْ أَذْبَعُ لَمْ تَكُنْ يَدُ عُمِّكَ النَّبِيِّ

(تشریح) بعض روایات میں ہر مہینے کے شروع میں تین روزے رکھنے کا حکم
کا معمول ذکر کیا گیا ہے۔ اور بعض روایات میں مہینہ کی تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں کا،
اور بعض روایات میں ہفتہ کے خاص خاص تین دنوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے لیکن حضرت عائشہ
صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس بیان سے جیسا کہ معلوم ہوا ان میں سے کوئی بھی آپ کا دوامی
معمول نہیں تھا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ آپ کو سفر اور اس کے علاوہ بھی دوسری چیزیں
بکثرت پیش آتی رہتی تھیں جن کی وجہ سے آپ کے لئے خاص تاریخوں یا دنوں کی پابندی
مناسب نہیں تھی۔ دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ آپ کا خاص تاریخوں اور خاص دنوں میں ہمیشہ
روزے رکھنا اُمت کے مختلف احوال لوگوں کے لئے باعثِ زحمت ہوتا اور اس سے بظاہر
بھی ہو سکتی تھی کہ یہ روزے واجبات میں سے ہیں۔ الغرض اس طرح کی مصلحتوں کی وجہ سے
آپ خود خاص تاریخوں اور دنوں کی پابندی نہیں فرماتے تھے، اور آپ کے حق میں یہی
افضل اور اولیٰ تھا، لیکن صحابہ کرام کو آپ مہینے کے تین دن کے روزوں کے سلسلے میں اکثر
ایام بیض (۱۳، ۱۴، ۱۵، تاریخ) کی ترغیب دیتے تھے جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیثوں سے
معلوم ہوگا۔

ایام بیض کے روزے:

(۱۲۴) عَنْ ابْنِ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا ذَرٍّ إِذَا صُمْتَ مِنَ الشَّهْرِ ثَلَاثَةً
أَيَّامٍ فَصُمْتَ ثَلَاثَ عَشْرَةٍ وَأَرْبَعَ عَشْرَةٍ وَخَمْسَ عَشْرَةٍ.

رواہ الترمذی والبیہقی

(ترجمہ) حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ: اے ابو ذر! جب تم مہینے کے تین روزے رکھو تو تیرھویں،

پودھوں، پندرھویں کے روزے رکھا کرو — (جامع ترمذی، سنن نسائی)
 (قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث سنن نسائی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ
 سے بھی مروی ہے، اس میں ہے کہ آپ نے حضرت ابو ہریرہ کو بھی یہی ہدایت فرمائی تھی)۔
 (۱۲۵) عَنْ قَتَادَةَ بْنِ مِلْحَانَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُنَا أَنْ نَصُومَ الْبَيْضَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ وَأَرْبَعَةَ
 عَشْرَةَ وَخَمْسَ عَشْرَةَ وَقَالَ هُوَ كَهَيْئَةِ الْكَهْرِ۔
 رواہ ابوداؤد والنسائی

(ترجمہ) حضرت قتادہ بن ملحان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 ہم لوگوں کو حکم فرماتے تھے کہ ہم ایام بیض یعنی مہینہ کی تیرھویں، پودھوں، پندرھویں کو
 روزہ رکھا کریں۔ اور فرماتے تھے کہ جیسے کے ان تین دنوں کے روزے رکھنا اجر و ثواب کے
 لحاظ سے ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہے۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

(تشریح) یہاں تک جو حدیثیں درج ہوئیں ان سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ
 ہر مہینے تین نفلی روزے رکھنے والا صاحب ایمان بندہ ”الحسنة بعشر امثالها“ کے
 کر یا د قانون کے حساب سے مہینے کے تیس دن یعنی ہمیشہ صومے رکھنے کے ثواب کا مستحق ہوگا۔
 دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ یہ روزے تیرھویں، پودھوں، پندرھویں رکھے
 جائیں۔ چوتھی بات یہ معلوم ہوئی کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اہم دینی مصالح کی وجہ
 سے جن کا ذکر اوپر کیا گیا۔ ان تاریخوں کی پابندی نہیں فرماتے تھے، اور آپ کے حق میں یہی
 افضل اور اولیٰ تھا۔

یوم عاشورہ کا روزہ اور اس کی تاریخی اہمیت: —

اوپر جو حدیثیں ہر مہینے میں تین دن کے نفلی روزوں کے بارے میں درج ہوئیں ان میں

بھی بعض میں یوم عاشورہ کے روزے کی فضیلت اور اس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصی اہتمام و پابندی کا ذکر ضمناً آچکا ہے۔ ذیل میں چند حدیثیں درج کی جا رہی ہیں جو خاص اسی سے متعلق ہیں، اور جن سے اس دن کی خصوصیت اور تاریخی اہمیت بھی معلوم ہوگی۔

(۱۲۶) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَ الْمَدِينَةَ فَوَجَدَ الْيَهُودَ صِيَامًا يَوْمَ عَاشُورَاءَ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا هَذَا الْيَوْمَ الَّذِي تَصُومُونَ فَقَالُوا هَذَا يَوْمٌ عَظِيمٌ أَنْجَى اللَّهُ فِيهِ مُوسَى وَقَوْمَهُ وَغَرَّقَ فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهُ فَصَامَهُ مُوسَى شُكْرًا فَخَفَعْنَا نَصُومُهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَنُّ أَحَقُّ وَأَوْلَى بِمُوسَى مِنْكُمْ فَصَامَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ۔
رواہ البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو آپ نے یہود کو یوم عاشورہ (۱۰ محرم) کا روزہ رکھتے دیکھا۔ آپ نے ان سے دریافت کیا (تمہاری مذہبی تعلیمات) یہ کیا خاص دن ہے (اور اس کی کیا خصوصیت اور اہمیت ہے) کہ تم اس کا روزہ رکھتے ہو؟۔ انھوں نے کہا کہ :- ہمارے ہاں یہ بڑی عظمت والا دن ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو نجات دی تھی اور فرعون اور اس کے لشکر کو غرقاب کیا تھا تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے اس انعام کے شکر میں اس دن کا روزہ رکھا تھا اس لئے ہم بھی (ان کی پیروی میں) اس دن روزہ رکھتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- اللہ کے پیغمبر موسیٰ سے ہمارا تعلق تم سے زیادہ ہے

اور ہم اس کے زیادہ حقدار ہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی عاشورہ کا روزہ رکھا اور امت کو بھی اس دن کے روزے کا حکم دیا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مدینہ پہنچ کر ہی عاشورہ کے دن روزہ رکھنا شروع فرمایا۔ حالانکہ صحیح بخاری و صحیح مسلم ہی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی صریح روایت موجود ہے کہ قریش مکہ میں قبل از اسلام بھی یوم عاشورہ کے روزے کا رواج تھا اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہجرت سے پہلے مکہ مظہ میں یہ روزہ رکھا کرتے تھے پھر جب آپ نے مدینہ ہجرت فرمائی تو یہاں آکر آپ نے خود بھی یہ روزہ رکھا اور مسلمانوں کو اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ یوم عاشورہ زمانہ جاہلیت میں قریش مکہ کے نزدیک بھی بڑا محترم دن تھا اسی دن خانہ کعبہ پر نیا غلاف ڈالا جاتا تھا اور قریش اس دن روزہ رکھتے تھے قیاس یہ ہے کہ حضرت ابراہیم و اسماعیلؑ کی کچھ روایات اس دن کے بارے میں اُن تک پہنچی ہوں گی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ قریش ملت ابراہیمی کی نسبت سے جو اچھے کام کرتے تھے اُن میں آپ اُن سے اتفاق اور اشتراک فرماتے تھے۔ اسی بنا پر حج میں بھی شرکت فرماتے تھے۔ پس اپنے اس اصول کی بنا پر آپ قریش کے ساتھ عاشورہ کا روزہ بھی رکھتے تھے، لیکن دوسروں کو اس کا حکم نہیں دیتے تھے۔ پھر جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے اور یہاں کے یہود کو بھی آپ نے عاشورہ کا روزہ رکھنے دیکھا اور اُن سے آپ کو یہ معلوم ہوا کہ یہ وہ مبارک تاریخی دن ہے جس میں حضرت موسیٰؑ اور ان کی قوم کو اللہ نے نجات عطا فرمائی تھی اور فرعون اور اس کے لشکر کو غرقاب کیا تھا (اور منہ لہم وغیرہ کی روایت کے مطابق اسی یوم عاشورہ کو حضرت نوحؑ کی کشتی جو دی پہاڑ پر لگی تھی) تو آپ نے اس دن کے

روزے کا زیادہ اہتمام فرمایا، اور مسلمانوں کو عمومی حکم دیا کہ وہ بھی اس دن روزہ رکھا کریں۔ بعض احادیث میں ہے کہ آپ نے اس کا ایسا تاکید فرمایا کہ دیا جیسا حکم فراموش اور واجبات کے لئے دیا جاتا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں رُتبع بنتِ مُعَوِذ بن عَفْرَاؤ اور سلمہ بن ہلالہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم عاشورہ کی صبح مدینہ کے آس پاس کی اُن بیٹیوں میں جن میں انصار رہتے تھے یہ اطلاع بھجوائی کہ جن لوگوں نے ابھی کچھ کھایا یا پینا ہو وہ آج کے دن روزہ رکھیں، اور جنہوں نے کچھ کھاپی لیا ہو وہ بھی دن کے باقی حصے میں کچھ نہ کھائیں پیئیں، بلکہ روزہ داروں کی طرح رہیں۔ ان حدیثوں کی بنا پر بہت سے ائمہ نے یہ سمجھا ہے کہ شروع میں عاشورہ کا روزہ واجب تھا، بعد میں جب رمضان مبارک کے روزے فرض ہوئے تو عاشورہ کے روزے کی فرضیت منسوخ ہو گئی اور اس کی حیثیت ایک نفلی روزے کی رہ گئی جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی اوپر گزر چکا ہے کہ ”مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اس کی برکت سے پہلے ایک سال کے گناہوں کی صفائی ہو جائے گی۔“ اور صوم یوم عاشورہ کی فرضیت منسوخ ہو جانے کے بعد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہی رہا کہ آپ رمضان المبارک کے فرض روزوں کے علاوہ سب سے زیادہ اہتمام نفلی روزوں میں اسی کا کرتے تھے۔

(۱۲۷) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَحَرَّى صِيَامَ يَوْمٍ فَضَّلَهُ عَلَى غَيْرِهِ إِلَّا هَذَا الْيَوْمَ بِكُمْ هَاشُورَاءَ وَهَذَا الشَّهْرَ يَعْنِي

شَهْرَ رَمَضَانَ رواہ بخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نہیں دیکھا کہ آپ کسی فضیلت والے دن کے روزے کا بہت زیادہ اہتمام اور نگر کرتے ہوں ہوئے اس دن یوم عاشورہ کے اور سوائے اس ماہِ مُبَارَکِ رمضان کے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات شریف سے کچھ ہی پہلے فرمائی، اتنی پہلے کہ اس کے بعد محرم کا مہینہ آیا ہی نہیں، اور اس لئے اس نے فیصلہ پر عمل درآمد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں نہیں ہوسکا، لیکن اُمت کو رہنمائی مل گئی کہ اس طرح کے اشتراک اور تشابہ سے بچنا چاہئے۔ چنانچہ اسی مقصد سے آپ نے یہ طے فرمایا کہ انشاء اللہ آئندہ سال سے ہم نویں کاروزہ رکھیں گے۔ نویں کو روزہ رکھنے کا آپ نے جو فیصلہ فرمایا اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، اول علماء، اُنے دو زولاً بیان کئے ہیں :- ایک یہ کہ آئندہ سے ہم بجلتے دسویں محرم کے یہ روزہ نویں محرم ہی کو رکھا کریں گے اور دوسرا یہ کہ آئندہ سے ہم دسویں محرم کے ساتھ نویں کا بھی روزہ رکھا کریں گے، مگر اس طرح سے ہمارے اور یہود و نصاریٰ کے طرز عمل میں فرق ہو جائے گا۔ اکثر علماء نے اسی دوسرے مطلب کو ترجیح دی ہے اور یہ کہنا ہے کہ یوم عاشورہ کے ساتھ اس سے پہلے نویں کا روزہ بھی رکھا جائے اور اگر نویں کو کسی وجہ سے نہ رکھا جاسکے تو اس کے بعد کے دن کیا رکھیں گے اور کیا جائے۔

یہ عاجز عرض کرنا ہے کہ ہمارے زمانہ میں چونکہ یہود و نصاریٰ وغیرہ یوم عاشورہ (دسویں محرم) کو روزہ نہیں رکھتے، بلکہ ان کا کوئی کام بھی قمری مہینوں کے حساب سے نہیں ہوتا، اس لئے اب کسی اشتراک اور تشابہ کا سوال ہی نہیں رہا، لہذا فی زمانہ ارفع تشابہ کے لئے نویں یا گیارہویں کا روزہ رکھنے کی ضرورت نہ رہی چاہئے۔ واللہ اعلم۔

عشرہ ذی الحجہ اور یوم العرفہ کا روزہ :-

(۱۲۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ أَتَمِّمَا أَحَبَّ إِلَى اللَّهِ أَنْ يُتَعَبَّدَ فِيهِمَا مِنْ عَشْرِ ذِي الْحِجَّةِ يَعْدِلُ صِيَامُ كُلِّ يَوْمٍ بِصِيَامِ سَنَةٍ وَقِيَامُ كُلِّ لَيْلَةٍ بِصِيَامِ عَشْرَةِ لَيَالٍ

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔۔۔ دنوں میں سے کسی دن میں بھی بندے کا عبادت کرنا اللہ تعالیٰ کو اتنا محبوب نہیں جتنا کہ عشرہ ذی الحجہ میں محبوب ہے۔ یعنی ان دنوں کی عبادت اللہ تعالیٰ کو دوسرے تمام دنوں سے زیادہ محبوب ہے) اس عشرہ کے ہر دن کا روزہ سال بھر کے روزوں کے برابر ہے، اور اس کی ہر رات کے نوافل شب قدر کے نوافل کے برابر ہیں۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) اس سے پہلے بھی ایک حدیث میں ضمنی طور پر عشرہ ذی الحجہ کے نفلی روزوں کا ذکر آچکا ہے اور وہاں یہ وضاحت کی جا چکی ہے کہ اس سے مراد تیمم ذی الحجہ سے نویں ذی الحجہ تک کے ۹ دن ہیں۔ کیونکہ عید کے دن تو روزہ رکھنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

(۱۳) عَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صِبْأُ يَوْمِ عَرَفَةَ إِنِّي أَخْتَصِبُ عَلَى اللَّهِ أَنْ يُكَلِّمَنِي السَّمَاءُ أَلَيْسَ رَجُلٌ هَذَا لَشَيْءٍ أَجَبُهُ اللَّهُ — رواه الترمذی

(ترجمہ) حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: بس اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ عرفہ کے دن کا روزہ اس کے بعد والے سال اور پہلے والے سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) حضرت ابو قتادہ کی ایک طویل حدیث صحیح مسلم کے حوالہ سے زیر عنوان ”ہر مہینہ کے تین نفلی روزے“ پہلے گزر چکی ہے اس میں یہ مضمون بھی قریب قریب انہی الفاظ میں چکا ہے اور وہاں دوسری احادیث کی روشنی میں یہ وضاحت بھی کی جا چکی ہے کہ یوم عرفہ کے روزہ کی فضیلت اور ترغیب ان حجاج کے لئے نہیں ہے جو ادا حج کے لئے عرفہ کے دن میدان عرفات میں حاضر ہوں ان کے لئے وہاں روزہ نہ رکھنا افضل ہے۔ اور وہیں اس کی حکمت بھی بیان کی جا چکی ہے۔

(فائدہ) بعض لوگ ایسی حدیثوں میں شک کرنے لگتے ہیں جن میں کسی عمل کا ثواب اور شرہ

ان کے خیال کے لحاظ سے بہت زیادہ اور غیر معمولی بیان کیا گیا جو جس طرح کہ اس حدیث میں عرس کے روزے کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ: "اس کی برکت سے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کے معاف ہو جانے کی امید ہے"۔ اس شک کی بنیاد اور اجماع الراجحین کی رحمت و کرم کی وسعت سے نا آشنائی ہے۔ اللہ تعالیٰ انتہائی کریم اور مختار مطلق ہے جس دن کے جس عمل کی اپنے کرم سے جتنی بڑی چاہے قیمت مقرر فرمائے۔ سال کی ایک رات "لیلۃ القدر" کو اس نے "خیر من الف شهر" ہزار مہینوں یعنی فریبتیس ہزار دنوں اور راتوں سے بہتر قرار دیا ہے، یہ اس کی کوئی ہے۔ الغرض جب حدیث صحیح ہو تو اس طرح کے دس دس سوئوں کو نہ ہونے چاہئیں۔

پندرہویں شعبان کا روزہ:

(۱۳۱) عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ التَّصَفِّ مِنْ شَعْبَانَ فَخُذُوا لَبَّاءَ وَصُومُوا لَهَا رَهًا فَإِنَّ اللَّهَ يَنْزِلُ فِيهَا الْعُرُوبُ الشَّمْسُ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَقُولُ أَلَا مِنْ تَسْتَغْفِرُ فَأَغْفِرْ لَهُ أَلَا تُسْتَزَرُّ فَزِدْهُ أَلَا مُبْتَلًى فَاغْفِرْ لَهُ أَلَا كَذَّابٌ أَحْسَى يَطْلَعُ الْفَجْرُ۔

۔ رواہ ابن ماجہ

(ترجمہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب شعبان کی پندرہویں رات آئے تو اس رات میں اللہ کے حضور میں نوافل پڑھو اور اس دن کو روزہ رکھو کیونکہ اس رات میں آفتاب غروب ہوئے ہی اللہ تعالیٰ کی خاص جلی اور رحمت پہلے آسمان پر اتر آتی ہے اور وہ ارشاد فرماتا ہے کہ: کوئی بندہ ہے جو مجھ سے مغفرت اور بخشش طلب کرے اور میں اس کی مغفرت کا فضل کروں، کوئی بندہ ہے جو روزہ

مانگے اور میں اس کو روزی دینے کا فیصلہ کروں، کوئی ابتلائے مصیبت بندہ ہے جو مجھ سے
صحت و عافیت کا سوال کرے اور میں اس کو عافیت عطا کروں، اسی طرح مختلف قسم کے
 حاجت مندوں کو اللہ پرکارتا ہے کہ وہ اس وقت مجھ سے اپنی حاجتیں مانگیں اور میں عطا کروں۔
غروب آفتاب سے لیکر صبح صادق تک اللہ تعالیٰ کی رحمت اسی طرح اپنے بندوں کو اس رات
میں بکارتی رہتی ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

(تشریح) اسی حدیث کی بنا پر اکثر بلاد اسلامیہ کے دیندار حلقوں میں پندرہویں شعبان
کے نفلی روزے کا رواج ہے، لیکن محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حدیث سند کے لحاظ سے نہایت
ضعیف قسم کی ہے اس کے ایک راوی ابو بکر بن عبد اللہ کے متعلق ائمہ جرح و تعدیل نے یہاں تک
کہا ہے کہ وہ حدیثیں وضع کیا کرتا تھا۔

پندرہویں شعبان کے روزہ کے متعلق تو صرف یہی ایک حدیث روایت کی گئی ہے، البتہ
شعبان کی پندرہویں شب میں جمادات اور دعا و استغفار کے متعلق بعض کتب حدیث میں اور بھی
متعدد حدیثیں مروی ہیں لیکن ان میں کوئی بھی ایسی نہیں ہے جس کی سند محدثین کے اصول و معیار
کے مطابق قلیل اعتبار ہو، مگر چونکہ یہ متعدد حدیثیں ہیں اور مختلف صحابہ کرام سے مختلف سندوں سے
روایت کی گئی ہیں اس لئے ابن الصلاح وغیرہ بعض اکابر محدثین نے لکھا ہے کہ غالباً اس کی
کوئی بنیاد ہے۔ واللہ اعلم

خاص دنوں میں نفلی روزے:

جس طرح اب تک کی درج ہونے والی حدیثوں میں سال کے بعض متعین مہینوں اور
مہینوں کی بعض مخصوص تاریخوں میں نفلی روزے رکھنے کی خاص ترغیب دی گئی ہے اسی طرح
ہفتہ کے بعض مخصوص دنوں کے لئے بھی یہ ترغیب دی گئی ہے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے عمل سے بھی اس بارے میں اطمینان ملتی ہے۔

(۱۳۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعْرِضُ الْأَعْمَالُ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْاِثْنَيْنِ فَأُحِبُّ أَنْ يُعْرَضَ عَمَلِي وَأَنَا صَائِمٌ ————— (رواه الترمذی)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پیر کو اور جمعرات کو اعمال کی ایک پیشی ہوتی ہے میں یہ جانتا ہوں کہ جب یہ عمل کی پیشی ہو تو میں اس دن روزہ سے ہوں ————— (جامع ترمذی)

(۱۳۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْاِثْنَيْنِ .

————— (رواه الترمذی والنسائی)

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھا کرتے تھے۔

————— (جامع ترمذی، سنن نسائی)

(۱۳۴) عَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ فَقَالَ بَيْتُهُ قُلْدَتْ وَفِيهِ أُتِرِلَ عَلَيَّ ————— (رواه مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیر کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں سوال کیا گیا، تو آپ نے فرمایا کہ:۔ میں پیر ہی کے دن پیدا ہوا، اور پیر ہی کے دن سے مجھ پر قرآن کا نزول شروع ہوا۔

————— (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ پیر کا دن بڑی برکت اور رحمت والا دن ہے، اسی دن میں تمہارے نبی کی پیدائش ہوئی، اور اسی دن کتاب اللہ کا نزول شروع ہوا، پھر اس دن کے

روزے کا کیا پوچھنا! — اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو پیر کے دن (کبھی کبھی یا اکثر) روزہ رکھتے تھے تو اس کا ایک ٹکڑا تو وہ تھا جس کا اوپر کی حدیث میں ذکر آیا، یعنی یہ کہ "اس دن اعمال کی ایک مہتی ہوتی ہے اور آپ چاہتے تھے کہ اس مہتی کے دن آپ روزہ کی حالت میں ہوں" اور دوسرا ٹکڑا اللہ تعالیٰ کی ان دو عظیم نعمتوں (ولادت اور وحی و نبوت) کے شکر کا جذبہ بھی تھا جو آپ کو پیر ہی کے دن عطا ہوئیں اور جو ساری دنیا کے لئے بھی نعمت اور رحمت ہیں — وَمَا أَسَلْنَاكَ إِلَّا دَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ۔

(۱۳۵) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ .. قَلَّمَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفْطِرُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔

رواہ الترمذی والنسائی

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کم ایسا ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن روزہ نہ رکھتے۔

(جامع ترمذی، سنن نسائی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن اکثر و بیشتر آپ کا روزہ ہوتا تھا، لیکن دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس سے منع فرماتے تھے کہ جمعہ کی فضیلت اور خصوصیت کی وجہ سے لوگ ایسا کرنے لگیں کہ نفل روزے جمعہ ہی کو رکھیں اور شب بیداری اور عبادت کے لئے شب جمعہ ہی کو مخصوص کریں۔

(۱۳۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَخْتَصُّوا لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ بِصِيَامٍ مِنْ بَيْنِ اللَّيَالِي وَلَا تَخْتَصُّوا يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِصِيَامٍ مِنْ بَيْنِ الْأَيَّامِ إِلَّا أَنْ يَكُونُوا فِي صَوْمٍ يَصُومُهُ أَحَدُكُمْ۔

رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: تم لوگ راتوں میں سے جمعہ کی رات کو نماز اور عبادت کے لئے مخصوص نہ کرو اور اسی طرح دنوں میں سے جمعہ کے دن کو روزہ کے لئے مخصوص نہ کرو، الا یہ کہ جمعہ کسی ایسی تاریخ کو پڑ جائے جس کو تم میں سے کوئی روزہ رکھتا ہو (اس صورت میں اس جمعہ کے نفلی روزے میں کوئی مضائقہ نہیں) (صحیح مسلم)

(تشریح) جمعہ کے دن اور اس کی رات کی خاص فضیلت کی وجہ سے چونکہ اس امکان زیادہ تھا کہ فضیلت پسند لوگ اس دن نفلی روزہ رکھنے کا اور اس کی رات میں شب بیداری اور عبادت کا بہت زیادہ اہتمام کرنے لگیں اور جس چیز کو اللہ و رسول نے فرض و واجب نہیں بتایا اس کے ساتھ فرض و واجب کا سامنا ملنے لگے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ممانعت فرمائی۔ اس کے علاوہ اس ممانعت کے علمائے کرام نے اور بھی بعض مصالح لکھے ہیں۔ بہر حال یہ ممانعت انتظامی ہے اور مشاویہ ہے کہ جمعہ کا روزہ اور شب جمعہ کی شب بیداری ایک زائد رسم نہ بن جائے۔ واللہ اعلم۔

(۱۳۷) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُ مِنَ الشَّهْرِ السَّبْتِ وَالْأَحَدِ وَالْاِثْنَيْنِ وَمِنَ الشَّهْرِ الْاِخْرِ الثَّلَاثَاءُ وَالْاَرْبَعَاءُ وَالْخَمِيسَ

رواہ الترمذی

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایسا بھی کرتے تھے کہ) ایک مہینہ میں سنیچر، اتوار اور پیر کا روزہ رکھتے، اور

دوسرے مہینہ میں منگل، بدھ اور جمعرات کا۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی کی روایت سے پہلے

معلوم ہو چکا ہے کہ عینہ کے تین روزوں کے بارے میں حضورؐ کا کوئی لگا بندھا معمول نہیں تھا اس لیے آپؐ کی اس روایت کا مطلب صرف یہ ہے کہ آپؐ ایسا بھی کرتے تھے کہ ایک عینہ میں آپؐ نے کسی ہفتہ کے پہلے تین دنوں منیچر، اتوار، پیر کا روزہ رکھ لیا اور دوسرے عینہ میں بعد والے تین دنوں منگل، بدھ، اور جمعرات کا۔ (اور جمعہ کے بارے میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان گزر رہی چکا کہ آپؐ جمعہ کے دن اکثر و بیشتر روزہ رکھتے تھے)۔ گویا علاوہ ان مخصوص تاریخوں اور دنوں کے جن کے روزہ کی خاص فضیلت ہے آپؐ اس کا بھی اہتمام فرماتے تھے کہ آپؐ کا نفلی روزہ ہفتہ کے ہر دن میں پڑ جائے تاکہ لوگ جان لیں کہ اللہ کے بنائے ہوئے ساتوں دن مبارک اور عبادت کے دن ہیں۔

وہ دن جن میں نفلی روزہ رکھنا منع ہے :

سال میں بعض مخصوص دن وہ بھی ہیں جن میں روزہ رکھنے کی ممانعت ہے، اور اللہ تعالیٰ حاکم مطلق ہے، اس نے نماز کو عظیم عبادت بھی قرار دیا اور بعض خاص اوقات میں (مثلاً طلوع وغروب اور استواء کے وقت) نماز کی ممانعت بھی فرمادی۔ اسی طرح اس نے روزہ کو محبوب ترین عبادت اور روحانی ترقی کا خاص وسیلہ بھی قرار دیا، اور بعض خاص دنوں میں روزہ رکھنا حرام بھی کر دیا۔ یہ بات حاکم مطلق کی شانِ حاکمیت کے عین مطابق ہے، اور ہم بندوں کا کام بس حکم کی تعمیل اور فرمانبرداری۔

(۱۳۸) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الْفِطْرِ وَالتَّحْرِيرِ۔

رواہ البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے یوم الفطر کے روزے سے، اور شربانی کے

دن کے روزہ رکھنے سے ————— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۱۳۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ صِيَامِ يَوْمَيْنِ يَوْمِ الْأَضْحَى وَيَوْمِ الْفِطْرِ.
رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا یوم الاضحیٰ اور یوم الفطر میں روزہ رکھنے سے۔

(صحیح مسلم)

(۱۴۰) عَنْ أَبِي عُبَيْدٍ مَوْلَى ابْنِ أَزْهَرَ قَالَ شَهِدْتُ الْعِيدَ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَجَاءَ فَصَلَّى ثُمَّ انْصَرَفَ فَخَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ إِنَّ هَذَا إِنْ يَوْمَانِ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صِيَامِهِمَا يَوْمَ فِطْرِكُمْ مِنْ صِيَامِكُمْ وَالْآخِرُ يَوْمٌ تَأْكُلُونَ فِيهِ مِنْ نُسُكِكُمْ
رواہ مسلم

(ترجمہ) ابو عبید مولى ابن ازہر تابعی سے روایت ہے کہ میں نے عید کی نماز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں پڑھی۔ انھوں نے نماز پڑھائی، نماز سے فارغ ہو کر خطبہ دیا، اُس میں فرمایا کہ:۔ عید کے یہ دونوں دن وہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ ان میں سے ایک دن تو (پورے چھ روزہ رمضان کے روزوں کے بعد) تمہارے فطر کا دن ہے اور دوسرا اپنی شہ بانیوں کے گوشت کھانے کا دن ہے۔ (صحیح مسلم)

(۱۴۱) عَنْ نُبَيْشَةَ الْمُذَنَّبِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيَّامُ الشَّارِبِ أَيَّامٌ

اَكْلٍ وَشَرِبٍ وَذِكْرِ اللَّهِ ————— رواہ مسلم

(ترجمہ) نینشتہ ہڈی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- ایام تشریق (۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ) کھانے پینے کے اور اللہ کی یاد کے دن ہیں۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت ابو سعید خدری، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عمر بن الخطاب

رضی اللہ عنہم کی مندرجہ بالا حدیثوں میں یوم الفطر اور یوم النحر کے دنوں میں روزہ رکھنے کی صریح ممانعت فرمائی گئی ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یوم الفطر کا روزہ تو اس لئے منع ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے رمضان کے بعد ”فطر کا دن“ یعنی روزہ نہ رکھنے اور کھانے پینے کا دن قرار دیا ہے اس لئے اس دن روزہ رکھنے میں منشا و آگاہی کی مخالفت ہے، اور یوم النحر کا روزہ اس لئے منع ہے کہ وہ قربانی کا گوشت کھانے کا دن ہے گویا اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہے کہ اس دن جو قربانیاں اللہ تعالیٰ کے لئے کی جائیں اس کے بندے ان قربانیوں کا گوشت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اس کی ضیافت سمجھ کر اور اس کے در کے فقیر بن کر شکر کے ساتھ کھائیں، اور وہ بندہ بلاشبہ بڑا متکبر اور کافر نعمت ہے جو اللہ کی عام ضیافت کے دن دانستہ روزہ رکھے، اور چونکہ ذی الحجہ کی گیارھویں اور بارھویں بھی قربانی کے دن ہیں اس لئے ان کا حکم بھی یہی ہوگا — اور نینشتہ ہڈی کی آخری حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے ایام تشریق کو کھانے پینے کے، یعنی اللہ تعالیٰ کی ضیافت کے دن فرمایا ہے جس میں ۱۳ ذی الحجہ بھی شامل ہے، اس لئے ۱۳ ذی الحجہ سے ۱۳ ذی الحجہ تک پانچوں دن روزہ رکھنا ممنوع قرار دیا گیا ہے، اب ان دنوں میں روزہ رکھنا عبادت میں، بلکہ معصیت ہوگا۔

چوں طمع خواہد ز من سلطان دیں

خاک بر فرق قناعت بعد ازین

نفل روزہ توڑا بھی جاسکتا ہے :

رمضان کا روزہ اگر بغیر عذر شرعی توڑ دیا جائے تو اس کا بہت بھاری کفارہ بھی ادا کرنا پڑتا ہے جس کا تفصیلی بیان اپنے موقع پر گزر چکا ہے لیکن نفل روزہ رکھنے والا اگر چاہے تو توڑ بھی سکتا ہے، اس پر کوئی کفارہ واجب نہیں ہوگا اور وہ گنہگار بھی نہیں ہوگا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھی خود بھی ایسا کیا ہے، اور دوسروں کو بھی یہ مسئلہ بتلایا ہے۔

(۱۴۲) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَقَالَ هَلْ عِنْدَكَ شَيْءٌ فَقُلْنَا لَا قَالَ فَإِنِّي إِذَا صَائِمٌ شَمَرْتُ أَتَانَا يَوْمًا ۱۳ خَرَفَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَهْدِي لَنَا حَبْسٌ فَقَالَ أَرِنِيهِ فَلَقدْ أَصْبَحْتُ صَائِمًا فَاحْكَلْ۔

رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا :۔
یہاں تمہارے ہاں کھانے کے لئے اس وقت کچھ ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ :۔
اس وقت تو کچھ بھی نہیں ہے! آپ نے فرمایا :۔ تو اب ہم روزہ رکھتے ہیں۔۔۔ پھر ایک اور دن آپ تشریف لائے تو ہم نے عرض کیا کہ :۔
آج ہمارے ہاں حیٹ سن (خُرم اور کھن کا میوہ) ہدیہ میں آیا ہے اُس کو نوش فرمائیں۔ آپ نے منہ مایا :۔ دکھاؤ! ہم نے آج روزے کی نیت کر لی تھی۔۔۔ پھر آپ نے اُس میں سے نوش فرمایا، اور

روزہ نہیں رکھا۔۔۔۔۔ (صحیح مسلم)
(تشریح) اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں :- ایک یہ کہ نفلی روزے کی نیت دن میں بھی کی جاسکتی ہے، اور دوسری یہ کہ نفلی روزے کی نیت کر لینے کے بعد اگر رائے بدل جائے تو اس کو توڑا بھی جاسکتا ہے۔۔۔۔۔ اگلی حدیثوں سے یہ بات اور زیادہ صراحت کے ساتھ معلوم ہوگی۔

(۱۴۳) عَنْ أُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ لَمَّا كَانَ يَوْمُ الْفَتْحِ فَفَتْحَ مَكَّةَ جَاءَتْ فَاطِمَةُ فَجَلَسَتْ عَلَى يَسَارِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأُمُّ هَانِئٍ عَنْ يَمِينِهِ فَجَاءَتْ الْوَلِيدَةُ بِإِنَاءٍ فِيهِ شَرَابٌ فَنَازَلَتْهُ فَشَرِبَ مِنْهُ ثُمَّ نَازَلَهُ أُمُّ هَانِئٍ فَشَرِبَتْ مِنْهُ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ لَقَدْ أَفْطَرْتُ وَكُنْتُ صَائِمَةً فَقَالَ لَهَا أَكُنْتُ تَقْضِيْنَ شَيْئًا قَالَتْ لَا قَالَ فَلَا يَضُرُّكَ إِنْ كَانَ تَطَوُّعًا

رواہ ابو داؤد و الترمذی و الدارمی

(ترجمہ) حضرت اُمّ ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ :- فتح مکہ کے دن (جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں تشریف لے رہے تھے) حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا آئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں جانب بیٹھ گئیں اور اُمّ ہانی آپ کے دائیں جانب تھیں کہ ایک بچی آپ کے پیٹے کے لئے کوئی مشروب لے کر آئی اور آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے اُس میں سے کچھ پی لیا اور پھر اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا کی طرف بڑھ آدیا، انھوں نے بھی اُس میں سے پی لیا اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا :-

یا رسول اللہ! میں روزے سے بے یقینی اور میں نے یہ پی کے روزہ توڑ دیا۔ آپ نے فرمایا: کیا تم اس روزے کے کفر یعنی کہی فرض یا داجب کو ادا کرنا چاہتی تھیں؟ انھوں نے عرض کیا: نہیں (بلکہ صرف نفلی روزہ تھا)۔ تو آپ نے فرمایا: اگر نفلی تھا، تو پھر کچھ مضائقہ نہیں۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن دارمی)

(تشریح) اس حدیث میں تصریح ہے کہ نفلی روزہ توڑ دینے سے کوئی گناہ

نہیں ہوتا۔ اسی حدیث کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں: ”الصَّائِمُ الْمُتَطَوُّعُ آمِنُ نَفْسِهِ إِنْ شَاءَ صَامَ وَإِنْ شَاءَ أَفْطَرَ“ (یعنی نفلی روزہ رکھنے والے کو اختیار ہے کہ چاہے تو روزہ پورا کرے اور کسی وجہ سے توڑنا چاہے تو توڑ دے)۔ مندرجہ بالا دونوں حدیثوں سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ نفلی روزہ توڑ دینے کی صورت میں اس کی جگہ دوسرا روزہ رکھنا پڑے گا یا نہیں۔ آگے درج ہونے والی حدیث میں اس کی قضا رکھنے کا بھی حکم ہے۔

(۱۴۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كُنْتُ أَنَا وَحَفْصَةُ صَائِمَتَيْنِ فَعَرِضَ لَنَا طَعَامٌ اشْتَهَيْنَاهُ فَأَكَلْنَا مِنْهُ فَقَالَتْ حَفْصَةُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا كُنَّا صَائِمَتَيْنِ فَعَرِضَ لَنَا طَعَامٌ اشْتَهَيْنَاهُ فَأَكَلْنَا مِنْهُ قَالَ إِقْضِيَا يَوْمًا آخَرَ مَكَانَهُ۔

رواہ الترمذی

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: میں اور حفصہ (رضی اللہ عنہا) دونوں نفلی روزے سے تھے، ہمارے سامنے کھانا پیش کیا گیا، جس کو کھانے کے ہمارا ہی چاہا اور ہم نے اس کو کھالیا۔ پھر حفصہ نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا،۔ یا رسول اللہ! ہم دونوں روزے سے تھے، ہمارے سامنے کھانا آیا، جس کو کھانے کے لئے چاراجی چاہا، تو ہم نے اس میں سے کچھ کھالیا (اور روزہ توڑ دیا)۔ آپ نے فرمایا کہ۔ اس کی جگہ کسی دن قضا روزہ رکھو۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفلی روزہ توڑ دینے کی صورت میں اس کی قضا کے طور پر روزہ رکھنا چاہئے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ قضا واجب ہے، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب نہیں صرف مستحب ہے۔ تَمَّ كِتَابُ الصَّوْمِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ۔

— — — — —

کتاب الحج

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجَّةُ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ

اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ

عَنِ الْعَالَمِيْنَ _____ (آل عمران - ع- ۱۰۰)

اللہ کے واسطے بیت اللہ کا حج کرنا فرض ہے اُن لوگوں پر
جو اس کی استطاعت رکھتے ہوں

اور جو نہ مانے

تو اللہ کو پرواہ نہیں ہے دُنیا بھر کی!

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے اسلحا کہ ان کے پانچ ارکان میں سے آخری اور تکمیلی رکن
”حج منّت اللہ ہے۔“

حج کیا ہے؟ — ایک مُعْتَمِد اور مقرر وقت پر اللہ کے دیوانوں کی طرح اس کے
دربار میں حاضر ہونا، اور اس کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اداؤں، اور
طور طریقوں کی نقل کر کے ان کے سلسلے اور مسلک سے اپنی وابستگی اور وفاداری کا ثبوت دینا اور
اپنی استعداد کے بقدر برابر اپنی جذبات اور کیفیات سے حصہ لینا اور اپنے کو ان کے رنگ
میں رنگنا۔

حرید و صاحت کے لئے کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک شان یہ ہے کہ وہ
ذوالجلال والجبروت، حکم الحاکمین اور تہنشاہ کل ہے اور ہم اس کے عاجز و محتاج بندے
اور جلوک و محکوم ہیں۔ اور دوسری شان اس کی یہ ہے کہ وہ ان تمام صفات جمال نے
بدرجہ اتم مصطف ہے جن کی وجہ سے انسان کو کسی سے محبت ہوتی ہے اور اس لحاظ سے
وہ — بلکہ صرف وہی — محبوب حقیقی ہے۔ اس کی پہلی حاکمانہ اور شاہانہ شان
کا تقاضا یہ ہے کہ بندے اس کے حضور میں ادب و نیاز کی تصویر بن کر حاضر ہوں —
ارکان اسلام میں پہلا علی رکن نماز اسی کا خاص مرقع ہے اور اس میں ہی رنگ غالب ہے

اور زکوٰۃ بھی اسی نسبت کے ایک دوسرے رخ کو ظاہر کرتی ہے۔ اور اس کی دوسری
 شان عبودیت کا تقاضا یہ ہے کہ بندوں کا تعلق اس کے ساتھ محبت اور ولایت کا ہو۔
 روزے میں بھی کسی قدر یہ رنگ ہے، کھانا پینا چھوڑ دینا اور نفسانی خواہشات سے منہ موڑ لینا
 عشق و محبت کی منزلوں میں سے ہے، مگر حج اس کا پورا پورا مرتبہ ہے۔ سارے کپڑوں کے کھانے
 ایک کفن خالص پہن لینا، ننگے سر رہنا، حجامت نہ بنوانا، ناحن نہ ترشوانا، مالوں میں کنگھا
 نہ کرنا، تیل نہ لگانا، خوشبو کا استعمال نہ کرنا، میل کچیل سے جسم کی صفائی نہ کرنا، حج حج کے
 لبتیک لبتیک پکانا، بیت اللہ کے گرد چکر لگانا، اس کے ایک گوشے میں لگے ہوئے سیاہ پتھر
 (حجر اسود) کو چومنا اس کے در و دیوار سے لپٹنا اور آہ و زاری کرنا، پھر صفا و مردہ کے پھیرے کرنا،
 پھر مکہ شہر سے بھی کل جانا اور منیٰ اور کعبہ عرفات اور کعبہ مزدلفہ کے صحراؤں میں جا پڑنا، پھر
 حمرات پر بار بار کنکریاں مارنا، یہ سارے اعمال وہی ہیں جو محبت کے دیوانوں سے سرزد
 ہوا کرتے ہیں، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یا اس رسم عاشقی کے بانی ہیں۔
 اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادائیں اتنی پسند آئیں کہ آپے دربار کی خاص الخاص حاضری حج و عمرہ
 کے ارکان و مناسک ان کو قرار دے دیا۔ انہی سب کے مجموعہ کا نام گویا حَجَّج ہے
 اور یہ اسلام کا آخری اور تکمیلی رکن ہے۔

اس سلسلہ "معادرت الحدیث" کی پہلی جلد کتاب الایمان میں وہ
 حدیثیں گزر چکی ہیں جن میں اسلام کے ارکان پنجگانہ کا بیان ہے اور ان میں آخری
 رکن "حج بیت اللہ" بتایا گیا ہے۔

حج کی فرضیت کا حکم راجح قول کے مطابق شہ ۱۲ میں آیا ہے اور اس کے اگلے
 سال شہ ۱۳ میں اپنی وفات سے صرف تین مہینے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
 صحابہ کرام کی بہت بڑی جماعت کے ساتھ حج فرمایا، جو "حجۃ الوداع" کے نام سے مشہور ہے،
 اور اسی حجۃ الوداع میں خاص عرفات کے میدان میں آپ پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اَلتَّوَمَّ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ
وَ اَتَمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِی الْاِیَّه
آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین
مکمل کر دیا، اور تم پر اپنی رحمت کا
(المائدہ ع. ۱۰) اتمام کر دیا۔

اس میں اس طرف ایک لطیف اشارہ ہے کہ حج اسلام کا تکمیلی رکن ہے۔
اگر بندہ کو صحیح اور مخلصانہ حج نصیب ہو جائے جس کو دین و شریعت کی زبان میں
”حج مبرور“ کہتے ہیں۔ اور ابراہیمی و محمدی نسبت کا کوئی ذرہ اس کو عطا ہو جائے تو گویا
اس کو سعادت کا اعلیٰ مقام حاصل ہو گیا، اور وہ نعمت عظمیٰ اس کے ہاتھ آگئی جس سے
بڑی کسی نعمت کا اس دنیا میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، اس کو حق ہے کہ تحدیثِ نعمت
کے طور پر کہے اور مست ہو ہو کر کہے۔

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است : اتم بہ پائے خود کہ بکویت رسیدہ است
ہر دم ہزار بوسہ زخم دست خویش را : کہ دامن گرفتہ بسویم کشیدہ است
اس مختصر تمہید کے بعد حج کے متعلق ذیل کی حدیثیں پڑھئے : —————

حج کی فرضیت اور فضیلت :

(۱۳۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ خَطَبَنَا رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ
فُرِضَ عَلَيْكُمُ الْحَجُّ فَحُجُّوْا فَقَالَ رَجُلٌ أَكَلْتُ
عَامٍ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَسَكَتَ حَتَّى قَالَهَا ثَلَاثًا فَقَالَ
لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوْ حَبَبْتُ وَلَمَّا اسْتَطَعْتُ ثُمَّ قَالَ
ذَرُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ فَإِنَّمَا هَلَكٌ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ
بِكثْرَةِ سُؤَالِهِمْ وَ اخْتِلَافِهِمْ عَلَى أَنْبِيَائِهِمْ

فَاِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأَتُوا مِنْهُ مَا امْتَطَعْتُمْ ۚ
 اِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَدَعُوْهُ ۚ ————— (سہ سلم)

وتمہ مجسمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن خطبہ دیا اور اُس میں فرمایا:۔ اے لوگو! تم پر حج فرض کر دیا گیا ہے لہذا اس کو امان کرنے کی فکر کرو۔ ————— ایک شخص نے عرض کیا کہ:۔ یا رسول اللہ! کیا ہر سال حج کرنا ہم پر فرض کیا گیا ہے؟۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں سکوت فرمایا اور کوئی جواب نہیں دیا، یہاں تک کہ اس شخص نے میں دغہ اچھا وہ سوال دوہرایا، تو آپ نے (ناگوارے کے ساتھ) فرمایا کہ:۔ اگر میں تمہارے اس سوال کے جواب میں کہہ دیتا کہ:۔ ہاں! ہر سال حج کرنا فرض کیا گیا، تو اسی طرح فرض ہو جاتا، اور تم ادانہ کر سکتے۔ ————— اس کے بعد آپ نے ہدایت فرمائی کہ:۔ کسی معاملہ میں جب تک میں خود تم کو کوئی حکم نہ دوں تم مجھ سے حکم لینے اور سوال کر کے اپنی پابندیوں میں اضافہ کرنے کی کوشش نہ کرو۔ ————— تم سے پہلی امتوں کے لوگ اسی لئے تباہ ہوئے کہ وہ اپنے نبیوں سے سوال سنت کرتے تھے اور بعد ان کے احکام میں خلاف دلدی کر رہے تھے۔ ————— لہذا میری ہدایت تم کو یہ ہے کہ جب میں تم کو کسی چیز کا حکم دوں جو جان ناکم سے ہو سکے اس کی تعمیل کرو اور جب تم کو کسی چیز سے منع کروں تو اس کو چھوڑ دو۔ ————— (صحیح مسلم)

(تشریح) جامع ترمذی وغیرہ میں قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ اس میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حج کی فرضیت کا یہ اعلان اور اس پر یہ سوال و جواب جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث میں ذکر کیا گاتے سورۃ ال عمران کی اس آیت کے نازل ہونے پر پیش آیا تھا۔

ذَلِّلَهُ عَلَى النَّاسِ حِجَّ الْبَيْتِ اللہ کے واسطے بیت اللہ کا حج کرنا
مَنْ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا فرض ہے اُن لوگوں پر جو اس کی
(ال عمران ۶-۱۰) استطاعت رکھتے ہوں۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی اس حدیث میں اُن صحابی کا نام مذکور نہیں ہے جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا کہ: ”کیا ہر سال حج کرنا فرض کیا گیا ہے؟“ لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی اسی مضمون کی حدیث جس کو امام احمد اور دارمی اور نسائی وغیرہ نے روایت کیا ہے اس میں تصریح ہے کہ یہ سوال کرنے والے اقرع بن حابس تھے یہ اُن لوگوں میں ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا، ان کو تعلیم و تربیت حاصل کرنے کا ابھی پورا موقع نہیں ملا تھا اسی لئے اُن سے یہ بغرض ہوئی کہ ایسا سوال کر بیٹھے، اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہیں دیا تو پھر دوبارہ اور پھر سہ بارہ سوال کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ: ”اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج کرنا واجب ہو جاتا۔“ اس کا منشا اور مطلب یہ ہے کہ سوال کرنے والے کو سوچنا اور سمجھنا چاہئے تھا کہ میں نے حج کے فرض ہونے کا جو حکم سنایا تھا اُس کا تقاضا اور مطالبہ عمر بھر میں بس ایک حج کا تھا، اس کے بعد ایسا سوال کرنے کا نتیجہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ اگر میں ہاں کہہ دیتا (اور ظاہر ہے کہ آپ ہاں جب ہی کہتے جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا) تو ہر سال حج کرنا فرض ہو جاتا، اور اُمت سخت مشکل میں پڑ جاتی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ: ”اگلی امتوں کے بہت سے لوگ کثرت سوال اور قیل وقال کی اسی بُری عادت کی وجہ سے تباہ ہوئے، انہوں نے اپنے غیوں سے سوال کر کے شرعی پابندیوں میں اضافہ کر لیا، اور پھر اس کے مطابق عمل کر نہیں سکے۔“

حدیث کے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑی اہم اور رسول

بات فرمائی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ:۔

”جب میں تم کو کسی چیز کا حکم دوں تو جہاں تک تم سے ہو سکے اُس کی تعمیل کرو، اور جس چیز سے منع کروں اُس کو ترک کر دو۔“

مطلب یہ ہے کہ میری لائی ہوئی شریعت کا مزاج سختی اور تنگی کا نہیں ہے بلکہ سہولت اور وسعت کا ہے جس حد تک تم سے تعمیل ہو سکے اس کی کوشش کرو، بشری کمزوریوں کی وجہ سے جو کمی کسر رہ جائے گی اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم سے اس کی معافی کی امید ہے۔

(۱۴۶) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَلَكَ زَادًا وَرَاحِلَةً تَبْلُغُهُ إِلَى بَيْتِ اللَّهِ فَلَمْ يَحْجَّ فَلَا عَلَيْهِ أَنْ يَمُوتَ يَهُودِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا وَذَلِكَ أَنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا۔

رواہ الترمذی

(ترجمہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جس کے پاس سفر چر کا ضروری سامان ہو اور اس کو سواری یا سربو ہو بیت اللہ تک اس کو پہنچا سکے اور پھر وہ حج نہ کرے، تو کوئی فرق نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر، اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:۔

”اللہ کے لئے بیت اللہ کا حج فرض ہے اُن لوگوں پر جو اُس تک جانے کی استطاعت رکھتے ہوں۔“ (جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث میں اُن لوگوں کے لئے بڑی سخت وعید ہے جو حج کرنے کی استطاعت رکھنے کے باوجود حج نہ کریں۔ فرمایا گیا ہے کہ ان کا اس حال میں مرنا اور یہودی یا نصرانی ہو کر مرنا گویا برابر ہے (معاذ اللہ) یہی طرح کی وعید ہے جس طرح ترک نماز کے

کفر و شرک کے قریب کہا گیا ہے۔ قرآن مجید میں بھی ارشاد ہے:

”أَقِمُّوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ“ (الروم، ۵)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترکِ صلوٰۃ مشرکوں والا عمل ہے۔

حج فرض ہونے کے باوجود حج نہ کرنے والوں کو مشرکین کے بجائے یہود و نصاریٰ سے تشبیہ دینے کا راز یہ ہے کہ حج نہ کرنا یہود و نصاریٰ کی خصوصیت تھی کیونکہ مشرکین عسبر حج کیا کرتے تھے لیکن وہ نماز نہیں پڑھتے تھے اسلئے ترکِ نماز کو مشرکوں والا عمل بتلایا گیا۔

اس حدیث میں استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے والوں کے لئے جو سخت وعید ہے اس کے لئے سورۃ آل عمران کی اس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے اور اس کی سند پیش کی گئی ہے جس میں حج کی فرضیت کا بیان ہے، یعنی ”لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مِنْ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا“، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ راوی نے صرف حوالہ کے طور پر آیت کا یہ ابتدائی حصہ پڑھنے پر اکتفا کیا، یہ وعید آیت کے جس حصے سے نکلتی ہے وہ اس کے آگے والا حصہ ہے، یعنی ”وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ“ (جس کا مطلب یہ ہے کہ اس حکم کے بعد جو کوئی کافر نہ رویہ اختیار کرے یعنی باوجود استطاعت کے حج نہ کرے تو اللہ کو کوئی پرواہ نہیں، وہ ساری دنیا اور ساری کائنات سے بے نیاز ہے)۔ اس میں استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے والوں کے رویہ کو ”مَنْ كَفَرَ“ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور ”لَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ“ کی وعید سنائی گئی ہے، اس کا مطلب یہی ہوا کہ ایسے ناشکرے اور نافرمان جو کچھ بھی کریں اور جس حال میں مریں اللہ کو ان کی کوئی پرواہ نہیں۔ قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث مسند دارمی وغیرہ میں حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

(۱۴۷) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا يُوجِبُ الْحَجَّ

قَالَ الرَّادُّ وَالرَّاحِلَةُ ————— رواه الترمذی وابن ماجہ

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُس نے پوچھا کہ: کیا چیز حج کو واجب کر دیتی ہے؟ آپ نے فرمایا:۔۔۔۔۔ سامان سفر اور سواری۔

(بیاض ترمذی، منن ابن ماجہ)

(تشریح) قرآن مجید میں فرضیت حج کی شرط کے طور پر ”مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا“ فرمایا گیا ہے، یعنی حج اُن لوگوں پر فرض ہے جو سفر کر کے مکہ معظمہ تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں۔۔۔۔۔ اس میں جو اجمال ہے غالباً سوال کرنے والے صحابی نے اس کی وضاحت چاہی اور دریافت کیا کہ اس استطاعت کا متعین معیار کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ:۔۔۔ ایک تو سواری کا انتظام ہو جس پر مکہ معظمہ تک سفر کیا جاسکے، اور اس کے علاوہ کھانے پینے جیسی ضروریات کے لئے اتنا سرمایہ ہو جو اس زمانہ سفر کے گزارے کے لئے کافی ہو۔۔۔۔۔ فقہائے کرام نے اس گزارے میں اُن لوگوں کے گزارے کو بھی شامل کیا ہے جن کی کفالت جانے والے کے ذمہ ہو۔

(۱۴۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَجَّ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ

كَيَوْمَ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ ————— رواه البخاری وسلم

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا:۔۔۔ جس آدمی نے حج کیا اور اس میں نہ تو کسی شہوانی اور فحش بات

کا ارتکاب کیا، اور نہ اللہ کی کوئی نافرمانی کی تو وہ گناہوں سے ایسا پاک و صاف ہو کر

واپس ہوگا جیسا اُس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اس کو جنم دیا تھا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: **الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ**
فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ
 اس آیت میں حج کرنے والوں کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ خاص کر زمانہ حج میں وہ شہوت کی
 باتوں اور اللہ کی نافرمانی والے سارے کاموں اور آپس کی جھگڑے بازی سے بچیں۔
 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں اس ہدایت پر عمل کرنے والوں کو بشارت
 سنائی گئی ہے اور فرمایا گیا ہے کہ جو شخص حج کرے اور ایام حج میں نہ تو شہوت کی باتیں
 کرے اور نہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی کوئی ایسی حرکت کرے جو فسق کی حد میں آتی ہو، تو حج کی
 برکت سے اُس کے سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، اور وہ گناہوں سے بالکل ایسا
 پاک و صاف ہو کر واپس ہو گا جیسا کہ وہ اپنی پیدائش کے دن بے گناہ تھا۔
 اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے یہ دولت نصیب فرمائے۔

(۱۴۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعُمْرَةُ إِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا
 وَالْحَجُّ الْمَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ

رواہ البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 نے فرمایا: ایک عمرہ سے دوسرے عمرہ تک کفارہ ہو جاتا ہے ان کے درمیان کے
 گناہوں کا۔ اور ”حج مبرور“ (پاک اور مخلصانہ حج) کا بدلہ تو بس جنت ہے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۱۵۰) عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَابِعُوا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ فَإِنَّهُمَا
 يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوبَ كَمَا يَنْفِي الْكَبِيرُ خَبَثَ الْحَدِيدِ

وَالَّذِي هَبَ وَالْفَضَّةَ وَلَيْسَ لِلْحَجَّةِ الْمُبْرُورَةِ شَوَابٌ
إِلَّا الْجَنَّةُ ۖ

رواہ الترمذی والنسائی

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔۔۔ بچے درپے کیا کروں اور عمرہ کیونکر حج اور عمرہ دونوں فقر و محتاجی اور گناہوں کو اس طرح دور کر دیتے ہیں جس طرح لوہا اور رُسار کی بھٹی لوہے اور سونے چاندی کا قبل بچے دور کر دیتی ہے۔ اور ”حج مبرور“ کا صلہ اور ثواب تو میں جنت ہی ہے۔

(جامع ترمذی سنن نسائی)

(تشریح) جو شخص اخلاص کے ساتھ حج یا عمرہ کرتا ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ کے درپائے رحمت میں غوطہ کاتا اور غسل کرتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ گناہوں کے گندے اثرات سے پاک صاف ہو جاتا ہے اور اس کے علاوہ دنیا میں بھی اس پر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہوتا ہے کہ فقر و محتاجی اور پریشانی عالی سے اس کو نجات مل جاتی ہے اور خوش حالی اور اطمینان قلب کی دولت نصیب ہو جاتی ہے، اور مزید برآں ”حج مبرور“ کے صلہ میں جنت کا عطا ہونا اللہ تعالیٰ کا قطعی فیصلہ ہے۔

(۱۵۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ الْحَاجُّ وَالْعُمْرَارُ وَفَدُ اللَّهُ إِنْ دَعَاؤُهُ أَجَابَهُمْ وَإِنْ اسْتَغْفَرُوا غُفِرَ لَهُمْ۔

رواہ ابن ماجہ

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔۔۔ حج اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے ہمان ہیں، اگر وہ اللہ سے دعا کریں تو وہ ان کی دعا قبول فرمائے، اور اگر وہ اُس سے مغفرت مانگیں تو وہ ان کی مغفرت فرمائے۔

(سنن ابن ماجہ)

(۱۵۲) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا لَقِيتَ الْحَاجَّ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَصَافِحْهُ وَاسْأَلْهُ أَنْ يَسْتَغْفِرَ لَكَ قَبْلَ أَنْ يَذْخَلَ بَيْتَهُ فَإِنَّهُ مَغْفُورٌ لَكَ

رواہ احمد

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کسی حج کرنے والے سے تمہاری ملاقات ہو تو اس سے اپنے گھر میں پہنچنے سے پہلے اس کو سلام کرو اور مصافحہ کرو اور اس سے مغفرت کی دعا کے لئے کہو، کیونکہ وہ اس حال میں ہے کہ اس کے گناہوں کی مغفرت کا فیصلہ ہو چکا ہے (اس لئے اس کی دعا کے قبول ہونے کی خاص توقع ہے)۔ (مسند احمد)

(۱۵۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَنْ خَرَجَ حَاجًّا أَوْ مُعْتَمِرًا أَوْ غَازِيًا ثُمَّ مَاتَ فِي طَرِيقِهِ كَتَبَ اللَّهُ لَهُ أَجْرَ الْغَازِيِ وَالْحَاجِّ وَالْمُعْتَمِرِ

رواہ البیہقی فی شعب الایمان

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کا جو بندہ حج یا عمرہ کی نیت سے یا راہِ خدا میں جہاد کے لئے نکلا، پھر راستہ ہی میں اس کو موت آگئی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کے واسطے وہی اجر و ثواب لکھ دیا جاتا ہے جو حج و عمرہ کرنے والوں کے لئے اور راہِ خدا میں جہاد کرنے والوں کے لئے مقرر ہے۔

(شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) اللہ تعالیٰ کے اس کریمانہ دستور و قانون کا اعلان خود قرآن مجید میں

بھی کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ
مُحَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ

اور جو بندہ اپنا گھر بار چھوڑ کے اللہ
اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کی

ثُمَّ يُدْرِكُهُ الْمَوْتُ فَكَفَّ
وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ وَ
كَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا۔
نیت سے نکل پڑے، پھر آجائے اُس کو
موت راستہ ہی میں) تو مقرر ہو گیا
اس کا اجر اللہ کے ہاں، اور اللہ تعالیٰ
بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔
(النساء - ۷۰ - ۱۳۰)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی بندہ اللہ کی رضا کا کوئی کام کرنے کے لئے گھر سے نکلے اور
اس کے عمل میں آنے سے پہلے راستہ ہی میں اس کی زندگی ختم ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں
اس عمل کا پورا اجر اس بندہ کے لئے مقرر ہو جاتا ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمت کا
تقاضا ہے۔ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا۔

میقات، احرام، تلبیہ :-

کعبہ مکرمہ کو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کا قبلہ اور اپنا محترم و مقدس ”بیت“ (گھر)،
قرار دیا ہے، اور جیسا کہ بیان کیا جا چکا، جو لوگ وہاں حاضری کی استطاعت رکھتے ہوں ان پر
عمر میں ایک دفعہ حاضر ہونا اور حج کرنا فرض کیا ہے، اور اس حاضری اور حج کے کچھ لازمی
آداب مقرر کئے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ حاضر ہونے والے اپنے روزمرہ کے اور
عام عادی لباس میں حاضر نہ ہوں بلکہ ایسے فقیرانہ لباس میں حاضر ہوں جو مردوں کے کفن سے
مشابہت رکھتا ہو، اور آخرت میں میدانِ حشر کی حاضری کو یاد دلاتا ہو — کرتا، پاجامہ
صدری، شیری، وانی، کوٹ، پتلون کچھ نہ ہو، بس ایک تہبند باندھ لیں اور ایک چادر جسم کے
ادپر کے حصے پر ڈال لیں، سر بھی کھلا ہو، پاؤں میں موزہ بلکہ ایسا جوتا بھی نہ ہو جس سے
پورا پاؤں ڈھک جائے۔ اسی قسم کی کچھ اور بھی پابندیاں عائد کی گئی ہیں جن کا منشا یہ ہے کہ

لے احرام کے حلسہ میں یہ احکام صرف مردوں کے لئے ہیں، عورتوں کو پردہ کی وجہ سے سیدھے کپڑے پہننے اور سر
ڈھکنے کی ہر قسم کی اجازت دی گئی ہے۔

بندہ ایسی مہلت اور صورت میں حاضر ہو جس سے اس کی عاجزی اور بیچارگی اور بے حیثیتی
 و بے مائیگی اور عیش دنیوی سے بے غلبتی ظاہر ہو۔ لیکن بندوں کے ضعف کا لحاظ
 رکھتے ہوئے اُن کو اس کا مکلف نہیں کیا گیا کہ وہ اپنے گھر ہی سے احرام بند اور ان آداب کے
 پابند ہو کے روانہ ہوں، اگر یہ حکم دیا جاتا تو اللہ کے بندے بڑی مشکل میں پڑ جاتے۔ اب
 کچھ ہی زمانہ پہلے تک بہت سے ملکوں کے حاجی کئی کئی مہینے سفر کرنے کے بعد مکہ معظمہ
 پہونچا کرتے تھے، اور اب بھی بہت سے ملکوں کے حاجی کئی کئی مہینے کا بڑی اور بحری سفر
 کر کے وہاں پہونچتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اتنی طویل مدت تک احرام کی پابندیوں کا نبھانا
 اکثر لوگوں کے لئے سخت مشکل ہوتا، اس لئے مختلف استوں سے آنے والے حاج کیلئے
 مکہ معظمہ کے قریب مختلف سمتوں میں کچھ مقامات مقرر کر دیئے گئے ہیں اور حکم دیا گیا ہے کہ
 حج یا عمرہ کے لئے آنے والے جب ان میں سے کسی مقام پہ پہونچیں تو ”بیت اللہ“ اور
 ”بلد اللہ الحرام“ کے ادب میں وہیں سے احرام بند ہو جائیں۔ مختلف سمتوں کے
 یعیّن مقامات جن کی تفصیل آگے آئے گی ”میتات“ کہلاتے ہیں۔

یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ احرام باندھنے کا مطلب صرف احرام والے کپڑے پہن لینا
 نہیں ہے، بلکہ کیسے کپڑے پہن کے پہلے دو رکعت نماز (دو گانہ احرام) پڑھی جاتی ہے
 اس کے بعد پکار کے تلبیہ پڑھا جاتا ہے:

”لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ
 إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكُ لَا شَرِيكَ لَكَ“

اس تلبیہ کے پڑھنے کے بعد آدمی مُحْرَّم (احرام بند) ہو جاتا ہے، اور اسی سے حج کا عمل
 شروع ہو جاتا ہے، اور احرام والی ساری پابندیاں اس پر عائد ہو جاتی ہیں۔
 جس طرح تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد نماز کا عمل شروع ہو جاتا ہے اور نماز والی ساری
 پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں۔

اس تہید کے بعد موافقت، احرام اور تلبیہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجہ ذیل احادیث پڑھئے! : —————

موافقت :

(۱۵۴) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ وَقَّتْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ ذَا الْحُلَيْفَةِ وَلَا أَهْلَ الشَّامِ الْجُحْفَةَ وَلَا أَهْلَ نَجْدٍ قَرْنَ الْمَنَادِلِ وَلَا أَهْلَ الْيَمَنِ يَلْمَلَمَ فَهِنَّ لَهُنَّ وَلَيْسَنَ آتَى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِ أَهْلِهِنَّ لَيْسَنَ كَانَ يُرِيدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَمَنْ كَانَ دُونََهُنَّ فَمَعْلُهُ مِنْ أَهْلِهِ وَكَذَلِكَ وَكَذَلِكَ حَتَّى أَهْلُ مَكَّةَ يَهْلُتُونَ مِنْهَا۔

رواہ البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ کو اہل مدینہ کا میقات مقرر کیا، اور جحفہ کو اہل شام کا، اور قرن المنازل کو اہل نجد کا، اور یلم کو اہل یمن کا۔ پس یہ چاروں مقامات خود ان کے رہنے والوں کے لئے میقات ہیں، اور ان سب لوگوں کے لئے جو دوسرے علاقوں سے ان مقامات پر ہوتے ہوئے آئیں جن کا ارادہ حج یا عمرہ کا ہو، پس جو لوگ ان مقامات کے ورے ہوں (یعنی ان مقامات سے مکہ معظمہ کی طرف کے رہنے والے ہوں) تو وہ اپنے گھر ہی سے احرام باندھیں گے اور یہ قاعدہ اسی طرح چلے گا، یہاں تک کہ خاص کے رہنے والے کو کہ جس سے احرام باندھیں گے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۱۵۵) عَنْ جَابِرٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَالَ مَهْلُ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مِنْ ذِي الْحَلِيفَةِ وَالطَّرِيقِ
أَخِيَا الْجُحْفَةِ وَمَهْلُ أَهْلِ الْعِرَاقِ مِنْ ذَاتِ عِرْقٍ
وَمَهْلُ أَهْلِ نَجْدٍ قَرْنٌ وَمَهْلُ أَهْلِ السَّنَنِ ثَلَاثَةٌ -

رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ مہل کے ہیں مکہ کے سفر میں، سبیل مدینہ کا میقات (جہاں سے ان کو احرام
باندھنا ہے) ذوالحلیفہ ہے اور دوسرے راستہ سے جانے والوں کا میقات
نجد ہے اور اہل عراق کا میقات ذات عرق ہے اور اہل نجد کا میقات
قرن المنازل ہے اور اہل یمن کا میقات یلم ہے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
پیارے میقاتوں کا ذکر ہے :- (۱) ذوالحلیفہ (۲) نجد (۳) قرن المنازل (۴) یلم اور
حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں پانچویں میقات "ذات عرق" کا بھی ذکر ہے
جس کو اہل عراق کا میقات قرار دیا گیا ہے۔ دونوں روایتوں میں ایک اور خفیف سا فرق
یہ بھی ہے کہ پہلی روایت میں نجد کو اہل شام کا میقات بتایا گیا ہے اور دوسری روایت میں
اس کو "دوسرے راستہ والوں کا" میقات کہا گیا ہے جس کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ اہل مدینہ
بھی اگر دوسرے راستہ سے (یعنی نجد کی طرف سے) مکہ معظمہ جائیں تو وہ نجد سے بھی احرام
باندھ سکتے ہیں اور ان کے علاوہ دوسرے علاقوں کے لوگ مثلاً اہل شام نجد کی طرف سے
آئیں وہ بھی نجد سے احرام باندھیں۔ اور بعض شارحین نے "دوسرے طریقہ والوں" سے
مربوہ اہل شام ہی لئے ہیں، اس صورت میں دونوں روایتوں میں صرف تعبیر اور لفظ ہی کا
فرق ہے گا۔ بہر حال یہ پانچوں مقامات صحیح اور متفق علیہ میقات ہیں۔ جن

علاقوں کے لئے یہ میقات قرار دیئے گئے تھے اُن سے مکہ مکرمہ آنے والوں کے راستہ میں یہ پڑتے تھے۔ ان کا مختصر تعارف یہ ہے:

ذُو الْحَلِيفَةِ۔ جو اہل مدینہ کے لئے میقات مقرر کیا گیا ہے مدنیہ طیبہ سے مکہ معظمہ جاتے ہوئے صرف پانچ چھ میل پہ پڑتا ہے، یہ مکہ معظمہ سے سب سے زیادہ بعید میقات ہے یہاں سے مکہ مکرمہ قریباً دو سو میل ہے، بلکہ آج کل کے راستہ سے قریباً ڈھائی سو میل ہے۔ چونکہ اہل مدینہ کا دین سے خاص تعلق ہے اس لئے ان کا میقات اتنی بعید مسافت پر مقرر کیا گیا ہے دین میں جس کا مرتبہ جتنا بڑا ہے اس کو مشقت بھی اتنی ہی زیادہ اُٹھانی پڑتی ہے۔ ۶۔ جن کے رُتے ہیں ہوا اُن کو بسواً مشکل ہے۔

مُحْضَفَہ۔ یہ شام وغیرہ مغربی علاقوں سے آنے والوں کے لئے میقات ہے، یہ موجود رانج کے قریب ایک بستی تھی، اب اس نام کی کوئی بستی موجود نہیں ہے، لیکن یہ معلوم ہے کہ اس کا محل وقوع رانج کے قریب تھا جو مکہ معظمہ سے قریباً سو میل کے فاصلہ پر بجانب مغرب ساحل کے قریب ہے۔

قرن المنازل۔ یہ نجد کی طرف سے آنے والوں کا میقات ہے، یہ مکہ معظمہ سے قریباً ۳۵ میل مشرق میں نجد جانے والے راستہ پر ایک پہاڑی ہے۔

ذات عِرق۔ یہ عراق کی طرف سے آنے والوں کے لئے میقات ہے، یہ مکہ معظمہ سے شمال مشرق میں عراق جانے والے راستہ پر واقع ہے۔ مسافت مکہ معظمہ سے ۵۰ میل کے قریب ہے۔

یَمْلُکُم۔ یہ یمن کی طرف سے آنے والوں کے لئے میقات ہے۔ یہ تہامہ کی پہاڑیوں میں سے ایک معروف پہاڑی ہے، جو مکہ معظمہ سے قریباً ۴۰ میل جنوب مشرق میں یمن سے مکہ آنے والے راستہ پر پڑتی ہے۔

جیسا کہ مندرجہ بالا دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ان پانچوں مقامات کو خود ان کے باشندوں کے لئے اور دوسرے تمام علاقوں کے اُن لوگوں کے لئے جو حج یا عمرہ کے واسطے ان مقامات کی طرف۔ یہ آئیں ”میتقات“ مقرر فرمایا ہے۔ فقہائے امت کا اس پر اتفاق اور اجماع ہے کہ جو شخص حج یا عمرہ کے لئے ان مقامات میں سے کسی مقام کی طرف سے آئے اُس کے لئے ضروری ہے کہ وہ احرام باندھ کر اس مقام سے آگے بڑھے۔ احرام باندھنے کا مطلب اور اس کا طریقہ ابھی اور ذکر کیا جا چکا ہے

احرام کا لباس :-

(۱۵۶) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَلْبَسُ إِلَّا مَخْرُومًا مِنَ الثِّيَابِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَلْبَسُوا الْقَيْنِصَّ وَلَا الْعِمَائِمَةَ وَلَا السَّرَادِ بِلَاتٍ وَلَا الْبُرَانِسَ وَلَا الْخِفَاتِ إِلَّا أَحَدًا لَا يَجِدُ الثَّعْلَيْنِ وَتَلْبَسُ الْحَقَبَيْنِ وَلَيُفْطَحَهُمَا أَشْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ وَلَا تَلْبَسُوا مِنَ الثِّيَابِ شَيْئًا شَبَهَ زَعْمَرًا إِنَّ وَلَا وَدُسَّ

رواہ البخاری و مسلم (ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ۔

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ :- مخرم درج یا عمرہ کا احرام باندھنے والا کیا کیا کپڑے پہن سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ :- (حالت احرام میں) نہ تو کرتا قمیص پہننا اور نہ سر پہننا باندھنا اور نہ شلوار یا جامہ پہننا اور نہ بارانی پہننا اور نہ پاؤں میں موزے پہننا سوائے اس کے کہ کسی آدمی کے پاس پہننے کے لئے چپل جو تاحہ ہو تو وہ مجبوراً پاؤں کی حفاظت کے لئے موزے پہن لے اور ان کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ کے

جو تاسا بنا لے (آگے آپ نے فرمایا کہ حالت احرام میں) الجھابی کوئی کپڑا نہ پہنو جس کو

زعفران یا دُرس لگا ہو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں قمیص، شلوار، عمامہ وغیرہ

صرف اُن چند کپڑوں کا نام لیا ہے جن کا اس وقت رواج تھا یہی حکم ان تمام کپڑوں کا ہے جو مختلف زمانوں میں اور مختلف قوموں اور ملکوں میں ان مقاصد کے لئے استعمال ہوتے ہیں یا آئندہ استعمال ہوں گے جن مقاصد کے لئے قمیص، شلوار، عمامہ وغیرہ استعمال ہوتے تھے۔

زعفران تو معروف ہے دُرس بھی ایک خوشبودار زرد رنگ کی پتی ہے۔ یہ دونوں چیزیں چونکہ خوشبو کے لئے استعمال ہوتی تھیں اس لئے حالت احرام میں ایسے کپڑے کے استعمال کی بھی ممانعت کر دی گئی ہے جس کو زعفران یا دُرس لگی ہو۔

سوال کرنے والے شخص نے پوچھا تھا کہ: ”محرم کون سے کپڑے پہنے؟“ آپ نے جواب میں فرمایا کہ: ”فلاں فلاں کپڑے نہ پہنے“ اس جواب میں گویا آپ نے اس کی بخوبی یقین فرمائی کہ پوچھنے کی بات یہ نہیں ہے کہ محرم کون سے کپڑے پہنے؟ بلکہ یہ دریافت کرنا چاہئے کہ کس قسم کے کپڑے پہننے کی اس کو ممانعت ہے، کیونکہ احرام کا اثر یہی پڑتا ہے کہ کچھ کپڑے اور کچھ چیزیں جن کا استعمال عام حالات میں جائز ہے احرام کی وجہ سے ان کا استعمال ناجائز ہو جاتا ہے، اس لئے یہ دریافت کرنا چاہئے کہ احرام میں کن کپڑوں اور کن چیزوں کا استعمال ممنوع اور ناجائز ہو جاتا ہے۔

(۱۵۷) عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَى النَّسَاءَ فِي إِحْرَامِهِنَّ عَنِ الْقَفَازِينَ وَالْيَقَابِ وَمَا مَسَّ الْوُزُسَ وَالزَّعْفَرَانَ مِنَ الثِّيَابِ وَلَتَلْبَسَ بَعْدَ ذَلِكَ مَا أَحَبَّتْ مِنَ الْكُؤَانِ الثِّيَابِ مَعْصَرٍ أَوْ خَزٍّ أَوْ حِلْيٍ أَوْ سَرٍّ أَوْ بِلٍّ أَوْ قَيْصٍ

رواہ ابو داؤد

اَوْحَتْ

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ:-
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ منع فرماتے تھے عورتوں کو احرام
کی حالت میں دستانے پہننے سے اور چہرے پر نقاب ڈالنے اور ان کپڑوں کے
استعمال سے جن کو زعفران یا ورس لگی ہو، اور ان کے بعد اور ان کے علاوہ جو رنگین کپڑے
وہ چاہیں پہن سکتی ہیں کسمبھی کپڑا ہو یا ریشمی، اور اسی طرح وہ چاہیں تو زیور بھی پہن سکتی ہیں
اور شلوار اور قمیص اور موزے بھی پہن سکتی ہیں۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ احرام کی حالت میں قمیص، شلوار وغیرہ
سب کپڑے پہننے کی ممانعت صرف مردوں کو ہے، عورتوں کو پردہ کی وجہ سے ان سب کپڑوں کے
استعمال کی اجازت ہے اور موزے پہننے کی بھی اجازت ہے، ان دستانے پہننے کی ان کو بھی
مانعت ہے اور منہ پر نقاب ڈالنے کی بھی ممانعت ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ
وہ اجنبی مردوں کے سامنے بھی اپنے چہرے بالکل کھلے رکھیں۔ حدیث میں ممانعت چہرے پر
باقاعدہ نقاب ڈالنے کی ہے، لیکن جب اجنبی مردوں کا سامنا ہو تو اپنی چادر سے یا کسی اور چیز سے
ان کو آکر لینی چاہئے۔ سنن ابی داؤد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا
کی روایت ہے، فرماتی ہیں کہ:-

”ہم عورتیں حج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ احرام کی حالت
میں تھیں (تو احرام کی وجہ سے ہم چہروں پر نقاب نہیں ڈالتی تھیں) جب
ہمارے سامنے سے مرد گزرتے تو ہم اپنی چادر سر کے اوپر سے لٹکالیتی تھیں
اور اس طرح پردہ کر لیتی تھیں، پھر جب وہ مرد آگے بڑھ جاتے تو ہم اپنے
چہرے کھول دیتی تھیں“

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس بیان سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ احرام

کی حالت میں عورتوں کو نقاب کے استعمال کی ممانعت ہے لیکن جب اجنبی مردوں کا سامنا ہو تو چادر سے یا کسی اور چیز سے ان کو آؤ کر بینی چاہئے۔

احرام سے پہلے غسل:

(۱۵۸) عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّهُ دَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْتَزُّ ذِلًّا هَلَالِيهِ وَاغْتَسَلَ -

رواہ الترمذی و الدارمی

(ترجمہ) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے کپڑے اتارے اور غسل فرمایا احرام باندھنے کے لئے۔

.. (جامع ترمذی، مسند دارمی)

(تشریح) اس حدیث کی بنا پر احرام سے پہلے غسل کو سنت کہا گیا ہے، لیکن اگر کسی نے دو گناہ احرام پڑھنے کے لئے صرف وضو کر لیا تب بھی کافی ہے اور اس کا احرام صحیح ہوگا۔

تلبیہ احرام:

(۱۵۹) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُهَلُّ مُلَبِّدًا يَقُولُ لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَا يَزِيدُ عَلَى هَذَا

الکلیات

رواہ البخاری و مسلم (ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کو تلبیہ پڑھتے ہوئے جتنا اس حال میں کہ آپ کے سر کے بال بچے ہوئے اور مرتب طور پر لگے ہوئے تھے (جیسا کہ غسل کے بعد سر کے بالوں کا حسان ہوتا ہے)۔ آپ اس طرح تلبیہ پڑھتے تھے:۔۔۔

لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ	میں حاضر ہوں خداوند تیرے حضور حاضر ہوں
لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ	حاضر ہوں تیرا کوئی شریک راستی نہیں میں
لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ	تیرے حضور حاضر ہوں ساری حمد و شائش کا
وَالِغَنَمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ	تو ہی سزاوار ہے اور ساری نعمتیں تیری ہی ہیں
لَا شَرِيكَ لَكَ	اور ساری کائنات میں نہاں زوالی بھی بس

تیری ہی ہے تیرا کوئی شریک و سیم نہیں!

بس یہی کلمات تلبیہ میں آپ پڑھتے تھے، ان پر کسی اور کلمہ کا اضافہ نہیں فرماتے تھے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل ابراہیم (علیہ السلام) کے ذریعہ اپنے بندوں کو حج یعنی اپنے دربار کی حاضری کا بل دیا تھا (جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے) تو حج کو جانے والا بندہ جب احرام باندھ کے تیر تلبیہ پڑھتا ہے تو گویا وہ ابراہیم علیہ السلام کی اُس پکار اور اللہ تعالیٰ کے اس بل دے کے جواب میں عرض کرتا ہے کہ خداوند! تو نے اپنے دربار کی حاضری کے لئے بلوایا تھا اور اپنے خلیل علیہ السلام سے ندا دلوائی تھی۔ میں حاضر ہوں اور سر کے بل حاضر ہوں۔۔۔

(لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ ۛ)

احرام کا پہلا تلبیہ کس وقت:

(۱۶۰) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ رَجُلُهُ فِي الْغَدْرِ
وَاسْتَوَتْ بِهِ نَاقَتُهُ قَائِمَةً أَمَلًا مِنْ عِنْدِ مُسْجِدٍ
ذِي الْحَلِيفَةِ ————— رواه البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ (ذوالحلیفہ کی مسجد میں دو رکعت نماز
پڑھنے کے بعد) جب آپ مسجد کے پاس ہی ناقہ کی رکاب میں پاؤں رکھتے اور نافتہ
آپ کو لے کر سیدھی کھڑی ہو جاتی تو اس وقت آپ احرام کا تلبیہ پڑھتے

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) صحابہ کرام کی روایات اور ان کے اقوال اس بارے میں مختلف ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں احرام کا پہلا تلبیہ کس وقت اور کس جگہ
پڑھا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان (جیسا کہ اس حدیث میں بھی مذکور ہے)
یہ ہے کہ :- ذوالحلیفہ کی مسجد میں دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد آپ وہیں اپنی ناقہ پر سوار
ہوئے اور جب ناقہ آپ کو لے کر سیدھی کھڑی ہوئی تو اس وقت آپ نے پہلی دفعہ احرام کا
تلبیہ پڑھا، اور گویا اس وقت سے آپ محرم ہوئے، اور بعض دوسرے صحابہ کا بیان ہے
کہ جب آپ ناقہ پر سوار ہو کر کچھ آگے بڑھے اور مقام بیداؤ پر پہنچے (جو ذوالحلیفہ کے
بالکل قریب کسی قدر بلند میدان سا تھا) تو اس وقت آپ نے پہلا تلبیہ کہا۔ اور بعض روایات
سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ نے مسجد ذوالحلیفہ میں دو گانہ احرام پڑھا تو اسی وقت
ناقہ پر سوار ہونے سے پہلے آپ نے پہلا تلبیہ پڑھا۔ سنن ابی داؤد اور

مسند رک حاکم وغیرہ میں مشہور جلیل القدر تابعی حضرت سعید بن جبیر کا ایک بیان مروی ہے کہ
میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے صحابہ کرام کے اس اختلاف کے بارے میں
حیافت کیا تھا تو انہوں نے بتایا کہ :- ”اہل واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے مسجد ذوالحلیفہ میں دو گانہ اِحرام پڑھنے کے بعد متصل پہلا تلبیہ پڑھا تھا لیکن اس کا علم صرف ان چند لوگوں کو ہوا جو اُس وقت آپ کے قریب وہاں موجود تھے، اس کے بعد جب آپ وہیں ناقدہ پر سوار ہوئے اور ناقدہ سیدھی کھڑی ہوئی تو اس وقت پھر آپ نے تلبیہ پڑھا اور ناقدہ پر سوار ہونے کے بعد یہ آپ کا پہلا تلبیہ تھا تو جن لوگوں نے یہ تلبیہ آپ سے سنا اور پہلا نہیں سنا تھا انھوں نے سمجھا کہ پہلا تلبیہ آپ نے ناقدہ پر سوار ہو کر پڑھا۔ پھر جب ناقدہ چل دی اور مقام بیدار پر پہونچی تو پھر آپ نے تلبیہ پڑھا، تو جن لوگوں نے پہلا اور دوسرا تلبیہ آپ سے نہیں سنا تھا انھوں نے سمجھا کہ آپ نے پہلا تلبیہ اس وقت پڑھا جب آپ بیدار پر پہونچے۔ ————— حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے اصل حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔

تلبیہ بلند آواز سے پڑھا جائے:

(۱۶۱) عَنْ خَلَادِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَانِي جِبْرِئِيلٌ فَأَمَرَنِي أَنْ أَمُرُ أَصْحَابِي أَنْ يَزِفَعُوا أَصْوَاتَهُمْ بِالْأَهْلَالِ أَوِ التَّلْبِيَةِ -

————— رواہ مالک والترمذی والبخاری وابن ماجہ والدارمی

(ترجمہ) خَلَادِ بن سائب تابعی اپنے والد سائب بن خَلَادِ انصاری سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میرے پاس جبرئیل آئے اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے حکم پہونچایا کہ میں اپنے ساتھیوں کو حکم دوں کہ وہ تلبیہ بلند آواز سے پڑھیں۔

(مولا امام باقر جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

(۱۶۲) عَنْ سَعْدِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَلْتَمِسُ إِلَّا لَبَّى مَنْ عَنْ يَمِينِهِ

وَسَمَاءٍ مِنْ حَجَرٍ أَمَدٍ حَتَّى تَنْقُطَ الْأَرْضُ مِنْ

هَٰذَا زَهْرًا ————— رواہ الترمذی وابن ماجہ

(ترجمہ) حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
اللہ کا مومن و مسلم بندہ جب حج یا عمرہ کا تلبیہ پکارتا ہے (اور کہتا ہے)۔ لَبَّيْكَ
اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ اَلْم (اے تو اس کے داہنی طرف، اور بائیں طرف اللہ کی جو بھی مخلوق
ہوتی ہے خواہ وہ بے جان پتھر اور درخت یا ڈھیلے ہی ہوں وہ بھی اُس بندے کے ساتھ
لَبَّيْكَ کہتی ہیں، یہاں تک کہ زمین اس طرف اور اُس طرف سے تمام ہو جاتی ہے۔

(جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) حقیقت واضح طور پر قرآن مجید میں بیان کی گئی ہے کہ کائنات کی
ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد کرتی ہے، لیکن اس حمد و تسبیح کو انسان نہیں سمجھ سکتے —
بس اسی طرح سمجھنا چاہئے کہ لَبَّيْكَ کہنے والے صاحب ایمان بندہ کے ساتھ اُس کے
داہنے اور بائیں کی ہر چیز لَبَّيْكَ کہتی ہے، لیکن ہم انسان اس لَبَّيْكَ کو نہیں
سُن سکتے۔

تلبیہ کے بعد کی خاص دُعا:

(۱۶۳) عَنْ عُمَارَةَ بْنِ حُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ

أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ

إِذَا قَرَعَ مِنْ تَلْبِيهِ سَأَلَ اللَّهَ رِضْوَانَهُ وَالْجَنَّةَ

وَأَسْتَغْفَاهُ بِرُحْمَتِهِ مِنَ النَّارِ ————— رواہ الشافعی

(ترجمہ) علامہ بن خزیمہ بن ثابت انصاری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تلبیہ سے فارغ ہوتے (یعنی تلبیہ پڑھ کر ختم ہوتے) تو

اللہ تعالیٰ سے اس کی رضا اور جنت کی دُعا کرتے اور اس کی رحمت سے دوزخ سے خلاصی اور پناہ مانگتے۔ (مسند شافعی)

(تشریح) اس حدیث کی بنا پر علماء نے تلبیہ کے بعد ایسی دُعا کو افضل اور مسنون کہا ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے اس کی رضا اور جنت کا سوال کیا جائے اور دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگی جائے۔ ظاہر ہے کہ یمن بندہ کی سب سے بڑی حاجت اور اس کا سب سے اہم مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت نصیب ہو جائے اور اللہ کے غضب اور دوزخ کے عذاب سے اس کو پناہ مل جائے اس لئے اس موقع کی سب سے اہم اور مقدم دُعا یہی ہے، اس کے بعد اس کے علاوہ بھی جو چاہے دُعا کرے۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ رِضًاكَ وَالْجَنَّةَ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ غَضَبِكَ وَالنَّارِ۔

تَحْمَةُ الْوُدَاعِ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ کا رخصتی حج :

اس بابے میں علماء کے اختلاف رائے کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ حج کی فرضیت کا حکم کب سنہ میں آیا، اور یہ بھی لکھا جا چکا ہے کہ راجح قول یہ ہے کہ شہ ۸ میں مکہ معظمہ پر اسلامی اقتدار قائم ہو جانے کے بعد شہ ۸ میں حج کی فرضیت کا حکم آیا۔ اُس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود توجہ نہیں فرمایا لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا اور ان کی امارت میں اس سال حج ادا ہوا، اور آئندہ کے لئے چند اہم اعلانات کئے گئے جن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ آئندہ کوئی مشرک اور کافر حج میں شرکت نہیں کر سکے گا اور جاہلیت کے گمراہوں اور مشرکانہ طور طریقوں کی کسی کو اجازت نہیں ہوگی۔ غالباً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سال خود حج نہ کرنے کی خاص حکمت یہ بھی تھی کہ آپ چاہتے تھے کہ آپ کا حج ایسا مثالی حج ہو جس میں کوئی ایک آدمی بھی کفر و مشرک اور جاہلیت کے طور طریقوں سے حج کو مکہ کرنے والا نہ ہو، بلکہ

ازاول تا آخر بس نورانی نور اور خیر ہی خیر ہو پھر آپ کی دعوت و ہدایت اور تعلیم و تربیت کے نتائج کا صحیح آئینہ ہو۔۔۔۔۔ اس طرح گویا سلسلہ کا یہ حج جو صدیقی اکبر کی امارت میں ادا ہوا اگلے سال ہونے والے آپ کے حج کا پیش خیمہ اور اس کی تیاری کے سلسلہ ہی کا ایک قدم تھا۔

پھر اگلے سال سلسلہ میں جو آپ کی حیات مبارکہ کا آخری سال ہے آپ نے حج کا ارادہ فرمایا، اور چونکہ آپ کو یہ اشارہ مل چکا تھا کہ اب دنیا میں آپ کے قیام اور کام کا وقت تھوڑا ہی باقی رہ گیا ہے اس لئے آپ نے اپنے اس ارادہ حج کی خاص اہتمام سے اطلاع اور تشہیر کرائی تاکہ زیادہ سے زیادہ مسلمان اس مبارک سفر میں آپ کے ساتھ رہ کر مناسک حج اور دین کے دوسرے مسائل و احکام سیکھ سکیں اور سفر حج کی صحبت و رفاقت کی خاص برکات حاصل کر سکیں۔ چنانچہ دور و قریب کے ہزار ہا ہزار مسلمان جن کو اس کی اطلاع ہوئی اور ان کو کوئی خاص مجبوری نہیں تھی مدینہ طیبہ آگئے۔ ۲۴ ذیقعدہ کو جمعہ تھا اُس دن آپ نے خطبہ میں حج اور سفر حج کے متعلق خصوصیت سے ہدایتیں دیں اور اگلے دن ۲۵ ذیقعدہ بروز شنبہ بعد نماز ظہر مدینہ طیبہ سے عظیم الشان قافلہ روانہ ہوا، اور عصر کی نماز ذوالحلیفہ جا کر پڑھی، جہاں آپ کو پہلی منزل کرنی تھی، اور یہیں سے احرام باندھنا تھا، رات بھی وہیں گزاری اور اگلے دن کیشنبہ کو ظہر کی نماز کے بعد آپ نے اور آپ کے صحابہ کرام نے احرام باندھا اور مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہو گئے اور نویں دن ۴ ذی الحجہ کو مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔۔۔۔۔ رفقاً و سفر کی تعداد میں راستہ میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔

اس سفر میں آپ کے ساتھ حج کرنے والوں کی تعداد کے بارے میں روایات میں بہت اختلاف ہے۔ چالیس ہزار سے لے کر ایک لاکھ بیس ہزار اور ایک لاکھ تیس ہزار تک کے بیانات روایتوں میں موجود ہیں۔ اس عاجز کے نزدیک یہ اختلاف ایسا ہی ہے جیسا کہ بڑے جمعوں اور سیلوں میں شرکت کرنے والوں کی تعداد کے بارے میں لوگوں کے اندازے آج بھی مختلف ہوتے ہیں جس نے جو عدد بتایا ہے اپنے اندازے کے مطابق بتایا ہے۔

باقاعدہ حساب لگا کے اور شمار کر کے کسی نے بھی نہیں بتایا ہے، تاہم اتنی بات بطور قدرتشکر کے تمام ہی روایات میں ہے کہ مجمع بے حد و حساب تھا، مجدد نظر جاتی تھی آدمی ہی آدمی نظر پڑتے تھے۔

اس حج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر خطبے دیئے اور بالکل اس انداز سے بلکہ صاف صاف یہ آگاہی دے کے یہ خطبے دیئے کہ اب میرا وقت موعود قریب ہے اور تمہیں دین کی تعلیم و تربیت مجھ سے حاصل کرنے کا موقع اس کے بعد نہیں مل سکے گا۔ بہر حال اس پورے سفر میں آپ نے تعلیم و تلقین اور ہدایت و ارشاد کا خاص اہتمام فرمایا۔ حجۃ الوداع کے سلسلے میں جو روایات کتب حدیث میں ہیں (جن میں سے چند یہاں بھی درج کی جا رہی ہیں) ان سے حج کے مناسک و احکام اور اس کا تفصیلی طریقہ معلوم ہونے کے علاوہ دین اور شریعت کے دوسرے بہت سے ابواب اور شعبوں کے بارے میں نہایت اہم تعلیمات اور ہدایات بھی امت کو مل جاتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قریباً ایک مہینے کے اس سفر میں دین کی تعلیم و تبلیغ اور ہدایت و ارشاد کا اتنا کام ہوا، اور اتنے وسیع پیمانے پر ہوا کہ اس کے بغیر برسوں میں بھی انجام نہ پاسکتا۔ اسی سے بعض باتوفیق اکابر امت نے سمجھا ہے کہ دین اور برکات دین حاصل کرنے کا کوثر ترین ذریعہ دینی سفروں کی رفاقت اور صحبت ہے۔

اس تمہید کے بعد حجۃ الوداع کے سلسلہ میں سب سے پہلے حضرت جابر بن عبد اللہ کی حدیث صحیح مسلم سے نقل کی جاتی ہے، لیکن چونکہ یہ حدیث بہت طویل ہے اس لئے ناظرین کی سہولت فہم کے لئے اس کے ایک ایک حصہ کا ترجمہ کر کے تشریح کی جائے گی:۔

(۱۶۴) عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ دَخَلْنَا عَلَى جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ فَسَأَلْ عَنِ الْقَوْمِ حَتَّى أَتَتْهُمُ الْكَلْبُ فَكُلْتُ أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ بْنُ حُسَيْنٍ فَأَهْوَى يَمِيْدَهُ

إِلَى رَأْسِي فَزَعَزَعْتُ رَأْسِي الْأَعْلَى ثُمَّ نَزَعْتُ رَأْسِي الْأَسْفَلَ
ثُمَّ وَضَعْتُ كَفَّهُ بَيْنَ ثَدْيِي وَأَنَا يَوْمَئِذٍ غُلَامٌ شَابٌّ
فَقَالَ مَرْجَبًا بِكَ يَا بَنُ أَخِي سَلْ عَمَّا شِئْتَ فَسَأَلْتُهُ
وَهُوَ أَغْمَى وَخَضِرَ وَقُتِ الصَّلَاةُ فَقَامَ فِي نَسَاجَةٍ
مُلْتَحِفًا بِهَا حُلْمًا وَضَعَهَا عَلَى مَنْكِبَيْهِ رَجَعُ طَرَفَاهَا
إِلَيْهِ مِنْ صِغَرِهَا وَرَدَائِهِ عَلَى جَنْبِهِ عَلَى الشَّجَبِ
فَصَلَّى بِنَا فَقُلْتُ أَخْبِرْنِي عَنْ حَجَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ بِيَدِهِ فَعَقَدَ تَشْعًا فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَثَ تِسْعَ سِنِينَ لَمْ يَحْجَّ ثُمَّ
أَذَّنَ فِي النَّاسِ فِي الْعَاشِرَةِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاجٌّ فَقَدِمَ الْمَدِينَةَ بِشَرِّ كَثِيرٍ كُلُّهُمْ
يَلْتَمِسُ أَنْ يَأْتِمَرَ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَيَعْمَلَ مِثْلَ عَمَلِهِ فَخَرَجْنَا مَعَهُ حَتَّى أَتَيْنَا ذَا الْحُلَيْفَةِ
فَوَلَدَتْ أَسْمَاءُ بِنْتُ عُمَيْسٍ مُحَمَّدَ بْنَ أَبِي بَكْرٍ
فَأَزْدَلَّتْ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ
أَمْنَعُ قَالَ اغْتَسِلِي وَاسْتُغْفِرِي بِثَوْبٍ وَأَخْبِرْنِي
فَصَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ
ثُمَّ رَكِبَ الْقَمُوءَ حَتَّى إِذَا اسْتَوَتْ بِهِ نَاقَتُهُ عَلَى الْبَيْتَاءِ
نَظَرْتُ إِلَى مَدَى بَصَرِي بَيْنَ يَدَيْهِ مِنْ رَأْسِهِ وَ
مَا مِنْ وَحْنٍ يَوْمَئِذٍ مِثْلَ ذَالِكَ وَعَنْ يَسَارِهِ مِثْلُ
ذَالِكَ وَمِنْ خَلْفِهِ مِثْلُ ذَالِكَ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ أَظْهَرِنَا وَعَلَيْهِ يَنْزِلُ الْعُزَّانُ وَ
هُوَ يَعْرِفُ تَاوِيلَهُ وَمَا عَمِلَ مِنْ شَيْءٍ عَمِلْنَا بِهِ
فَاَهْلًا بِالتَّوْحِيدِ لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ
لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكُ لَا شَرِيكَ
لَكَ وَأَهْلًا النَّاسُ بِهَذِهِ الدِّينِ يُهْلُونَ بِهِ فَلَمْ يَرِدْ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ شَيْءًا مِنْهُ
وَلَزِمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَلْبِيَتَهُ —
(ترجمہ) جعفر بن محمد (جو سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے پر پوتے ہیں، اور امام
جعفر صادق کے لقب سے معروف ہیں) اپنے والد ماجد محمد بن علی (معروف بر امام باقر)
سے روایت کرتے ہیں کہ: ہم چند صاحبی جابر بن عبد اللہ کی خدمت میں پہنچے، انھوں نے
ہم سے دریافت کیا کہ ہم کون کون ہیں (ہم میں سے ہر ایک نے اپنے تعلق بتلایا) یہاں تک
کہ جب میری باری آئی تو میں نے کہا کہ میں محمد بن علی بن حسین ہوں (وہ اس وقت بہت بوڑھے
تھے اور نابینا ہو چکے تھے انھوں نے شفقت اور محبت سے) اپنا ہاتھ میرے سر پر رکھا، پھر
میرے کڑے کی اوپر والی گھنڈی کھولی، اس کے بعد نیچے والی گھنڈی کھولی، پھر اپنا ہاتھ (کڑے
کے اندر لے جاکر) میرے پیچھے پر رکھا، اور میں اُن دنوں بالکل نوجوان تھا اور (میرے آنے پر
اپنی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے) مجھ سے فرمایا: ”مَرْحَبًا بِكَ يَا ابْنَ آلِ أَبِي“ (مرحباً!)

لے محمد بن علی امام باقرؑ میں پیدا ہوئے تھے۔ اگر حضرت جابرؑ نے یہ روایات انھوں نے ۴۳، ۵۰ سال کی عمر میں بھی
کی ہو، تو اُس وقت حضرت جابرؑ کی عمر قریباً نوے سال کی ہوگی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی وفات ۴۳ سال کی عمر
میں ہوئی۔ میں مدینہ طیبہ میں ہوئی، اور مشہور قول کے مطابق اہل مدینہ میں وہ آخری صحابی تھے جن کے انتقال کے
بعد مدینہ طیبہ صحابی کے وجود سے خالی ہو گیا۔ ۱۱

اسے میرے بھتیجے، میرے بھائی حسین کی یادگار!) جو کچھ انھیں مجھ سے پوچھنا ہوئے تکلف پوچھا
 (امام باقرؑ کہتے ہیں) کہ اس اثناء میں نماز کا وقت آگیا۔ حضرت جابرؓ ایک چھوٹی سی
 چادر لپیٹے ہوئے تھے، وہ اسی میں لپیٹے ہوئے نماز کے لئے کھڑے ہو گئے، اور اس کے
 چھوٹے ہونے کی وجہ سے حالت یہ تھی کہ جب وہ اس کو اپنے مونڈھوں پر رکھتے تو
 اس کے کنارے اُٹھ کے اُن کی طرف اکباتے، حالانکہ اُن کی ردا (یعنی بڑی چادر)
 ان کے قدر بہت سی تھی۔ یہ کلمہ، نبویؐ تھی (مگر انھوں نے اُس کو اوڑھ کے مناساز پڑھنا
 ضروری نہیں سمجھا، بلکہ وہی چھوٹی سی چادر لپیٹ کر ہمیں نماز پڑھائی) نماز سے فارغ
 ہونے کے بعد میں نے کہا کہ: ”مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج (حجۃ الوداع)
 کی تفصیلات بتائیے؟“ انھوں نے ہاتھ کی انگلیوں سے ٹوکی گنتی کا اشارہ
 کرتے ہوئے مجھ سے کہا کہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ آکر نو سال تک
 کوئی حج نہیں کیا، پھر سترہ میں آپ نے اعلان کرایا کہ اس سال آپ کا ارادہ حج
 کرنے کا ہے۔ یہ اطلاع پا کر لوگ بہت بڑی تعداد میں مدینہ آ گئے۔ ہر ایک کی خواہش اُو
 آرزو یہ تھی کہ اس مبارک سفر میں آپ کے ساتھ رہ کر آپ کی پوری پوری پیروی کرے
 اور آپ کے نقش قدم پر چلے۔ (حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ:۔ پھر جب روانگی کا
 دن آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں) یہ پورا قافلہ مدینہ سے روانہ ہوا کہ
 ذوالحلیفہ آیا، اور اُس دن ہمیں قیام کیا۔ یہاں پہنچ کر ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ
 اسما بنت عمیس (جو ابوبکر صدیقؓ کی بیوی تھیں، اور وہ بھی اس قافلہ میں تھیں) ان کے
 یہاں بچہ پیدا ہوا (یعنی محمد بن ابی بکر)۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
 دریافت کرایا کہ ایسی حالت میں کیا کروں؟۔ آپ نے فرمایا کہ:۔ اسی حالت میں
 احرام کے لئے غسل کر لیں، اور جس طرح عورتیں ایسی حالت میں کپڑے کا لٹنگوٹ
 استعمال کرتی ہیں اسی طرح استعمال کریں، اور احرام باندھ لیں۔ پھر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ کی مسجد میں آخری نماز (ظہر کی) پڑھی، پھر آپ اپنی ناقہ قصواء پر سوار ہوئے، یہاں تک کہ جب ناقہ (مسجد ذوالحلیفہ سے کچھ آگے ٹھہری) بیدار ہو گئی (جو ذوالحلیفہ کے قریب ہی تھا بلندا و درجہ اربیدان ساتھا) تو میں نے اس بلندی سے ہر طرف نگاہ دوڑائی تو آگے پیچھے دائیں بائیں حد نظر تک سوارا دیر پاے آگئی ہی آدمی نظر آئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان میں تھے اور آپ پر قرآن نازل ہوتا تھا اور آپ اس کی حقیقت اور اس کا صحیح مطلب دے رہے تھے (اس لئے آپ جو کچھ بھی کرتے تھے اللہ کے حکم اور اس کی وحی کے مطابق کرتے تھے) اور ہمارا ذوق یہ تھا کہ جو کچھ آپ کو کرتے دیکھتے تھے وہی ہم بھی کرتے تھے (تو جب آپ کی ناقہ بیدار ہو گئی) اس وقت آپ نے بلند آواز سے توحید کا یہ تلبیہ کہا،

لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ
لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ
لَا شَرِيكَ لَكَ

اور آپ کے رفقا صحابہ جو تلبیہ پڑھتے تھے (جس میں بعض الفاظ کا اضافہ بھی ہوتا تھا) انھوں نے اپنا وہی تلبیہ بلند آواز سے کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے تلبیہ کی کوئی تردید اور تغلیط نہیں کی اور خود اپنا ہی تلبیہ پڑھتے رہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کے بعض صحابہ تلبیہ میں بعض تغلیطی اور تعبدی کلمات کا اضافہ کر کے پکارتے تھے، اور چونکہ اس کی اجازت اور گنجائش ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سے منع نہیں فرمایا لیکن آپ نے اپنے تلبیہ میں کوئی ایسی چیز نہیں فرمائی۔

قَالَ جَابِرٌ لَسْنَا نَسْمِعُ إِلَّا الْحَمْدَ لَسْنَا نَعْرِفُ الشُّعْرَةَ
حَتَّى إِذَا اتَيْنَا الْبَيْتَ مَعَهُ لَامَسْتَهُمُ الْوَلَكُنْ فَوَمَلْنَا ثَلَاثًا

وَمَشَى أَرْبَعًا ثُمَّ تَقَدَّمَ إِلَى مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ فَقَدَرَأَ
وَاتَّخَذَهُ قَامِنًا مَقَامَ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى فَجَعَلَ الْمَقَامَ
بَيْتَهُ وَبَيْنَ الْبَيْتِ كَانَ ابْنٌ يَقُولُ وَلَا أَعْلَمُهُ ذَكَرَهُ
إِلَّا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَهْتَرِءُ
فِي الرُّكْعَتَيْنِ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ وَقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ
ثُمَّ رَجَعَ إِلَى الرُّكْنِ فَاسْتَلَمَهُ ثُمَّ عَرَجَ مِنَ الْبَسَابِ
إِلَى الصِّفَا فَلَمَّا دَنَى مِنَ الصِّفَا قَرَأَ إِنَّ الصِّفَا وَالْمَرْوَةَ
مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ أَبَدًا أَبَدًا اللَّهُ بِهِ قَبْدَ يَا الصِّفَا قَرَأَ فِي
عَلَيْهِ حَتَّى رَأَى الْبَيْتَ فَاسْتَقْبَلَ الْعِزَّةَ فَوَحَّدَ اللَّهَ
وَكَبَّرَهُ وَقَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ
وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ
أَنْجَزَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ ثُمَّ
دَعَا بَيْنَ ذَلِكَ قَالَ مِثْلَ هَذَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ نَزَلَ
وَمِثْلَهُ إِلَى الْمَرْوَةِ فَفَعَلَ عَلَى الْمَرْوَةِ كَمَا فَعَلَ عَلَى الصِّفَا
حَتَّى إِذَا كَانَ آخِرَ طَلُوفٍ عَلَى الْمَرْوَةِ نَادَى وَهُوَ عَلَى
الْمَرْوَةِ وَالنَّاسُ تَحْتَهُ فَقَالَ لَوْلَا نِيَّ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِي
مَا اسْتَدْبَرْتُ لَمْ أَسْقِ الْهَدْيَ وَجَعَلْتُهَا عُسْرَةً فَتَسَنَّى
كَانَ مِنْكُمْ لَيْسَ مَعَهُ هَدْيٌ فَلْيَجْعَلْ وَلْيَجْعَلْهَا هُمْزَةً
فَقَامَ سُرَاقَةُ بْنُ مَالِكٍ بْنِ جُعْشِمٍ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ
إِعَايْنَا هَذَا أَمْرًا لَا يَبْدُ؟ فَتَنَبَّأَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ أَصَابِعُهُ وَاحِدَةً فِي الْأُخْرَى وَقَالَ دَخَلَتِ الْعُمْرَةُ

فِي الْحَجِّ لَا بَلَّ لِبَاسِهِ أَبَدٍ

(ترجمہ) حضرت جابرؓ نے (حجۃ الوداع کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے) بتلایا کہ اس سفر میں ہماری نیت (اصلاً) صرف حج کی تھی (مقصد سفر کی حیثیت سے) عمرہ ہمارے ذہن میں نہیں تھا، یہاں تک کہ جب ہم صفر پورا کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیت اللہ پر پہنچ گئے تو آپ نے سب سے پہلے ہجر اسود کا استلام کیا (یعنی قاعدے کے مطابق اس پر ہاتھ رکھ کے اس کو چوما، پھر آپ نے طواف شروع کیا) جس میں تین چکروں میں آپ نے رمل کیا (یعنی وہ خاص چال چلے جس میں قوت اور شجاعت کا اظہار ہوتا ہے) اور باقی چار چکروں میں اپنی عادت کے مطابق چلے، پھر (طواف کے سات چکر پورے کر کے) آپ مقام ابراہیم کی طرف بڑھے اور یہ آیت تلاوت فرمائی: ”وَاتَّخِذْ وَاٰمِنَ مَقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُمْسِكًا“ (اور مقام ابراہیم کے پاس نماز ادا کرو)۔ پھر اس طرح کھڑے ہو کر کہ مقام ابراہیم آپ کے اور بیت اللہ کے درمیان تھا آپ نے نماز پڑھی (یعنی دو گانہ طواف ادا کیا)۔ حدیث کے راوی امام جعفر صادقؓ بیان کرتے ہیں کہ:۔۔۔ میرے والد ذکر کرتے تھے کہ ان دور کھتوں میں آپ نے:۔۔۔ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ“ اور ”قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ“ کی قرأت کی۔۔۔ اس کے بعد آپ پھر ہجر اسود کی طرف واپس آئے اور پھر اس کا استلام کیا، پھر ایک دروازہ سے دسی کے لئے صفا پہاڑی کی طرف چلے گئے، اور اس کے بالکل قریب پہنچ کر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:۔۔۔ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ

۱۔ یہ استلام سہمی کے لئے تھا، جس طرح بیت اللہ کا طواف ہجر اسود کے استلام سے شروع کیا جاتا ہے
 ۲۔ اسی طرح سہمی سے پہلے بھی استلام منہن ہے۔ ۱۱

مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ“ (بلخبر صفا و مردہ اللہ کے شائر میں سے ہیں جن کے درمیان
 سہی کا حکم ہے)۔۔۔۔۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا:۔۔۔۔۔ ”میں اسی صفا سے
 سہی شروع کرتا ہوں جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں پہلے کیا ہے“۔۔۔۔۔
 چنانچہ آپ پہلے صفا پر آئے اور اس حد تک اس کی بلندی پر چڑھے کہ بیت اللہ آپ کی
 نظر کے سامنے آگیا، اُس وقت آپ قبلہ کی طرف رخ کر کے کھڑے ہو گئے اور اللہ
 کی توحید اور تکبیر و تہجد میں مصروف ہو گئے۔ آپ نے کہا:۔۔۔۔۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
 وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ
 شَيْءٍ قَدِيرٌ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا نَجْدُ وَعْدَهُ وَنَصَرَ
 عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ“ (اللہ کے سوا کوئی عبادت اور
 پرستش کے لائق نہیں، وہی تنہا معبود مالک ہے، کوئی اس کا شریک نہیں
 ساری کائنات پر اسی کی فرماں روائی ہے، اور حمد و ستائش اسی کا حق ہے، وہ ہر چیز پر
 قادر ہے، وہی تنہا مالک و معبود ہے۔ اس نے (مکہ پر اور سارے عرب پر اقتدار بخشے اور
 اپنے دین کو سر بلند کرنے کا) اپنا وعدہ پورا فرمادیا، اپنے بندے کی اس نے بھرپور مدد
 فرمائی، اور کفر و شرک کے لشکروں کو اس نے تنہا اُسی نے شکست دی)۔۔۔۔۔
 آپ نے تین دفعہ یہ کلمات فرمائے اور ان کے درمیان میں دُعا مانگی۔ اس کے بعد آپ
 اُتر کے مردہ کی طرف چلے، یہاں تک کہ جب آپ کے قدم وادی کے نشیب میں پہنچے تو
 آپ کچھ دوڑ کے چلے پھر جب آپ نشیب سے اوپر آگئے تو پھر اپنی عام رفتار کے مطابق
 چلے، یہاں تک کہ مردہ پہاڑی پر آگئے اور یہاں آپ نے بالکل وہی کیا جو صفا پر کیا تھا
 یہاں تک کہ جب آپ آخری پھیرا پورا کر کے مردہ پر پہنچے، آپ نے اپنے ہاتھ اٹھا کر
 کو مخاطب کر کے فرمایا:۔۔۔۔۔ اگر پہلے سے میرے خیال میں وہ بات آجاتی جو بعد میں
 آئی تو میں قربانی کے جانور میں سے ساتھ نہ لاتا اور اس طوافِ دومی کو جو میں نے کیا ہے

آپ میں سے جو لوگ قربانی کے جانور ساقی نہیں لائے ہیں وہ اپنے اس طواف سعی کو مستقل عمرہ قرار دے دیں اور اپنا احرام ختم کر کے حلال ہو جائیں۔ ————— آپ کا یہ ارشاد سن کر سراقہ بن مالک کھڑے ہو گئے، چونکہ وہ اب تک یہی جانتے تھے کہ حج کے مہینوں میں مستقل عمرہ کرنا سخت گناہ کی بات ہے اس لئے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ: ان دنوں میں مستقل عمرہ کرنے کا یہ حکم کیا صرف اسی سال کے لئے ہے یا اب ہمیشہ کے لئے مسئلہ یہی ہے کہ شہر حج میں مستقل عمرہ کیا جاسکتا ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اچھی طرح سمجھانے اور ان کے ذہن نشین کرنے کے لئے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر فرمایا: —————
 ”دَخَلْتَ الْعُمْرَةَ فِي الْحَجِّ“ (حج میں عمرہ اس طرح داخل ہو گیا یعنی حج کے مہینوں میں اور یا حج کے بالکل قریب بھی عمرہ کیا جاسکتا ہے، اور اس کو گناہ سمجھنے والی بات بالکل غلط اور جاہلانہ ہے، اور یہ حکم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہے۔

وَقَدْ صَرَّحَ عَنِ الْمَعْنِ بْنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 رَفُوعًا فَاطِمَةُ وَمَنْ حَلَّ وَلَيْسَتْ نِيَابًا صَبِيغًا وَانْفَلَتْ فَاذْكُرُوا
 ذَلِكَ عَلَيْهَا فَقَالَتْ إِنَّ ابْنِي أَمَرَ فِيْ (هَلْدًا) فَقَالَ لَهُ
 رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاذَا أَهَلَتْ حِينَ قَرَضْتَ الْحَجَّ

یہ وہی سراقہ ہیں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کتے سے ہجرت فرمانے کے بعد آپ کو معاذ اللہ گرفتار کرنے اور اس کا انعام حاصل کرنے کے لئے اپنے ایک غلام کی نشان دہی پر آپ کا تعاقب کیا تھا اب آپ کے قریب پہنچ جانے پر ان کی گھوڑی کے پاؤں زمین میں دھنس گئے تھے، اور ان کی درخواست پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تھی تو گھوڑی صحیح سلامت نکل آئی تھی اور یہ کہ واپس لوٹ گئے تھے۔ ————— یہ کہ مظلہ میں کفر و شرک ہی پر قائم رہے، پھر کہ مظلہ فتح ہونے کے بعد عام اہل مکہ کی طرح انھوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ ۱۲۔

قَالَ خُلْتُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَهْلٌ بِمَا أَهَلَ بِهِ رَسُولُكَ قَالَ
فَإِن مَعِيَ الْهَدْيَ فَلَا تَحِلَّ قَالَ فَكَانَ جَمَاعَةُ الْهَدْيِ
الَّذِينَ قَدِمَ بِهِ عَلَى مِنَ الْيَمَنِ وَالَّذِينَ أَتَى بِهِ الشَّيْخُ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِائَةً قَالَ تَحَلَّ النَّاسُ حُلُّهُمْ
وَقَصَّ رُؤُوسَهُمُ الشَّيْخُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ مَنْ
كَانَ مَعَهُ هَدْيٌ

(ترجمہ) اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ (جو زکوٰۃ اور دو مسکے مطالبات کی
دھولی وغیرہ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے یمن گئے ہوئے تھے) وہاں سے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی کیلئے مزید جانور لے کر مکہ معظمہ پہنچے، انھوں نے
بہنی بیوی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ وہ احرام ختم کر کے حلال ہو چکی ہیں، اور
زینب کبیرہؓ پہنچے ہوئے ہیں اور مسکیر بھی استعمال کیا ہے، تو انھوں نے ان کے
اس روتیہ کو بہت غلط سمجھا اور ناگواری کا اظہار کیا (اور ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ
حضرت علیؓ نے ان سے کہا کہ: تم کو کس نے یہ کہا تھا کہ تم احرام ختم کر کے حلال ہو جاؤ
حضرت فاطمہؓ نے کہا کہ: مجھے اباجان (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ حکم
دیا تھا (میں نے اس کی تعمیل میں ایسا کیا ہے)۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ: جب تم نے حج کی نیت کی اور تبلیہ کہہ کے احرام
باندھا تو اس وقت تم نے کیا کہا تھا؟ (یعنی افراد کے طریقے پر صرف حج کی نیت کی تھی
یا نیت کے طریقے پر صرف عمرہ کی یا تہران کے طریقے پر دونوں کی ساتھ ساتھ نیت کی تھی؟)
انھوں نے عرض کیا کہ: میں نے نیت اس طرح کی تھی کہ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَهْلٌ
بِمَا أَهَلَ بِهِ رَسُولُكَ (اے اللہ! میں احرام باندھتا ہوں اُس چیز کا جس کا
احرام باندھنا تو میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے)۔ آپ نے فرمایا کہ: میں جو کہ

قربانی کے جانور ساتھ لایا ہوں اور اس کی وجہ سے اب حج سے پہلے احرام ختم کرنے کی
میرے لئے گنجائش نہیں ہے، اور تم نے میرے جیسے احرام کی نیت کی ہے) اس لئے
تم بھی میری طرح احرام ہی کی حالت میں رہو۔۔۔۔۔ آگے حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ
قربانی کے جانور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ لے کے آئے تھے اور جو بعد میں
آپ کے لئے حضرت علیؓ بن سے لے کر آئے ان کی مجموعی تعداد سو تھی (بعض روایات سے
تفصیل یہ معلوم ہوتی ہے کہ ۶۳ اونٹ آئے تھے صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آئے تھے
اور ۳ حضرت علیؓ بن سے لائے تھے)۔۔۔۔۔ حضرت جابر نے آگے بیان کیا کہ:۔۔۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق تمام ان صحابہ نے احرام ختم کر دیا جو
قربانی کے جانور ساتھ نہیں لائے تھے اور مضامروہ کی سعی سے فارغ ہونے کے بعد اپنے
سرہن کے بال ترشوا کے وہ سب حلال ہو گئے اور جو طواف سعی انھوں نے کی تھی اس کو
مستقل عمرہ قرار دے دیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ صحابہ حالت احرام میں
رہے جو اپنی قربانیاں ساتھ لائے تھے۔

(تشریح) جن صحابہ نے آپ کی ہدایت اور حکم کے مطابق اپنا احرام ختم کیا انھوں نے
اس موقع پر بال منڈوائے نہیں بلکہ صرف ترشوائے، ایسا انھوں نے غالباً اس لئے کیا کہ منڈوانے
کی نفیلت حج کے احرام کے خاتمہ پر حاصل کر سکیں۔ واللہ اعلم

فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ تَوَجَّهُوا إِلَىٰ مَنًى فَاهْلَوْا
بِالْحَجِّ وَرَكِبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّىٰ بِهَا
الْفَلَاحَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ وَالْفَجْرَ ثُمَّ مَكَثَ
قَلِيلًا حَتَّىٰ طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَأَمَرَ بِقَبَتِهِ مِنْ شَعْرِ
تَضَرُّبٍ لَهُ بِفَرْدَةٍ فَسَارَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَلَا شَيْءَ قُوَيْشٍ إِلَّا أَقْبَهُ وَاقَعَتْ عِنْدَ الشَّعْرِ الْحَرَامِ

كَمَا كَانَتْ قُرَيْشٌ تَصْنَعُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَأَجَازَ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى أَثَى عَرَفَةَ فَوَجَدَ الْقُبَّةَ
قَدْ ضُرِبَتْ لَهُ بِمِثْرَةٍ فَاتَّزَلَ بِهَا۔

(ترجمہ) پھر جب یوم الترویہ (یعنی ۸ رزی الحج کا دن) ہوا تو سب لوگ متی جانے لگے
(اور جو صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے صفامروہ کی سعی کر کے اپنا احرام
ختم کر چکے تھے اور سلال ہو گئے تھے) انہوں نے حج کا احرام باندھا اور رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ناتھ بربھار ہو کر منیٰ کو چلے، پھر وہاں پہنچ کر آپ نے (اور
صحابہ کرام نے مسجد نبیؐ میں) انہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر پانچوں نمازیں پڑھیں، پھر
فجر کی نماز کے بعد تھوڑی دیر آپ منیٰ میں اور ٹھہرے، یہاں تک کہ جب سورج نکل آیا
تو آپ عرفات کی طرف روانہ ہوئے، اور آپ نے حکم دیا تھا کہ صوف کا بنا ہوا خیمہ
آپ کے لئے فیکس کے میں نصب کیا جائے (غمرہ دراصل وہ جگہ ہے جہاں سے آگے
عرفات کا میدان شروع ہوتا ہے) آپ کے خاندان قریش کے لوگوں کو اس کا یقین تھا
اور اس کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں تھا کہ آپ ”مشعر حرام“ کے پاس قیام
کریں گے، جیسا کہ قریش زمانہ جاہلیت میں کیا کرتے تھے (لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا
بلکہ) آپ مشعر حرام کے حدود سے آگے بڑھ کے عرفہ پہنچ گئے اور آپ نے دیکھا کہ آپ کی ہمت
نے مطابق غمرہ میں آپ کا خیمہ نصب کر دیا گیا ہے تو آپ اس خیمہ میں اتر گئے۔

(تشریح) حج کی خالص نفل و حرکت کا سلسلہ ۸ رزی الحج سے شروع ہوتا ہے جس کو
میوم الترویہ کہا جاتا ہے۔ اس دن صبح کو حجاج منیٰ کے لئے روانہ ہوتے ہیں، افراد یا قرآن
کے طریقے پر حج کرنے والے تو پہلے سے احرام کی حالت میں ہوتے ہیں، ان کے علاوہ اور حجاج
اسی دن یعنی ۸ رزی الحج کو احرام باندھ کے منیٰ کو جاتے ہیں اور نویں کی صبح تک وہیں قیام
کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ بعض صحابہ جو اپنی قربانیاں

اپنے ساتھ لائے تھے وہ تو احرام کی حالت میں تھے، باقی صحابہ جنہوں نے عمرہ کر کے احرام ختم کر دیا تھا ان سب نے آٹھویں کی صبح کو حج کا احرام باندھا اور حج کا یہ سارا قافلہ منیٰ کو روانہ ہو گیا، اور اس دن وہیں قیام کیا، اور پھر نویں کی صبح کو سورج نکلنے کے بعد عرفات کے لئے روانگی ہوئی۔ عرفات منیٰ سے قریب پانچ میل اور مکہ سے قریب ۹ میل ہے اور یہ حدودِ حرم سے باہر ہے، بلکہ اس جانب میں حرم کی سرحد جہاں ختم ہوتی ہے وہیں سے عرفات کا علاقہ شروع ہوتا ہے۔ عرب کے عام قبائل جو حج کے لئے آتے تھے وہ سب نویں ذی الحجہ کو حدودِ حرم سے باہر نکل کے عرفات میں وقوف کرتے تھے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان والے یعنی قریش جو اپنے کو کعبہ کا مجاور و متولی اور اہل حرم اللہ کہتے تھے وہ وقوف کے لئے بھی حدودِ حرم سے باہر نہیں نکلتے تھے، بلکہ اس کی حد کے اندر ہی مزدلفہ کے علاقہ میں مشعر حرام پہاڑی کے پاس وقوف کرتے تھے اور اس کو اپنا اتنا زبھتے تھے۔ اپنے اس پرانے خاندانی دستور کی بنا پر قریش کو یقین تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مشعر حرام کے پاس ہی وقوف کریں گے، لیکن چونکہ ان کا یہ طریقہ غلط تھا اور وقوف کی صبح جبکہ عرفات ہی ہے، اس لئے آپ نے منیٰ سے چلتے وقت ہی اپنے لوگوں کو ہدایت فرمادی تھی کہ: آپ کے قیام کے لئے خیمہ نیکہ میں نصب کیا جائے۔ چنانچہ اس ہدایت کے مطابق وادیِ نمرہ ہی میں آپ کے لئے خیمہ نصب کیا گیا، اور آپ وہیں جا کر اترے، اہل اس خیمہ میں قیام فرمایا۔

حَتَّىٰ إِذَا رَا عِيتَ الشَّيْءُ أَمَرَ بِالْقَصْوِ وَأَوْفَرَ حِلَّتْ

لَهُ فَأَتَى بَطْنَ النَّوَادِي فَخَطَبَ النَّاسَ وَقَالَ إِنَّ دِمَاءَكُمْ

لہ نمرہ ٹھیک وہ جگہ ہے جہاں حرم کی حد ختم ہو کر عرفات کی حد شروع ہوتی ہے۔ جو وہ مسجد نمرہ عرفات کے بالکل سرے پر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی جودوار مکہ کی جانب ہے وہ عرفات اور نمرہ کے درمیان حد فاصل ہے، حتیٰ کہ اگر خدا نہ کر دے وہ دیوار باہر کی جانب گرے تو عرفات کی حد سے باہر وادیِ نمرہ میں گرے گی۔ ۱۲۔

وَأَمْوَالُكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ حُرْمَتُ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ
هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مِنْ أَمْوَالِ الْجَاهِلِيَّةِ نَجَسٌ
قَدْ مَنَى مَوْصُوعٌ وَدِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْصُوعَةٌ وَلَمَّا أَقُولَ دَمٌ
أَضَعُ مِنْ دِمَائِنَا دُرَابَيْنِ رُبْعَةَ ابْنِ الْحَلِيفِ وَكَانَ مُسْتَرْضِعًا
فِي بَنِي سَعْدٍ فَفَعَلَهُ هَذَا يَلٌ وَرَبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْصُوعٌ
وَأَقُولُ رَبًّا أَضَعُ مِنْ رَبَانَا رِبَاعَةَ بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ
فَوَاتَهُ مَوْصُوعٌ كُلُّهُ فَاتَّقُوا اللَّهَ فِي النِّسَاءِ وَإِنَّكُمْ آخَذْتُمْ
نُسُوهُنَّ بِأَمَانٍ مِنَ اللَّهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللَّهِ
وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لَا يُوطِئَنَّ فُرُوشَكُمْ أَحَدًا تَكَرُّهُوهُ
فَإِنْ فَعَلْنَ ذَلِكَ فَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرَّحٍ وَلَهُنَّ
عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَقَدْ تَرَكَتُنَّ
فِيكُمْ مَا لَمْ يَحِلُّ بَعْدَهُ إِنْ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ كِتَابُ اللَّهِ وَانْتُمْ
تَسْأَلُونَ عَنِّي فَمَا أَنْتُمْ قَائِلُونَ؟ قَالُوا نَشْهَدُ أَنَّكَ
قَدْ بَلَغْتَ وَأَدَّيْتَ وَنَعَمْتَ فَقَالَ بِأُضْعِجِ السَّبَابَةَ
يَرْفَعُهَا إِلَى السَّمَاءِ وَيَنْكُثُهَا إِلَى الْقَاسِ اللَّهُمَّ اشْهَدْ
اللَّهُمَّ اشْهَدْ تِلْكَ مَتَاتٍ ثُمَّ أَدَّى يَلَالٌ ثُمَّ أَقَامَ
فَصَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الْعَصْرَ وَلَمْ يُصَلِّ
بَيْنَهُمَا شَيْئًا۔

(ترجمہ) یہاں تک کہ جب آفتاب ڈھل گیا تو آپ نے اپنی ناقہ صواد پر کجاوا
کئے کا حکم دیا، چنانچہ اس پر کجاوا کس دیا گیا، آپ اس پر سواہر کو راوی (دوائے غرہ)
کے درمیان آئے اور آپ نے اونٹنی کی پشت ہی پر سے لوگوں کو خطبہ یا جس میں فرمایا کہ۔

کے سودی مطالبات کے ختم اور سخت ہونے کا اعلان کرتا ہوں اب وہ کسی سے اپنا سودی مطالبہ وصول نہیں کریں گے، ان کے سارے سودی مطالبات آج ختم کر دیئے گئے۔ اور اسے لوگوں اور تہوں کے حقوق اور ان کے ساتھ بڑاؤ کے بارے میں خدا سے ڈھکوسلے کہ تم نے ان کو اللہ کی امانت کے طور پر لیا ہے اور اللہ کے حکم اور اس کے قانون سے ان کے ساتھ قبیح تمہارے لئے حلال ہوا ہے، اور تمہارا خاص حق ان پر یہ ہے کہ جس آدمی کا گھر میں آنا اور تمہاری جگہ اور تمہارے بستر پر بیٹھا تم کو پسند نہ ہو وہ اس کو اس کا موقع نہ دیں۔ لیکن اگر وہ یہ غلطی کریں تو تم تہنہ اور آئندہ سد باب کیلئے اگر کچھ سزا دینا مناسب اور مفید سمجھو، ان کو کوئی خفیف سی سزا دے سکتے ہو۔

اور ان کا خاص حق تم پر یہ ہے کہ اپنے مقدور اور حیثیت کے مطابق ان کے کھانے پہلے کا بندوبست کرو۔ اور میں تمہارے لئے وہ مسلمان ہدایت چھوڑ رہا ہوں کہ اگر تم اس سے وابستہ رہے اور اس کی پیروی کرتے رہے تو پھر بھی تم گمراہ نہ ہو گے۔ وہ ہے

”کتاب اللہ“۔ اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم سے میرے متعلق پوچھا جائے گا (کہ میں نے تم کو اللہ کی ہدایت اور اس کے احکام پہنچائے یا نہیں)۔ تو بتاؤ کہ وہاں تم کیا کہو گے اور کیا جواب دو گے؟۔ حاضرین نے عرض کیا کہ ہم گو اہی دیتے ہیں اور قیامت کے دن بھی گواہی دیں گے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام اور اس کے احکام ہم کو پہنچا دیئے اور رہنمائی اور تبلیغ کا حق ادا کر دیا اور ہمیں نیکوئی میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا۔ اس پر آپ نے اپنی انگشت شہادت آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے اور لوگوں کے مجمع کی طرف اس سے اشارہ کرتے ہوئے تین دفعہ فرمایا:۔

اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ! اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ! اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ!!! ”یعنی اے اللہ! تو گواہ رہ کہ میں نے تیرا پیغام اور تیرے احکام تیرے بندوں تک پہنچا دیئے اور تیرے یہ بندے اقرار کر رہے ہیں۔ اس کے بعد (آپ کے حکم سے) حضرت بلالؓ

نے اذان دی پھر اقامت کی، اور آپ نے ظہر کی نماز پڑھائی، اس کے بعد پھر بلالؓ نے اقامت کی اور آپ نے عصر کی نماز پڑھائی۔

(تشریح) یہ معلوم ہے کہ اس دن (یعنی اس سال وقوف عرفہ کے دن) جمعہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم نے زوال آفتاب کے بعد پہلے مندرجہ بالا خطبہ دیا، اس کے بعد ظہر اور عصر کی دونوں نمازیں (ظہر ہی کے وقت میں) ساتھ ساتھ بلا فصل پڑھیں۔ حدیث میں صاف ظہر کا ذکر ہے جس سے ظاہر ہے کہ آپ نے اس دن جمعہ کی نماز نہیں پڑھی، بلکہ اس کے بجائے ظہر پڑھی، اور جو خطبہ آپ نے دیا وہ جمعہ کا خطبہ نہیں تھا، بلکہ یوم العرفات کا خطبہ تھا۔ جمعہ نہ پڑھنے کی وجہ غالباً یہ تھی کہ عرفات کوئی آبادی اور بستی نہیں ہے، بلکہ ایک وادی اور صحرا ہے، اور جمعہ بستیوں اور آبادیوں میں پڑھا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

یوم العرفہ کے اس خطبہ میں آپ نے جو ہدایات دیں اس وقت اور اس مجمع میں انہی چیزوں کا اعلان اور تبلیغ و تلقین ضروری اور اہم تھی۔ خطبہ کے بعد آپ نے ظہر و عصر ایک ساتھ ظہر ہی کے وقت میں ادا فرمائیں اور درمیان میں سنت یا نفل کی دو رکعتیں بھی نہیں پڑھیں۔ امت کا اس پر اتنا یقین ہے کہ وقوف عرفات کے دن یہ دونوں نمازیں اسی طرح پڑھی جائیں، اور اسی طرح مغرب و عشاء اس دن مزدلفہ پہنچ کر عشاء کے وقت میں ایک ساتھ پڑھی جائیں۔ رسول اللہ ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا تھا جیسا کہ آگے معلوم ہوگا۔ اس دن ان نمازوں کا صحیح طریقہ اور ان کے صحیح اوقات یہی ہیں۔ اس کی ایک حکمت تو یہ ہو سکتی ہے کہ اس دن کا یہ امتیاز ہر خاص و عام کو معلوم ہو جائے کہ آج کے دن کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نمازوں کے اوقات میں بھی یہ تبدیلی کر دی گئی ہے۔ اور دوسری حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس دن کا اصل وظیفہ جو ذکر اور دُعا ہے اس کے لئے پوری کیسویٰ کے ساتھ بندہ فارغ رہے، اور ظہر سے مغرب تک بلکہ عشاء تک کسی نماز کی بھی فکر نہ ہو۔

آپ نے یوم العرفات کے اس خطبہ میں جو اپنے موقع اور محل کے لحاظ سے آپ کی حیثیت

کا سب سے اہم خطبہ کہا جاسکتا ہے۔ سب سے آخری بات اپنی وفات اور جدائی کے قرب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ فرمائی کہ: ”میں تمہارے لئے ہدایت و روشنی کا وہ کامل و مکمل سامان چھوڑ کر جاؤں گا جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو سکو گے بشرطیکہ تم اس سے وابستہ رہے اور اس کی روشنی میں چلتے رہے“ اور وہ ہے اللہ کی مقدس کتاب قرآن مجید۔ اس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ مرنے والے کے آخری دنوں میں جبکہ شدت مرض کی وجہ سے آپ کو سخت تکلیف تھی آپ نے بطور وصیت کے ایک تحریر لکھانے کا جو خیال ظاہر کیا تھا جس کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا کہ: ”تم اس کے بعد گمراہ نہ ہو گے“ اس میں آپ کیا لکھنا چاہتے تھے۔ حجۃ الوداع کے اس اہم خطبہ سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کتاب اللہ سے وابستگی اور اس کی پیروی کی وصیت لکھنا چاہتے تھے۔ آپ اس اہم خطبہ میں بھی بتا چکے تھے کہ یہ شان کتاب اللہ کی ہے اور چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس حقیقت سے آشنا تھے اور اللہ نے موقع پر بات کہنے کی جرأت بھی دی تھی اس لئے انھوں نے اس موقع پر یہ رائے ظاہر کی کہ آپ کی مسلسل تعلیم و تربیت سے ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ حیثیت کتاب اللہ کی ہے اس لئے اس سخت تکلیف کی حالت میں وصیت لکھنے لکھانے کی زحمت کیوں فرمائی جائے، ہمیں آپ کا پڑھایا ہوا سبق یاد ہے اور یاد رہے گا: حَسْبُنَا كِتَابُ اللَّهِ“

ثُمَّ رَكِبَ حَتَّى آتَى الْمُؤَقِفَ فَجَعَلَ بَطْنَ نَاقَتِهِ
الْقَصْوَاءَ إِلَى الصَّخْرَاتِ وَجَعَلَ حَبْلَ الْمِشَاءِ بَيْنَ يَدَيْهِ
وَأَسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَلَمْ يَزَلْ وَأَقَامَ حَتَّى غَرَبَتِ الشَّمْسُ
وَذَهَبَتِ الصُّفْرَةُ فَلْيَلًا حَتَّى غَابَ الْقُرْمُ وَأَزْدَ وَ
أَسَامَةَ وَدَفَعَهُ حَتَّى آتَى الْمُرْدَلِقَةَ فَصَلَّى بِهَا الْمَغْرِبَ
وَالْعِشَاءَ بِأَذَانٍ وَاحِدٍ وَأَقَامَتَيْنِ وَلَمْ يُسَيِّحْ بَيْنَهُمَا
شَيْئًا ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتَّى طَلَعَ الْفَجْرُ فَصَلَّى الْفَجْرَ حِينَ
تَبَيَّنَ لَهُ الصُّبْحُ بِأَذَانٍ وَأَقَامَةٍ ثُمَّ رَكِبَ الْقَصْوَاءَ

حَتَّىٰ آتَىٰ الشَّعْرَ الْحَرَامَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَدَعَاَهُ وَكَبَّرَهُ
وَهَلَّلَهُ وَوَحَّدَهُ فَلَمْ يَزَلْ وَاقِفًا حَتَّىٰ اسْفَرَ جَدُّ أَفْدَقَ قَبْلَ
أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَارْدَتِ الْفُضُولُ بْنُ عَبَّاسٍ حَتَّىٰ آتَىٰ بَطْنَ
مُحَسَّرٍ فَحَزَّكَ فَلَيْلًا ثُمَّ سَلَكَ الطَّرِيقَ الْوُسْطَىٰ الَّتِي تَخْرُجُ
عَلَى الْجُمُرَةِ الْكُبْرَى حَتَّىٰ آتَى الْجُمُرَةَ الَّتِي عِنْدَ الشَّجَرَةِ
فَرَمَا مَا بَسَجَ حَصِيَّاتٍ يُكَذِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ مِنْهَا مِثْلَ حَصَاةٍ تَحْتِ
رَمِي مِنْ بَطْنِ الْوَادِي ثُمَّ انْصَرَفَ إِلَى الْمَنْحَرِ فَحَزَّ ثَلَاثًا وَ
سِتِّينَ بُدْنَةً بِيدِهِ ثُمَّ اعْطَىٰ عَلَيْهَا فَنَحَرَ مَا غَبَرَ وَأَشْرَكَهُ
فِي هَذِيهِ ثُمَّ أَمَرَ مِنْ كُلِّ بُدْنَةٍ بِبَضْعَةٍ فَجَعَلَتْ فِي قَدِيرِ
قَطِيعَتٍ فَأَكَلَا مِنْ لَحْمِهَا وَشَرَبَا مِنْ مَرْقِهَا ثُمَّ رَجِبَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَاضَ إِلَى الْبَيْتِ فَصَلَّى
بِسُكَّةِ الظُّهْرِ فَأَتَى عَلَى بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ يَسْقُونَ عَلَى
زَمْزَمٍ فَقَالَ ائْزِعُوا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَلَوْلَا أَنْ يُغْلِبَكُمْ
النَّاسُ عَلَى سِقَايَتِكُمْ لَسَزَعْتُ مَعَكُمْ قَنَا وَلَوْهَ دَلْوًا
فَشَرِبَ مِنْهُ

رواہ مسلم

(ترجمہ) پھر (جب آپ ظہر وعصر کی نماز ایک ساتھ بلا فصل پڑھ چکے تو اپنی ناقہ پر سوار
ہو کر آپ میدانِ عرفات میں خاص وقت کی جگہ پر تشریف لائے اور اپنی ناقہ قصو واد کا
رُخ آپ نے اس طرف کر دیا جہرہ و شمر کی بڑی بڑی چٹانیں ہیں اور پیدل مجمع آپ نے اپنے
سامنے کر لیا اور آپ قبلہ رہو گئے اور وہیں کھڑے رہے یہاں تک کہ غروبِ آفتاب کا
وقت آگیا، اور (شام کے آخری وقت میں فضا جو زرد ہوتی ہے وہ) زردی بھی ختم ہو گئی،
اور آفتاب بالکل ڈوب گیا، تو آپ (عرفات سے مزدلفہ کے لئے) روانہ ہوئے، اور

اُسلد بھڑکواپنے اپنی ناقہ پر اپنے پیچھے سوار کر لیا تھا یہاں تک کہ آپ مزدلفہ آگئے
 (جو غفات سے قریب تین میل ہے) یہاں پہنچ کر آپ نے مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک ساتھ
 پڑھیں، ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ (یعنی اذان ایک ہی دفعہ کی گئی اور اقامت
 مغرب کے لئے ایک ہی گئی اور عشاء کے لئے الگ کی گئی) اور ان دونوں نمازوں کے درمیان بھی
 آپ نے سنت یا نفل کی رکعتیں بالکل نہیں پڑھیں، اس کے بعد آپ لیٹ گئے، اور
 لیٹے رہے، یہاں تک کہ صبح صادق ہو گئی اور فجر کا وقت آگیا، تو آپ نے صبح صادق کے
 ظاہر ہوتے ہی اذان اور اقامت کے ساتھ نماز فجر ادا کی، اس کے بعد آپ مشعر حرام کے
 پاس آئے (راج قول کے مطابق یہ ایک بلند ٹیلہ سا تھا مزدلفہ کے حدود میں، اب بھی یہی صورت ہے
 اور وہاں نشانی کے طور پر ایک عمارت بنا دی گئی ہے) یہاں آکر آپ قبلہ رو کھڑے ہوئے اور
 دعا اور اللہ کی تکیہ و تہلیل اور توحید و تہجد میں مشغول رہے، یہاں تک کہ خوب اچھا لہو گیا پھر
 طلوع آفتاب سے ذرا پہلے آپ وہاں سے منیٰ کے لئے روانہ ہو گئے اور اس وقت آپ نے اپنی
 ناقہ کے پیچھے فضل بن عباس کو سوار کر لیا اور چل دیئے، یہاں تک کہ جب وادی محشر کے درمیان
 پہنچے تو آپ نے اونٹنی کی رفتار کچھ تیز کر دی، پھر اس سے نکل کر اُس درمیان والے راستے سے چلے
 جو بڑے جبرہ پر پہنچتا ہے، پھر اُس جبرہ کے پاس پہنچ کر جو درخت کے پاس ہے آپ نے اس پر
 رمی کی سات سنگ ریزے اُس پر پھینک کے مارے جن میں سے ہر ایک کے ساتھ آپ تکبیر
 کہتے تھے، یہ سنگ ریزے "مخوف کے سنگ ریزوں" کی طرح کے تھے (یعنی چھوٹے چھوٹے تھے
 جیسے کہ انگلیوں میں رکھ کر پھینکے جاتے ہیں جو قریب آتے ہیں اور مڑ کے دانے کے برابر ہوتے ہیں)
 آپ نے جبرہ پر یہ سنگ ریزے (حمرہ کے قریب والی نشیبی جگہ سے پھینک کے مارے، اور
 اس رمی سے فارغ ہو کر قربان گاہ کی طرف تشریف لے گئے، وہاں آپ نے ترستھ اونٹوں کی
 قربانی اپنے ہاتھ سے کی، پھر جو باقی رہے وہ حضرت علیؑ کے حوالہ فرمادیئے ان سب کی قربانی
 انھوں نے کی، اور آپ نے ان کو اپنی قربانی میں شریک فرمایا پھر آپ نے حکم دیا کہ قربانی کے

ہر اونٹ میں سے گوشت کا ایک پارچہ لے لیا جائے، یہ سارے پارچے ایک دیگ میں ڈال کے پکائے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ دونوں نے اس میں سے گوشت کھایا اور شوربا پیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ناقہ پر سوار ہو کر طوان زیارت کیلئے بیت اللہ کی طرف چل دیئے اور ظہر کی نماز آپ نے مکہ میں جاکر پڑھی، نماز سے فارغ ہو کر (اپنے اہل خاندان) بنی عبدالمطلب کے پاس آئے جو محرم سے پانی کھینچنے کے لوگوں کو بلارہے تھے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ: اگر یہ ظہر نہ ہوتا کہ دوسرے لوگ غالب آکر تم سے یہ خدمت چھین لیں گے تو میں بھی تمہارے ساتھ ڈول کھینچتا۔ ان لوگوں نے آپ کو بھر کے ایک ڈول نرم کدیا تو آپ نے اس میں سے نوش فرمایا۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) حج کے سلسلہ کا سب سے بڑا عمل بلودین اعظم "وقوف عرفہ" ہے یعنی ہر ذی الحجہ کو بعد زوال ظہر و عصر کی نماز پڑھ کے میدان عرفات میں اللہ کے حضور میں کھڑا ہونا۔ اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وقوف کتنا طویل فرمایا تھا۔ ظہر و عصر کی نماز آپ نے ظہر کے شروع وقت ہی میں پڑھ لی تھی اور اس وقت سے لے کر غروب آفتاب تک آپ نے وقوف فرمایا اور اس کے بعد سیدھے مزدلفہ چل دیئے اور مغرب و عشا آپ نے وہاں پہنچ کر ایک ساتھ ادا فرمائیں اور جیسا کہ گزر چکا ہے اس دن کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

مزدلفہ کی اس رات میں آپ نے عشا سے فارغ ہو کر فجر تک آرام فرمایا، اور اس رات تہجد یکسر ناعہ کیا، دو کعتیں بھی نہیں پڑھیں (حالانکہ تہجد آپ سفر میں بھی ناعہ نہیں کرتے تھے) اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ نویں کے پورے دن آپ سخت مشغول رہے تھے۔ صبح کو منیٰ سے چل کر عرفات پہنچے، جہاں پہلے خطبہ دیا، پھر ظہر و عصر کی نماز پڑھی، اور اس کے بعد سے مغرب تک مسلسل وقوف فرمایا، پھر اسی وقت عرفات سے مزدلفہ تک کی مسافت طے کی، گویا فجر سے لے کر عشا تک مسلسل حرکت اور مشقت، اور اگلے دن ارذی الحجہ کو بھی اسی طرح مشغول رہنا تھا، یعنی صبح کو مزدلفہ سے چل کر منیٰ پہنچنا، وہاں جا کر پہلے رمی کرنا، اس کے بعد صرف ایک یا دو یا دس بیس نہیں بلکہ ساٹھ سے

بھی اور اونٹوں کی قربانی اپنے ہاتھ سے کرنا، اس کے بعد طواف زیارت کے لئے منیٰ سے مکہ جانا اور وہاں سے پھرتی واپس آنا۔ بہر حال نویں اور دسویں ذی الحجہ کا پُر و گرام چونکہ اس قدر بھرا ہوا اور پُرمشقت تھا، اس لئے ان دونوں کی مزدلفہ والی درمیانی رات میں پوری طرح آرام فرمانا ضروری تھا، جسم اور جسمانی قوتوں کے بھی کچھ حقوق ہیں اور ان کی رعایت خاص کر ایسے عام جمعوں میں ضروری ہے، تاکہ سہولت اور رعایت کا پہلو بھی عوام کے علم میں آئے، اور وہ شریعت کے صحیح اور معتدل مزاج کو سمجھ سکیں۔ واللہ اعلم

اس حدیث میں صراحتاً مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترستھ اونٹ اپنے ہاتھ سے قربان کئے، یہ غالباً وہی ترستھ تھے جو آپ مدینہ طیبہ سے اپنے ساتھ قربانی کے لئے لائے تھے، باقی سینتیس جو حضرت علی بن ابی طالب سے لائے تھے وہ آپ نے انہی کے ہاتھ سے قربان کرائے، ترستھ کے عدد کی حکمت بالکل کھلی ہوئی ہے کہ آپ کی عمر شریف ترستھ سال تھی، گویا زندگی کے ہر سال کے شکر میں آپ نے ایک اونٹ قربان کیا۔ واللہ اعلم

آپ نے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی قربانی کے اونٹوں کا گوشت پکوا کے کھایا، اور شوربا پیا، اس سے یہ بات سب کو معلوم ہو گئی کہ قربانی کرنے والا اپنی قربانی کا گوشت خود بھی کھا سکتا ہے اور اپنے اعزہ کو بھی کھلا سکتا ہے۔

۱۰ ذی الحجہ کو قربانی سے فارغ ہونے کے بعد آپ طواف زیارت کے لئے مکہ معظمہ تشریف لگئے مسنون اور بہتر یہی ہے کہ طواف زیارت قربانی سے فارغ ہونے کے بعد ۱۰ ذی الحجہ ہی کو کر لیا جائے، اگرچہ تاخیر کی بھی اس میں گنجائش ہے۔

زرم کا پانی کھینچ کھینچ کے حجاج کو بلانا یہ خدمت اور سعادت زمانہ قدیم سے آپ کے گرانے نبی عبدالمطلب ہی کے حصے میں تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف زیارت سے فارغ ہونے کے بعد زرم پر تشریف لائے، وہاں آپ کے اہل خاندان ڈول کھینچ کھینچ کے لوگوں کو اس کا پانی پلا رہے تھے، آپ کا بھی جی چاہا کہ اس خدمت میں کچھ حصہ لیں، لیکن آپ نے بالکل صحیح سوچا کہ

جب آپ ایسا کریں گے تو آپ کے اتباع اور تقلید میں آپ کے سارے رفقا بھی اس سعادت میں حصہ لینا چاہیں گے، اور پھر بنی عبدالمطلب جن کا یہ قدیمی حق ہے وہ محروم ہو جائیں گے، اس لئے آپ نے اپنے اہل خاندان کی دلداری اور اظہارِ تعلق کے لئے اپنی دلی خواہش کا اظہار تو فرمادیا، مگر ساتھ ہی وہ مصلحت بھی بیان فرمادی جس کی وجہ سے آپ نے اپنی اس دلی خواہش کے مستربان کر دینے کا فیصلہ کیا تھا۔

جیسا کہ شروع میں ذکر کیا گیا تھا حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث حجۃ الوداع کے بیان میں سب سے زیادہ طویل اور مفصل حدیث ہے، لیکن پھر بھی بہت سے واقعات کا ذکر اس میں چھوٹ گیا ہے، یہاں تک کہ حلق اور دسویں تاریخ کے خطبہ کا بھی اس میں ذکر نہیں آیا ہے جو دوسری حدیثوں میں مذکور ہے۔

حضرت جابرؓ کی اس حدیث کے بعض راویوں نے اسی حدیث میں یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی اعلان فرمایا کہ :

نَحَرْتُ هَهُنَا وَ مِثْنَى	میں نے قربانی اس جگہ کی ہے لیکن مِثْنَى کا
كُلُّهَا مَنَحَرٌ فَانْحَرُوا	سارا علاقہ قربانی کی جگہ ہو اس لئے تم سب
فِي رِحَالِكُمْ وَ وَقَفْتُ	لوگ اپنی اپنی جگہ قربانی کر سکتے ہو، اور
هَهُنَا وَ عَرَفَةُ كُلُّهَا	میں نے عرفات میں وقوف یہاں (بشعر کی
مَوْقِعٌ وَ وَقَفْتُ هَهُنَا	بڑی بڑی چٹانوں کے قریب کیا ہے) اور
وَ جَمَعْتُ كُلُّهَا مَوْقِعٌ -	سارا عرفات وقوف کی جگہ ہے (اس کے
(رواہ مسلم)	جس حصہ میں بھی وقوف کیا جائے صحیح ہے)

اور میں نے مزدلفہ میں یہاں (شعر حرام کے قریب) قیام کیا اور سارا حذر دلفہ موقوف ہے (اس کے جس حصے میں بھی اس رات میں قیام کیا جائے صحیح ہے)۔

(۱۶۵) عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَحَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
عَنْ نِسَائِهِ بَقْرَةً فِي حَجَّتِهِ ————— رواه مسلم
(ترجمہ) حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے اپنے حج میں اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے گائے کی قربانی فرمائی۔

(صحیح مسلم)

(۱۶۶) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ أَمَرَني رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
أَنْ أَقُومَ عَلَى بُدْنِهِ وَأَنْ أَتَصَدَّقَ بِلَحْمِهَا وَجُلُودِهَا
وَأَحِلَّتْهَا وَأَنْ لَا أُعْطِيَ الْجَزَارَ مِنْهَا قَالَ نَحْنُ نُعْطِيهِ
مِنْ عِنْدِنَا ————— رواه البخاری و مسلم
(ترجمہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
مجھے حکم دیا کہ آپ کی قربانیوں کا انتظام و انصرام کروں اور ان کا گوشت اور کھالیں اور
جھولیں صدقہ کر دوں اور قصاب کو بطور اجرت اور حق المحنت کے ان میں سے کوئی چیز
نہ دوں آپ نے فرمایا کہ ہم ان کو اجرت الگ اپنے پاس سے دیں گے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۱۶۷) عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَى مِثْلَ
خَاتِي الْجُمُوعَةِ فَرَمَاهَا ثُمَّ أَتَى مَازِلَهُ مِثْلَ مِثْلِي وَنَحَرَ نُسْكَهَ
ثُمَّ دَعَا بِأَخْلَاقٍ وَنَاولَ الْحَالِقَ شِقَّةً الْأَيْمَنَ فَحَلَقَهُ
ثُمَّ دَعَا بِأَبْطَلَحَةَ الْأَنْصَارِيِّ فَأَعْطَاهُ آيَاةَ شَمِّ نَاولَ
الشَّقِّ الْأَيْسَرَ فَقَالَ إِنْ خُلِقَ فَحَلَقَهُ فَأَعْطَاهُ أَبْطَلَحَةَ
فَقَالَ إِنْ قَسِمَهُ بَيْنَ النَّاسِ ————— رواه البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(دارزی الحجہ کی صبح کو مزدلفہ سے) منیٰ تشریف لائے تو پہلے حجرۃ العقیقہ پر پہنچ کر اس کی جی کی پھر آپ اپنے خیمہ پر تشریف لائے اور قربانی کے جانوروں کی قربانی کی، پھر آپ نے حجام کو طلب فرمایا اور پہلے اپنے سر مبارک کی داہنی جانب اُس کے سامنے کی، اُس نے اس جانب کے بال موڈے۔ آپ نے ابو طلحہ انصاری کو طلب فرمایا اور وہ بال ان کے چوٹے کر دیئے، اس کے بعد آپ نے اپنے سر کی بائیں جانب حجام کے سامنے کی اور فرمایا کہ اب اس کو بھی موڈ دو، اُس نے اس جانب کو بھی موڈ دیا، تو آپ نے وہ بال بھی ابو طلحہ ہی کے حوالے فرما دیئے اور ارشاد فرمایا کہ :- ان بالوں کو لوگوں کے درمیان تقسیم کر دو۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی سند رجہ بالا مفصل حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر منڈوانے کا یہ واقعہ ذکر سے چھوٹ گیا ہے، حالانکہ یہ حج کے سلسلے کے دسویں ذی الحجہ کے خاص اعمال اور مناسک میں سے ہے۔

جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا، حلق (سر منڈوانے) کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ پہلے داہنی جانب کے بال صاف کرائے جائیں پھر بائیں جانب کے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر اپنے بال ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائے۔ یہ ابو طلحہ آپ کے خاص مجبین اور فدائیوں میں سے تھے، غزوہ اُحُد میں حضور کو کافروں کے حملے سے بچانے کے لئے انھوں نے اپنا جسم تیروں سے پھینکی کر لیا تھا، اس کے علاوہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راحت و آرام اور آپ کے ہاں آنے والے حمانوں کا بھی یہ بڑا خیال رکھتے تھے۔ الغرض اس قسم کی خدمتوں میں ان کا اور ان کی بیوی اُمّ سلیم (والدہ انس) کا ایک خاص مقام تھا۔ غالباً ان کی انہی خصوصی خدمات کی وجہ سے آپ نے سر مبارک کے بال ان کو مرحمت فرمائے اور دوسروں کو بھی انہی کے ہاتھوں سے تقسیم کرائے۔

یہ حدیث اہل اللہ اور صالحین کے تبرکات کے لئے بھی واضح اصل اور بنیاد ہے۔

بہت سے مقامات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ”سوئے بُتِ ارک“ بتائے جاتے ہیں اُن میں سے جن کے بارے میں قابلِ اعتماد تاریخی ثبوت اور سند موجود ہے، غالب گمان یہ ہے کہ وہ حجۃ الوداع کے تقسیم کئے ہوئے انہی بالوں میں سے ہوں گے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو طلحہؓ نے لوگوں کو ایک ایک دو دو بال تقسیم کئے تھے، اس طرح ظاہر ہے کہ وہ ہزاروں صحابہ کرام کے پاس پہنچے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے، اور ان کے انتقال کے بعد اُن کے اصلاخ نے اس مقدس تبرک کی حفاظت کا کافی اہتمام کیا ہوگا، اس لئے اُن میں سے بہت سے اگر اب تک بھی کہیں کہیں محفوظ ہوں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ لیکن قابلِ اعتماد تاریخی ثبوت اور سند کے بغیر کسی بال کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ”سوئے بُتِ ارک“ قرار دینا بڑی سنگین بات اور گناہِ عظیم ہے، اور بہر حال (اصلی ہو یا فرضی) اس کو اور اس کی زیارت کو ذریعہ تجارت بنانا جیسا کہ بہت سی جگہوں پر ہوتا ہے بدترین جرم ہے۔

(۱۶۸) عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي حَجَّةِ الْوِدَاعِ اللَّهُمَّ اذْخِمْ الْمُحَلِّقِينَ قَالُوا وَالْمُقَصِّرِينَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ اللَّهُمَّ اذْخِمْ الْمُحَلِّقِينَ قَالُوا وَالْمُقَصِّرِينَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ وَالْمُقَصِّرِينَ۔

رواہ البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں فرمایا: اللہ کی رحمت ہو اُن پر جنہوں نے یہاں اپنا سر منڈوایا، حاضرین میں سے بعض نے عرض کیا: یا رسول اللہ! رحمت کی یہی دعا، بالِ ترشوانے والوں کے لئے بھی فرمادیجئے؟ آپ نے دوبارہ ارشاد فرمایا کہ: اللہ کی رحمت ہو سر منڈوانے والوں پر، اُن لوگوں نے پھر وہی عرض کیا، تو دوسری دفعہ آپ نے فرمایا کہ: اور اُن لوگوں پر بھی اللہ کی رحمت ہو جنہوں نے یہاں بالِ ترشوا

میں بخاری و مسلم

(تشریح) عادت یا ضرورت کے طور پر بال منڈوانا یا ترشوانا کوئی عبادت نہیں ہے لیکن حج و عمرہ میں جو بال منڈوائے یا ترشوائے جاتے ہیں یہ بندہ کی طرف سے عہدیت اور تذلل کا ایک اظہار ہے اس لئے خاص عبادت ہے اور یہی عبادت ہے منڈوانا یا ترشوانا پانچ روز اور چونکہ عہدیت اور تذلل کا اظہار منڈوانے میں زیادہ ہوتا ہے اس لئے وہی افضل ہے اور اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعائے رحمت میں اس کو ترجیح دی۔ واللہ اعلم

(۱۶۹) عَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ خَطَبَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ التَّحْرِيقِ قَالَ إِنَّ الزَّمَانَ إِشْتَدَّ أَذْكَهُنَّ يَوْمَ خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ السَّنَةُ إِثْنَتَى عَشْرَ شَهْرًا مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرْمَةٌ ثَلَاثُ مُتَوَالِيَاتٍ دُوَالْقَعْدَةِ وَدُوَالْحِجَةِ وَالتَّحَرُّمِ وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِي بَيْنَ حُمَادَى وَشُعْبَانَ وَقَالَ أَمَّا شَهْرُ هَذَا أَقْلُنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ قَالَ أَلَيْسَ ذَا الْحِجَةِ قُلْنَا بَلَى قَالَ أَمَّا ثَلَاثُ هَذِهِ أَقْلُنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ قَالَ أَلَيْسَ الْبَلَدُ قُلْنَا بَلَى قَالَ فَأَمَّا يَوْمُ هَذَا أَقْلُنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ قَالَ أَلَيْسَ يَوْمَ التَّحْرِيقِ قُلْنَا بَلَى قَالَ فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا إِنْ بَلَدِكُمْ هَذَا إِنْ شَهْرِكُمْ هَذَا أَوْ سَلَقْتُمْ رَبَّكُمْ فَمِنْكُمْ مَنْ أَعْمَاكُمْ أَلَا فَلَا تَرْجُوا بَعْدِي ضَلَالًا يَضُرُّكُمْ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ قَالُوا

آج کے جہانگ اور مقدس مہی میں خاص اس شہر اور اس مینہ میں تم کسی کی جان لینا یا اس کا
 مال یا اس کی آبرو میں ملوث نہ ہو (بالکل اسی طرح یہ باتیں تمہارے واسطے ہمیشہ کے لئے
 حرام ہیں) ——— اس کے بعد آپ نے فرمایا:۔ اور غریب (مرنے کے بعد آخرت میں)
 اپنے پیر و گار کے سامنے تمہاری پیشی ہوگی اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی بابت سوال کرے گا۔
 دیکھو میں خبردار کرتا ہوں کہ تم میرے بعد ایسے گمراہ نہ ہو جانا کہ تم بس سے بعض مین کی گزریں
 مارنے لگیں ——— (اس کے بعد آپ نے فرمایا) بتاؤ کیا میں نے اللہ کا پیغام تم کو
 پہنچا دیا؟ سب نے عرض کیا کہ: بیشک آپ نے تبلیغ کا حق ادا فرمادیا۔ (اس کے بعد
 آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر کہا): اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ (اے اللہ! کو گواہ رہ)۔
 (اس کے بعد آپ نے حاضرین سے فرمایا): جو لوگ یہاں حاضر اور موجود ہیں (اور انہوں نے
 میری بات سنی ہے) وہ ان لوگوں کو بچھلو جو یہاں موجود ہیں۔ ہر ایک وہ لوگ
 جن کو کسی سُننے والے سے بات پہنچے اس سننے والے سے زیادہ یاد رکھے والے ہوتے ہیں
 (اور وہ اس علم کی امانت کا حق زیادہ ادا کر رہے ہیں) ——— (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس خطبہ نبوی کے ابتدائی حصے میں زمانہ کے گھوم بھر کے اپنے اصلی ابتدائی
 حیثیت پر آجانے کا جو ذکر ہے اس کا مطلب کہنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ جاہلیت میں اہل عرب
 کا ایک گمراہانہ دستور اور طریقہ یہ بھی تھا کہ وہ اپنی خاص مصلحتوں کے تحت کبھی کبھی سالانہ نیز قریبے کا
 قرائدے مہیے تھے اور اس کے لئے ایک مینہ کو مکرر مان لیتے تھے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ مینوں
 کا سارا نظام غلط اور حقیقت کے خلاف تھا اس لئے حج جو ان کے حساب سے دی الجہم میں ہوتا تھا
 وہ اصل ذی الحجہ میں نہیں ہوتا تھا لیکن جاہلیت کے پچاسوں یا سینکڑوں برس کے چکر کے بعد
 ایسا ہوا کہ ان اہل عرب کے حساب سے مثلاً جو محرم کا مینہ تھا وہی اصل آسمانی حساب سے بھی
 محرم کا مینہ تھا، اسی طرح جو اہل عرب کے حساب سے ذی الحجہ کا مینہ تھا وہی اصل آسمانی حساب سے
 ذی الحجہ کا مینہ تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کے ابتدائی حصے میں یہی بات فرمائی ہے اور یہ بتلایا ہے کہ یہ ذی الحجہ میں یہ حج ادا ہو رہا ہے اصل آسمانی حساب سے بھی ذی الحجہ ہی ہے اور سال بارہ ہی مہینہ کا ہوتا ہے اور آئندہ صرف یہی اصل اور حقیقی نظام چلے گا۔

خطبہ کے آخر میں آپ نے خاص وصیت و ہدایت اُمت کو یہ فرمائی کہ میرے بعد باہم جدال و قتال اور خانہ جنگی میں مبتلا نہ ہو جانا اگر ایسا ہو تو یہ انسانی گمراہی کی بات ہوگی۔۔۔ اسی خطبہ کی بعض روایات میں حُذْرًا لَكُمْ بَعَائِنَ الْكُفَّارِ کا لفظ آیا ہے جس کا مطلب ہو گا کہ باہم جدال و قتال اور خانہ جنگی اسلام کے مقاصد اور اس کی روح کے بالکل خلاف کا منہ رانہ روتیہ ہو گا اور اگر اُمت اس میں مبتلا ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اس نے اسلامی روتیہ کے بجائے کافرانہ طرزِ عمل اختیار کر لیا۔

امت کو یہ آگاہی آپ نے بہت سے اہم حلیوں میں دی تھی اور غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ پر کسی درجہ میں شکست ہو چکا تھا کہ شیطان اس امت کے مختلف طبقوں کو باہم لڑا دے اور ہر طرف کانے میں بہت کچھ کامیاب ہو گا۔۔۔ اِنَّكَ اَنْتَ الَّذِیْ فَتَنَ النَّاسَ فَاَنْتَ خَيْرٌ مِّنْهُمْ اِنْ كُنْتَ عَلٰیٰ حَقٍّ۔۔۔

حج کے اہم افعال و ارکان:

حجۃ الوداع کے سلسلہ میں حج کے قریباً سارے ہی اعمال و مناسک کا ذکر واقعہ کی شکل میں آچکا ہے اب الگ الگ اُس کے اہم افعال و ارکان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات اور آپ کا طرزِ عمل معلوم کرنے کے لئے مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھئے۔۔۔

مکہ میں داخلہ اور پہلا طواف:

مکہ معظمہ کو اللہ تعالیٰ نے کبڑہ مکرمہ کی نسبت سے جو خاص شرف بخشا ہے اور اس کو بَلَدُ اللہ الحرام اور مکہ کریم قرار دیا ہے اس کا لازمی تقاضا ہے کہ اس میں داخلہ اہتمام اور

احترام کے ساتھ ہوا، اور اُس کے بعد کعبہ مقدسہ کا حق ہے کہ سب سے پہلے اس کا طواف کیا جائے اور پھر اسی کعبہ کے ایک گوشہ میں جو ایک خاص مبارک پتھر (حجر اسود) لگا ہوا ہے (جس کو اللہ تعالیٰ سے اور جنت سے خاص نسبت ہے) اس کا حق ہے کہ طواف کا آغاز اُدب اور محبت کے ساتھ اُس کے استلام سے کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا، اور صحابہ کرام نے آپ سے یہی سیکھا تھا۔

(۱۶۰) عَنْ نَافِعٍ قَالَ رَأَى ابْنَ عُمَرَ كَانَ لَا يَقْدِرُ مَكَّةَ إِلَّا بَاتَ بَيْنَ يَدَيْ طُحُوفٍ حَتَّى يُصْبِحَ وَيَعْتَسِلَ وَيُصَلِّيَ فَيَدْخُلُ مَكَّةَ نَهَارًا وَإِذَا نَفَرَ مِنْهَا مَرَّ بَيْنَ يَدَيْ طُحُوفٍ وَيَا بَاتَ بِهَا حَتَّى يُصْبِحَ وَبَذَلَ كُرْأَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْعُدُ ذَلِكَ
 (ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے خادم اناج سے روایت ہے کہ۔۔۔
 عبداللہ بن عمر جب بھی مکہ آئے تو اس میں داخلہ سے پہلے رات دی طحویٰ میں گزارتے (جو مکہ کے قریب ایک ہی جگہ) یہاں تک کہ صبح ہونے پر غسل کرتے اور نماز پڑھتے، اور اس کے بعد دن کے وقت میں کہ صبح میں داخل ہوتے، اور جب مکہ معظمہ سے واپس لوٹتے تو بھی دی طحویٰ میں رات گزار کے صبح کو وہاں سے روانہ ہوتے، اور عبداللہ بن عمر بتاتے تھے کہ۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور بھی یہی تھا

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۱۶۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَدِمَ مَكَّةَ أَتَى الْحَجَرَ فَاسْتَلَمَهُ ثُمَّ مَشَى عَلَى يَمِينِهِ فَرَمَلَ ثَلَاثًا وَمَشَى أَرْبَعًا۔

رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ چوتھے تو سب سے پہلے حجر اسود پر آئے اور اس کا استلام کیا، پھر آپ نے دائیں طرف سے طوان کیا، جس میں پہلے تین چکروں میں آپ نے رمل کیا، اور اس کے بعد چار چکروں میں آپ اپنی عادی رفتار سے پہلے ————— (صحیح مسلم)

(تشریح) ہر طوان حجر اسود کے استلام سے شروع ہوتا ہے، استلام کا مطلب ہے حجر اسود کو چومنا، یا اس پر اپنا ہاتھ رکھ کر، یا ہاتھ اس کی طرف کر کے اپنے اس ہاتھ ہی کو چوم لینا۔ بس یہ استلام کر کے طوان شروع کیا جاتا ہے، اور ہر طوان میں خانہ کعبہ کے سات چکر لگائے جاتے ہیں۔

دَکَلُ ایک خاص انداز کی چال کو کہتے ہیں جس میں طاقت و قوت کا اظہار ہوتا ہے روایات میں ہے کہ سترہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ عمرہ کے لئے مکہ معظمہ پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے آپس میں کہا کہ یشرب یعنی مدینہ کی آب و ہوا کی خرابی اور بخار وغیرہ وہاں کی بیماریوں نے ان لوگوں کو کمزور اور دُبلّا چلا کر دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ بات پہنچی تو آپ نے حکم دیا کہ طوان کے پہلے تین چکروں میں دَکَل کی چال چلی جائے، اور اس طرح طاقت و قوت کا مظاہرہ کیا جائے، چنانچہ اسی پر عمل کیا گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو اس وقت کی یہ ادا ایسی پسند آئی کہ اس کو مستقل ثنّت قرار دے دیا گیا۔ اب یہی طریقہ جاری ہے کہ حج یا عمرہ کرنے والا جو پہلا طوان کرتا ہے جس کے بعد اس کو صفا، تروہ کے بعد بیان سعی بھی کرنی ہوتی ہے اس کے پہلے تین چکروں میں رمل کیا جاتا ہے، اور باقی چار چکر اپنی عادی رفتار سے کئے جاتے ہیں۔

(۱۶۲) عَنْ ابْنِ هُرَيْرَةَ قَالَ أَقْبَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ مَكَّةَ فَأَقْبَلَ إِلَى الْحَجَرِ فَلَمَسَهُ ثُمَّ طَافَ بِالنَّبْتِ ثُمَّ أَقْبَلَ الصَّفَا فَعَلَّاهُ حَتَّى يُمْطَرُ

لیکن ان دونوں بیانوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں مکہ معظمہ پہنچنے کے بعد پہلا طہوان پیادہ پا کیا تھا جسے حضرت جابرؓ نے اسی کا ذکر کیا ہے، اور اس کے بعد دسویں ذی الحجہ کو منیٰ سے مکہ آکر جو طہوان کیا تھا وہ اونٹ پر کیا تھا، تاکہ سوالات کرنے والے آپ سے سوالات کر سکیں، گویا آپ کی اونٹنی اُس وقت آپ کے لئے منبر بنی ہوئی تھی اور غالباً اپنے عمل سے اس کا اظہار بھی مقصود تھا کہ خاص حالات میں سواری پر بھی طہوات کیا جاسکتا ہے۔ واللہ اعلم

(۱۴۴) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ شَكَّوتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَنِي أَشْتَكِي فَقَالَ طَوَّوْنِي مِنْ وَرَاءِ النَّاسِ رَاكِبَةً فَطَفْتُ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي إِلَى جَنْبِ الْبَيْتِ يَقْرَأُ بِالطُّورِ وَكِتَابِ مَنْطُورِ

(ترجمہ) حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ (حجۃ الوداع میں) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:۔ مجھے بیماری کی تکلیف ہے (میں طہوان کیسے کروں؟) آپ نے فرمایا کہ: تم سوار ہو کر لوگوں کے پیچھے پیچھے طہوان کرو، تو میں نے اسی طرح طہوان کیا، اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے پیلوں میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، اور اس میں سورۃ طور تلاوت فرما رہے تھے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۱۴۵) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نَذْكُرُ إِلَّا الْحَجَّ فَلَمَّا كُنَّا بِسَرِفٍ طَوَّيْتُ فَدْخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا أَبْكِي فَقَالَ لَعَلَّكَ نَفْسٌ قُلْتُ بَعَمَّ قَالَ فَإِنَّ ذَلِكَ شَيْءٌ كَتَبَهُ اللَّهُ

عَلَى بَنَاتِ آدَمَ مَا فَعَلَى الْحَاجَةِ غَيْرَ أَنْ لَا تَطُوفِي
بِالْبَيْتِ حَتَّى تَطْهُرِي

رواہ البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم لوگ (حجۃ الوداع والے سفر میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ سے چلے۔ ہماری زبانوں پر بس کچھ ہی ذکر تھا، یہاں تک کہ جب (مکہ کے باطل قریب) مقام سرف پر پہنچے (جہاں سے مکہ صرت ایک منزل رہ جاتا ہے) تو میرے وہ دن شروع ہو گئے جو عورتوں کو ہر مہینے آتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (خیم میں) تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ میں ٹھجی ہو رہی ہیں۔ آپ نے فرمایا:۔ شاید تمہارے ماہواری ایام شروع ہو گئے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ:۔ ہاں ایسی بات ہے۔ آپ نے فرمایا:۔ (رونے کی کیا بات ہے) یہ تو ایسی چیز ہے جو اللہ نے آدم کی بیٹیوں (یعنی سب عورتوں) کے ساتھ لازم کر دی ہے، تم وہ سارے عمل کرتی رہو جو حاجیوں کو کرنے ہوتے ہیں سوائے اس کے کہ بیت اللہ کا طواف اس وقت تک نہ کرو جب تک کہ اس سے پاک صاف نہ ہو جاؤ۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۱۶۶) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَالَ الطَّوَافُ حَوْلَ الْبَيْتِ مِثْلُ الصَّلَاةِ إِلَّا أَنْتُمْ
تَتَكَلَّمُونَ فِيهِ فَمَنْ تَكَلَّمَ فِيهِ فَلَا يَتَكَلَّمَنَّ إِلَّا بِخَيْرٍ۔

رواہ الترمذی و النسائی و الطبرانی

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ بیت اللہ کا طواف نماز کی طرح کی عبادت ہے، بس یہ فرق ہے کہ طواف میں تم کو باتیں کرنے کی اجازت ہے، تو جو کوئی طواف کی حالت میں کئی بات کرے تو نیکی اور بھلائی ہی کی بات کرے (لغو و فضول یا ناجائز باتوں سے طواف کو

مکدر نہ کرے) ————— (جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن دارمی) —

(۱۷۷) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ مَسْعَا (الْمَجْرَى) لَا سَوْجَ وَاللَّيْلِ أَيْمَانِي (كُفَّارَةٌ) لِلْخَطَايَا وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ مَنْ طَافَ بِهَذِهِ الْبَيْتِ أَسْبَغَ مَا فَاخْصَاهُ كَانَ كَعِشْقِ رَقَبَةٍ وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ لَا يَضَعُ قَدَمًا وَلَا يَرْفَعُ أُخْرَى إِلَّا حَطَّ اللَّهُ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةً وَكَتَبَ لَهُ بِهَا حَسَنَةً ————— رواه الترمذی

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ: مجھ کو سودا اور کن یا ان دونوں پر ہاتھ پھیرنا گناہوں کے کفارہ کا ذریعہ ہے۔ اور میں نے آپ سے یہ بھی سنا آپ فرماتے تھے کہ: جس نے اللہ کے اس گھر کا سات بار طواف کیا اور اہتمام اور فکر کے ساتھ کیا (یعنی سنن و آداب کی رعایت کے ساتھ کیا) تو اس کا یہ عمل ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ہوگا۔ اور میں نے آپ سے یہ بھی سنا آپ فرماتے تھے کہ:۔ بندہ طواف کرتے ہوئے جب ایک قدم رکھے گا اور دوسرا قدم اٹھائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر قدم کے بدلہ ایک گناہ معاف کرے گا اور ایک نیکی کا ثواب اس کے لئے لکھا جائے گا۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) حدیث کے لفظ "مَنْ طَافَ بِهَذِهِ الْبَيْتِ أَسْبَغَ" کا ترجمہ

ہم نے سناٹ بار طواف کرنا کیا ہے۔ شارحین نے لکھا ہے کہ اس میں تین احتمال ہیں:۔
 اول طواف کے سات چکر (یہ بات پہلے ذکر کی جا چکی ہے کہ ایک طواف میں بیت اللہ کے سات چکر کئے جاتے ہیں)۔ اور دوسرا احتمال ہے پورے سات طواف جس کے انچاس چکر ہوں گے۔ اور تیسرا احتمال ہے بلاناغہ سات دن طواف —————
 لیکن بظاہر پہلا مطلب راجح ہے۔ واللہ اعلم۔

درمیان (کی مسافت میں) یہ دُعا پڑھتے ہوئے مَنا: رَبَّنَا إِنَّا فِي الدُّنْيَا
حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةٌ وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ

(سنن ابی داؤد)

(۱۸۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ قَالَ وَكُلُّ بِهِ سَبْعُونَ مَلَكًا (یعنی الرکن الیمانی) فَمَنْ
قَالَ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا
وَالْآخِرَةِ رَبَّنَا إِنَّا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَفِي الْآخِرَةِ
حَسَنَةٌ وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ قَالُوا — آمين —

رواہ ابن ماجہ

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ رکن یمنی پر نتر فرشتے مقرر ہیں جو ہر اُس بندے کی دُعا پر
آمین کہتے ہیں جو اُس کے پاس یہ دُعا کرے کہ:۔ ”اللَّهُمَّ إِنِّي
أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ رَبَّنَا
إِنَّا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةٌ وَقِنَا
عَذَابَ النَّارِ۔ (اے اللہ! میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں معافی اور عافیت
مانگتا ہوں۔ اے پروردگار! ہم کو دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی عطا فرما
دوزخ کے عذاب سے ہم کو بچا!)۔ (سنن ابن ماجہ)

وقوف عرفہ کی اہمیت اور فضیلت:

حج کا سب سے اہم رکن نویں ذی الحجہ کو میدان عرفات کا وقوف ہے، اگر یہ ایک
لحظہ کے لئے بھی نصیب ہو گیا تو حج نصیب ہو گیا، اور اگر کسی دُجر سے عاجی و رُفنی اللہ کے

دن اور اس کے بعد والی رات کے کسی حصے میں بھی عرفات میں نہ پہنچ سکا تو اس کا حج فوت ہو گیا۔ حج کے دوسرے ارکان و مناسک طواف، سعی، رمی، جمرات وغیرہ اگر کسی وجہ سے فوت ہو جائیں تو ان کا کوئی نہ کوئی کفارہ اور تدارک ہے، لیکن اگر وقوف عرفہ فوت ہو جائے تو اس کا کوئی تدارک نہیں ہے۔

(۱۸۲) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَعْمَرَ الدِّثَلِيِّ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْحَجُّ عَرَفَةٌ مَنْ أَدْرَكَ عَرَفَةَ لَيْلَةً جَمَعَ قَبْلَ طُلُوعِ الْفَجْرِ فَقَدْ أَدْرَكَ الْحَجَّ — أَيَّامُ مِثْلِي لَيْلَتُهُ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِشْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِشْمَ عَلَيْهِ۔

رواہ الترمذی و ابوداؤد والنسائی وابن ماجہ والدارمی

(ترجمہ) عبد الرحمن بن یعمر دثلی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے، حج (کا خاص الخاص رکن جس پر حج کا دار و مدار ہے) وقوف عرفہ ہے، جو حاجی مزدلفہ والی رات میں (یعنی ۹ اور ۱۰ ارزدی الحجہ کی دیرپانی شب میں) بھی صبح صادق سے پہلے عرفات میں پہنچ جائے تو اس نے حج پایا اور اس کا حج ہو گیا۔ (یوم النحر یعنی ۱۰ ارزدی الحجہ کے بعد) مئی میں قیام کے تین دن ہیں (جن میں تینوں ہجروں کی سعی کی جاتی ہے ۱۱، ۱۲، ۱۳ ارزدی الحجہ) اگر کوئی انہی صحت و قوت میں یعنی (۱۱، ۱۲، ۱۳ کو رمی کر کے) پہلی مئی سے چل دے تو اس میں بھی کوئی گناہ نہیں ہے، اور اگر کوئی ایک دن مزید ٹھہرے (۱۳ ارزدی الحجہ کی رمی کر کے) وہاں سے جائے تو اس پر بھی کوئی گناہ اور الزام نہیں ہے (دونوں باتیں جائز ہیں)۔

(ہامی ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

(تشریح) چونکہ وقوف عرفات پر حج کا دار و مدار ہے اس لئے اس میں اتنی وسعت

کھی گئی ہے کہ اگر کوئی آدمی نویں ذی الحجہ کے دن میں عرفات نہ پہنچ سکے (جو وقوف کا اصلی وقت ہے) دہرا اگر اگلی رات کے کسی حصے میں بھی وہاں پہنچ جائے تو اس کا وقوف ادا ہو جائے گا اور وحج سے محروم نہ سمجھا جائے گا۔

یوم العرفہ کے بعد ۱۲ ذی الحجہ کو یوم النحر ہے جس میں ایک حجرہ کی رمی اور قربانی اور حلق وغیرہ کے بعد احرام کی پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں اور اسی دن مکہ جا کر طواف زیارت کرنا ہوتا ہے۔ اس کے بعد منیٰ میں زیادہ سے زیادہ تین دن اور کم سے کم دو دن ٹھہر کے تینوں حجروں پر کنکریاں مارنا مناسکہ میں سے ہے۔ پس اگر کوئی شخص صرف دو دن ۱۲/۱۱ ذی الحجہ کو رمی حجرات کر کے منیٰ سے چلا جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، اور اگر کوئی ۱۳ ذی الحجہ کو بھی ٹھہرے اور رمی کر لے، تو یہ بھی جائز ہے۔

(۱۸۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ يَوْمٍ أَكْثَرُ مِنْ أَنْ يَعْتِقَ اللَّهُ فِيهِ عَبْدًا مِنَ النَّارِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ وَلَا يُكْتَلَىٰ شَوْشَقَةٌ يُبَاهِي بِهَا الْمَلَائِكَةُ فَيَقُولُ مَا أَرَادَ هُوَ لَا ءِ۔

رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی دن ایسا نہیں ہے جس میں اللہ تعالیٰ عرفہ کے دن سے زیادہ اپنے بندوں کے لئے جہنم سے آزادی (عصہ ہائی کا فیصلہ کرتا ہو) یعنی گنہگار بندوں کی مغفرت اور جہنم سے آزادی کا سب سے بڑے اور وسیع پیمانے پر فیصلہ سال کے ۳۶ دنوں میں سے ایک دن یوم العرفہ میں ہوتا ہے (اس دن اللہ تعالیٰ اپنی صفت رحمت رفیعہ کے ساتھ عرفات میں جمع ہونے والے اپنے بندوں کے بہت ہی قریب ہو جاتا ہے اور ان پر غفر کرتے ہوئے فرشتوں سے کہتا ہے: مَا أَرَادَ هُوَ لَا ءِ۔ دیکھتے ہو!)

میرے یہ بندے کس مقصد سے یہاں آئے ہیں؟ ————— (صحیح مسلم)
 (۱۸۴) عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ كَرِيزٍ أَنَّ
 رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا رَأَى
 الشَّيْطَانُ يَوْمًا هُوَ فِيهِ أَضْعَفُ وَلَا أَدْحَرُ وَلَا أَخْفَرُ
 وَلَا أَغْيَظُ مِنْهُ فِي يَوْمٍ عَرَفَةَ وَمَا ذَاكَ إِلَّا لَمَّا
 يَرَى مِنْ تَلَوِّهِ الرَّحْمَةَ وَتَجَاوُزِ اللَّهِ عَنِ الذُّنُوبِ
 الْعِظَامِ ————— رواه مالك مرسلًا

(ترجمہ) طلحہ بن عبید اللہ بن کریر (تابعی) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: شیطان کسی دن بھی اتنا ذلیل، اتنا خوار، اتنا دھتکارا اور ہٹکارا ہوا اور اتنا بھلا بھنٹا ہوا نہیں دیکھا گیا جتنا کہ وہ عرفہ کے دن ذلیل و خوار و وسیا ہوا اور اتنا بھلا دیکھا جاتا ہے، اور یہ صرف اس لئے کہ وہ اس دن اللہ کی رحمت کو (موسلا دھار) برستے ہوئے اور بڑے بڑے گناہوں کی معافی کا فیصلہ ہوتے ہوئے دیکھتا ہے (اور یہ اُس لعین کے لئے نفا تاہل بروداشت ہے)۔

(موطا امام مالک مرسلًا)

(تشریح) عرفات کے مبارک میدان میں ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو، جو رحمتوں و برکتوں کے نزول کا خاص دن ہے جب ہزاروں یا لاکھوں کی تعداد میں اللہ کے بندے فقیروں محتاجوں کی صورت بنا کر جمع ہوتے ہیں اور اُس کے حضور میں اپنے اور دوسروں کے لئے مغفرت اور رحمت کے لئے دعائیں اور آہ و زاری کرتے ہیں اور اس کے سامنے روتے اور گڑ گڑاتے ہیں تو لامحالہ ارحم الراحمین کی رحمت کا انتہا سمندر جوش میں آجاتا ہے، اور پھر وہ اپنی شاہی کبھی کے مطابق گنہگار بندوں کی مغفرت اور جہنم سے رہائی و آزادی کے وہ عظیم فیصلے فرماتا ہے کہ شیطان بس بل جھن کے زہ جاتا ہے اور اپنا سر پیٹ لیتا ہے۔

رَمَیْ حَجْرَات :

رَمَیْ میں کافی کافی فاصلے سے تین جگہوں پر تین ستون بنے ہوئے ہیں۔ انہی ستونوں کو حجرات کہا جاتا ہے ۱۲ حجرات پر کنکریاں پھینکنا بھی حج کے اعمال اور مناسک میں سے ہے دسویں ذی الحجہ کو صرف ایک حجرہ پر سات کنکریاں پھینکی جاتی ہیں، اور ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ کو تینوں حجروں پر سات سات کنکریاں پھینکی جاتی ہیں۔۔۔۔۔ ظاہر بات ہے کہ کنکریاں پھینکنا ہدایتِ خود کوئی نیک عمل نہیں ہے، لیکن اللہ کے حکم سے ہر عمل میں عبادت کی شان پیدا ہو جاتی ہے، اور بندگی سہی ہے کہ بے چون و چرا اللہ کے حکم کی تعمیل کی جائے، علاوہ ازیں اللہ کے بندے جب اللہ کے حکم سے اُس کے جلال و جبروت کا دھیان کرتے ہوئے اور اس کی کبریائی کا نعرہ لگاتے ہوئے شیطانی خیالات و عادات اور نفسانی خواہشات و معصیات کو عالمِ تصور میں نشہ نہ بنا کر ان حجروں پر کنکریاں مارتے ہیں، اور اس طرح گمراہی اور محصیت کو سنگسار کرتے ہیں تو اُن کے قلوب کی اس وقت جو کیفیت ہوتی ہے اور ان کے ایمان والے سینوں کو جو انشراح اور سُرو و انبساط اُس سے نصیب ہوتا ہے اس کا ذائقہ بس وہی جانتے ہیں۔۔۔۔۔ بہر حال اللہ کے حکم سے اور اس کا نام لے کر حجروں پر کنکریاں پھینکنا بھی اہل بصیرت کی نگاہ میں ایک ایمان افروز عمل ہے۔

(۱۸۵) عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

قَالَ إِذَا قَامَ جَعَلَ رَمَى الْحِجَارِ وَالسَّحَى بَيْنَ الصُّفَا وَالْمَزْدَةِ

لَا قَامَةَ ذَكَرَ اللَّهُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ حجرات پر کنکریاں پھینکنا اور صفاد و مزدہ کے درمیان سعی کرنا اور پھیرے لگانا (لہو و لعب کی باتیں نہیں ہیں، بلکہ) یہ ذکر اللہ کی گرم بازاری کے وسائل ہیں۔

(جامع ترمذی، سنن دارمی)

(۱۸۶) عَنْ حَازِمِ بْنِ حَرْمٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجُمُعَةَ يَوْمَ التَّحْرِ صُحِّيَ وَأَمَّا بَعْدُ ذَاكَ فَإِذَا أَزَالَتِ الشَّمْسُ

رواہ البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت حازم بن حرم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوپہر کی حجرہ کو حجرہ عقبہ کی زمی پاشت کے وقت فرمائی، اور اس کے بعد ایام تشریق میں عمرات کی زمی آپ نے زوال آفتاب کے بعد کی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) یہی سنت ہے کہ ادوی الحجہ کو حجرہ عقبہ کی زمی دوپہر سے پہلے کر لی جائے اور بعد کے دنوں میں زوال کے بعد۔

(۱۸۷) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ إِتَى إِلَى الْجُمُعَةِ الْكُبْرَى فَعَلَّ النَّبْتَ عَنْ لِسَارِهِ وَمَنَى عَنْ يَمِينِهِ وَرَمَى سَبْعَ حَصِيَّاتٍ يَكْبُرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ ثُمَّ قَالَ هَكَذَا رَمَى الَّذِي أُنْزِلَتْ عَلَيْهِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ

رواہ البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ مدی کے لئے حجرہ کبریٰ کے پاس پہنچے، پھر اس طرح اس کی طرف رخ کر کے کھڑے ہوئے کہ بیت اللہ (یعنی مکہ) ان کے بائیں جانب تھا اور منیٰ داہنی جانب۔ اس کے بعد انھوں نے حجرہ پر سات کنکریاں ماریں، ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہتے تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ:۔۔ اسی طرح دی کی تھی اس مقدس ہستی نے جس پر سورۃ بقرہ نازل ہوئی تھی (جس میں حج کے احکام اور مناسک بیان ہے)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت عبداللہ بن مسعود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رمی کرنے کے طریقے کو تفصیل سے یاد رکھا تھا، اور اسی کے مطابق عمل کر کے لوگوں کو دکھایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

كَلَّمَارِمْي بِحَصَاةٍ ثُمَّ يَأْخُذُ بِذَاتِ السَّمَالِ فَيُسْهِلُ
وَيَقُو مُسْتَشِيلَ الْقِبْلَةِ ثُمَّ يَدْعُو وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ
وَيَقُومُ طَوِيلًا ثُمَّ يَرْمِي جَمْرَةَ ذَاتِ الْعُقْبَةِ مِنْ
بَطْنِ الْوَادِي يَسْبُعُ حَصِيَّاتٍ يُكَلِّدُ عِنْدَ كُلِّ حَصَاةٍ
وَلَا يَقِفُ عِنْدَهَا ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَيَقُولُ هَكَذَا
رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهُ -

رواه البخاری

(ترجمہ) سالم بن عبد اللہ اپنے والد ماجد حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ
رمی جمرات کے بارے میں اُن کا معمول اور دستور تھا کہ وہ پہلے جمرہ پر سات کنکریاں مارتے اور
ہر کنکری پر اللہ اکبر کہتے، اس کے بعد آگے نشیب میں اتر کے قبلہ رو کھڑے ہوتے
اور ہاتھ اٹھا کے دیر تک دعا کرتے، پھر درمیان والے جمرہ پر بھی اسی طرح سات کنکریاں
مارتے اور ہر کنکری پر تکیب کہتے، پھر بائیں جانب نشیب میں اتر کے قبلہ رو کھڑے ہوتے اور
دیر تک کھڑے رہتے اور ہاتھ اٹھا کے دعا کرتے، پھر آخری جمرہ (حجرۃ العقبہ) پر بطن وادی
سے سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہتے اور اس جمرہ کے پاس
کھڑے نہ ہوتے بلکہ واپس ہو جاتے، اور بتاتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے اور دوسرے
جمرہ کی رمی کے بعد قریب میں قبلہ رو کھڑے ہو کر دیر تک دعا کرتے تھے اور آخری جمرہ کی رمی
کے بعد بغیر کھڑے ہوئے اور دعا کئے واپس ہو جاتے تھے، یہی سنت ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے
زمانہ میں اس سنت پر عمل کرنے والے بلکہ اس کے جاننے والے بھی بہت کم ہیں۔

شربانی:

قربانی کی عام فضیلت اور اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نام نہایت کتاب الصلوٰۃ میں عید الاضحیٰ کے بیان میں ذکر کی جا چکی ہیں اور حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دست مبارک سے (۶۳) اونٹوں کی اور آپ کے حکم سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے (۳۷) اونٹوں کی جو قربانی کی تھیں، اس کا ذکر حجۃ الوداع کے بیان میں گزر چکا ہے یہاں قربانی کے بارے میں صرف دو تین حدیثیں اور پڑھ لی جائیں۔

(۱۹۰) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ قُرْطُيبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ أَعْظَمَ الْأَقْبَامِ عِنْدَ اللَّهِ بِيَوْمِ التَّحْرِ شَعْرَ يَوْمِ الْقَرِّ (قَالَ نَوْزُوهُ الْيَوْمِ الثَّانِي) قَالَ وَقَرَّبَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكْدَنَاتٍ خَمْسٌ أَوْ سِتٌّ فَطَفِقَ يَزْدَلِمُنَ إِلَيْهِنَّ بِأَتْرَهِتٍ بَبْدَةً۔

رواہ : داؤد

(ترجمہ) عبداللہ بن قریظ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عظمت والا دن یوم النحر (شربانی کا دن یعنی ۱۰ ارذی الحجہ کا دن) ہے (یعنی یوم النحر کی طرح یوم النحر بھی بڑی عظمت والا دن ہے) اس کے بعد اس سے اگلا دن یوم القَرِّ (۱۱ ارذی الحجہ) کا درجہ ہے (اس لئے شربانی جہاں تک ہو سکے ۱۰ ارذی الحجہ کو کر لی جائے، اور کسی وجہ سے ۱۰ ارذی الحجہ کو نہ کی جاسکے، تو ۱۱ کو صرفہ کر لی جائے۔ اس کے بعد (یعنی ۱۲ ارذی الحجہ کو) اگر کی جائے گی تو ادا ہو جائے گی لیکن فضیلت کا کوئی درجہ باقی نہ آئے گا) حدیث کے راوی عبداللہ بن قریظ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرنے کے بعد اپنا عجیب و غریب مشاہدہ) بیان

کرتے ہیں کہ ایک دفعہ پانچ یا چھ اونٹ قربانی کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب
لائے گئے تو ان میں سے ہر ایک آپ کے قریب ہونے کی کوشش کرتا تھا، تاکہ پہلے ہی کو آپ
ذبح کریں۔ (سنن ابن داؤد)

(تشریح) اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ وہ جالوروں میں، بلغمہ میں، پتھر جیسے جگہوں میں
مخالف کا شعور پیدا کر دے۔ یہ ۶۰۵ اونٹ قربانی کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب
لئے گئے تھے ان میں اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ شعور پیدا فرمادیا تھا کہ اللہ کی راہ میں اور اس کے
محبوب اور برگزیدہ رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے قربان ہونا ان کی کنسی بڑی شرف بخشی
اس لئے ان میں سے ہر ایک اس خواہش کے ساتھ آپ سے قریب ہونا چاہتا تھا کہ پہلے آپ
اسی کو ذبح کریں۔ ۵

ہم آہوان صحر، سرخو، نہادہ، برکف
بر امید آنکہ روزے بہ ثمار خواہی آمد

(۱۹۱) عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ ضَحَى مِنْكُمْ فَلَا يُصْبِحَنَّ
بَعْدَ ثَلَاثَةٍ وَفِي بَيْتِهِ مِنْهُ شَيْءٌ فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ
قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ نَفَعَلْنَا كَمَا فَعَلْنَا الْعَامَ الْمَاضِي قَالَ
كَلُّوْا وَاطْعِمُوْا وَادْخُرُوْا فَإِنَّ ذَلِكَ الْعَامَ كَانَ
بِالنَّاسِ جَهْدٌ فَأَرَدْتُ أَنْ تَعِيْنُوْا فِيْهِمْ۔

رواہ البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ایک سال عید الاضحیٰ کے موقع پر (ہدایت فرمائی کہ تم میں سے جو کوئی قربانی کرے
تو اس کا گوشت تین تین دن تک کھا سکتا ہے) دوسرے دن کے بعد اس کے گھر میں امن

(تشریح) جیسا کہ ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا قربانی کے گوشت کے بارے میں اجازت ہے کہ جب تک چاہیں کھائیں اور پھینک دیں۔ اور آخری حدیث کے آخری جملہ سے معلوم ہوا کہ ایام تشریق میں بندوں کا کھانا پینا بھی اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے، گو یا یہ دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی ضیافت کے دن ہیں، لیکن اس کھانے پینے کے ساتھ اللہ کی یاد اور اس کی نگر و توجہ تقدیس و توحید سے بھی زبان تر رہنی چاہئے۔۔۔۔۔ اس کی آمیزش کے بغیر اللہ کے بندوں کے لئے ہر چیز بے ذائقہ ہے۔

اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ
اللَّهُ أَكْبَرُ وَاللَّهُ الْحَمْدُ

طواف زیارت اور طواف وداع:

حج کے اعمال و مناسک اور ان کی ترتیب سے جیسا کہ سمجھا جاسکتا ہے اس کا اہم مقصد بیت اللہ کی تعظیم و تکریم اور اس کے ساتھ اپنی وابستگی کا اظہار ہے جو ملت ابراہیمی کا خاص شعار ہے۔۔۔۔۔ اس لئے جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے مکہ معظمہ میں حاضری کے بعد حج کا سب سے پہلا عمل طواف ہی کہنا ہوتا ہے، یہاں تک کہ مسجد حرام میں داخل ہو کر پہلے تہیۃ المسجد بھی پڑھی جاتی، بلکہ طواف پہلے کیا جاتا ہے اور دو گانہ ”طواف اُس کے بعد پڑھا جاتا ہے۔۔۔۔۔ حاجی کے اس پہلے طواف کا معروف اصطلاحی نام ہی ”طواف قدوم“ ہے (یعنی حاضری کا طواف)۔ اس کے متعلق احادیث پہلے گزر چکی ہیں۔

اس کے بعد ارذی الحجہ کو قربانی اور حلق سے فارغ ہونے کے بعد ایک طواف کا حکم ہے اس کا معروف اصطلاحی نام ”طواف زیارۃ“ ہے۔ یہ دو قوف عرفات کے بعد حج کا سب سے اہم رکن ہے۔۔۔۔۔ پھر حج سے فارغ ہونے کے بعد جب حاجی مکہ معظمہ سے اپنے وطن واپس ہونے لگے تو حکم ہے کہ وہ آخری وداعی طواف کر کے واپس ہو، اور اس کے سفر حج کا آخری

علم بھی طواف ہی ہو، اس کا معنی اصطلاحی نام طواف وداع اور طواف نعت ہے۔
ان دونوں طوافوں سے متعلق چند حدیثیں ذیل میں پڑھئے۔

(۱۹۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لَمْ يَزَمْ لَ فِي الْقَبْرِ الَّذِي أَخَافَتْ فِيهِ۔

رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف زیارت کے سات پکروں میں دل نہیں کیا (یعنی پورا طواف عادی رستہ سے کیا)۔
(سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) پہلے گزر چکا ہے کہ حاجی جب کہ مظلہ حاضر ہو کر پہلا طواف کرے (جس کے بعد اس کو صغادہ کے درمیان سے بھی کرنی ہوگی) تو اس طواف کے پہلے تین پکروں میں وہ زل کرے گا۔ حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے تمام صحابہ نے ایسا ہی کیا تھا۔ اس کے بعد ارزدی الحجہ کو آپ نے منی سے کہ مظلہ آکر طواف زیارت کیا اس میں آپ نے زل نہیں کیا، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں تصریح ہے۔
(۱۹۴) عَنْ عَائِشَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَّرَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ يَوْمَ الْفَتْحِ إِلَى اللَّيْلِ۔

رواہ الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف زیارت کو موخر کیا (یعنی اس کی تاخیر کی اجازت دے دی) دسویں ذی الحجہ کی رات تک۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) حدیث کا مطلب یہ ہے کہ طواف زیارت کے لئے افضل دن یوم النحر

(عبدالاضی) کا دن ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہے کہ اس دن کے ختم ہونے کے بعد رات میں بھی وہ کیا جاسکتا ہے اور اس رات کا طواف بھی اغضلیت کے لحاظ سے ۱۰ رزی الحجہ ہی کا طواف شمار ہوگا۔ عام عربی قاعدے کے مطابق رات کی تاریخ اگلے دن والی تاریخ ہوتی ہے اور یہ رات اگلے دن کے ساتھ لگتی ہے، لیکن حج کے مسافر اور احکام میں بندوں کی سہولت کے لئے اس کے برعکس قاعدہ مقرر کیا گیا ہے اور ہر دن کے بعد والی رات کو اس دن کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے۔ اسی بنا پر جو طواف ۱۰ رزی الحجہ کا دن گزارنے کے بعد رات میں کیا جائے گا وہ ۱۰ رزی الحجہ ہی میں شمار ہوگا، اگرچہ عام قاعدے کے لحاظ سے وہ ۱۱ رزی الحجہ کی رات ہے۔

(۱۹۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّاسُ يَتَعَمَّرُونَ فِي كُلِّ قَعْبَةٍ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَعَمَّرُونَ أَحَدًا كُمْ حَتَّى يَكُونُوا آخِرَ عَقْدِهِ بِالْبَيْتِ إِلَّا أَنَّهُ خَفِضَ عَنِ الْمُخَالِصِ

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ (حج کرنے کے بعد) اپنے اپنے وطنوں کے رخ پر چل دیتے تھے (طواف) واداع کا اتمام نہیں کرتے تھے) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک وطن کی طرف کوچ نہ کرے جب تک کہ اس کی آخری حاضری بیت اللہ پر نہ ہو (یعنی جب تک کہ طواف واداع نہ کرے) البتہ جو عورت خاص ایام کے عذر کی وجہ سے طواف سے محروم ہو وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے (یعنی اس کو طواف واداع معاف ہے)۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) جیسا کہ اس حدیث میں صراحت مذکور ہے پہلے لوگ طواف واداع کا اتمام اور پابندی نہیں کرتے تھے۔ ۱۲/۱۳ رزی الحجہ تکسنتی میں قیام کر کے اور ری حمرات وغیرہ

وہاں کے ناسک ادا کر کے اپنے اپنے وطن کو پہنچتے تھے۔ — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر کے ذریعہ کیا اس کے وجوب اور اہمیت کا اعلان فرمایا چنانچہ فقہانے طواف و داع کو واجب قرار دیا ہے، مابین حدیث کی تصریح کے مطابق وہ ستورات جو آپے خاص ایام کی وجہ سے طواف سے معذور ہیں، وہ اگر طواف زیارت کر چکے ہیں تو بغیر طواف داع کے، مکہ معظمہ سے وطن رخصت ہو سکتی ہیں۔ — ان کے علاوہ ہر بیرونی حاجی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے ملک کی طرف روانہ ہونے سے پہلے وداع اور رخصت ہی کی نیت سے آخری طواف کرے ایسی حج کے سلسلے کا اس کا آخری عمل ہو۔

(۱۹۶) عَنْ الْحَارِثِ الثَّقَفِيِّ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَجَّ هَذَا الْبَيْتِ أَوْ اعْتَمَرَ فَلَيْكُنْ أَخِيْرَ عَهْدٍ مِنَ الطَّوْافِ بِالْبَيْتِ۔

رواد احمد

(ترجمہ) حارث ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص حج یا عمرہ کرے تو چاہئے کہ اس کی آخری حاضری بیت اللہ پر ہو اور آخری طواف ہو۔ — (مسند احمد)

(۱۹۷) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ أَخْبَرْتُنِي مِنَ التَّعْلِيمِ بِعُمُرَةٍ قَدْ خَلْتُ، فَقَضَيْتُ عُمْرَتِي وَانْتَظَرْتِي رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْأَبْطَحِ حَتَّى فَرَعْتُ وَأَمَرَ النَّاسَ بِالزَّحِيلِ قَالَتْ وَآتَى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَيْتَ فَطَافَ بِهِ ثُمَّ خَرَجَ۔

رواد ابو داؤد

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ (حجۃ الوداع کے سفر میں قیام مکہ کی اُس آخری رات میں جس میں مدینہ کی طرف واپسی ہونے والی تھی) میں نے مقام تنعیم جا کر عمرہ کا احرام باندھا، اور عمرہ کے ارکان (طواف، سعی وغیرہ) ادا کئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مٹی لودہ مکہ کے درمیان) مقام ابلح میں میرا انتظار فرمایا۔ جب میں عمرہ سے فارغ ہو چکی تو آپ نے لوگوں کو کوچ کرنے کا حکم دیا اور آپ طواف وداع کے لئے بیت اللہ کی پاس مکے اور طواف کیا، اور اسی وقت مکہ سے مدینہ کی طرف چل دیئے۔

(تشریح) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جب حجۃ الوداع کے سفر میں مدینہ سے روانہ ہوئی تھیں تو آپ نے تمتع کا ارادہ کیا تھا اور اس وجہ سے عمرہ کا احرام باندھا تھا، لیکن جب مکہ معظمہ کے قریب پہنچیں، تو (جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے) خاص ایام شروع ہو گئے جس کی وجہ سے وہ عمرہ کا طواف وغیرہ کچھ بھی نہ کر سکیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق آپ نے عمرہ ترک کر کے ۸ رزی الحجہ کو حج کا احرام باندھ لیا، اور آپ کے ساتھ پورا حج کیا۔ ۱۳ رزی الحجہ کو حمرات کی رمی کر کے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ سے واپس ہوئے تو آپ نے ابلح میں قیام فرمایا اور رات وہیں بسر کرنے کا فیصلہ کیا۔ اُسی رات میں آپ نے حضرت صدیقہؓ کو اُن کے بھائی عبدالرحمن بن ابی بکر کے ساتھ بھیجا کہ حدود حرم سے باہر تنعیم جا کر وہاں سے عمرہ کا احرام باندھیں اور عمرہ سے فارغ ہو کر آجائیں، اس نشد میں اسی واقعہ کا ذکر ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جب عمرہ سے فارغ ہو کے آئیں تو آپ نے قافلے کو کوچ کرنے کا حکم دیا، قافلہ ابلح سے مسجد حرام آیا، آپ نے اور آپ کے اصحاب کرامؓ نے سحر میں طواف وداع کیا اور اسی وقت مدینہ کے لئے روانہ ہو گئے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ عمرہ اس عمرہ کی قضا تھا جو احرام باندھنے کے باوجود نہ کر سکی تھیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طواف وداع مکہ معظمہ سے روانگی ہی کے وقت کیا جائے۔

طواف کے بعد ملتزم سے چھٹنا اور وعاکرنا:

خانہ کعبہ کی دیوار کا تھوڑا سا گوشہ حجر اسود اور باب کعبہ کے درمیان ہے وہ محترم کھاتا ہے۔ حج کے سنوں اعمال میں سے یہ بھی ہے کہ اگر موقع ملے تو طواف کے بعد اس ملتزم سے چھٹ کے دُعا کی جائے۔ مندرجہ ذیل حدیث سے معلوم ہو گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں ایسا ہی کیا تھا۔

(۱۹۸) عَنْ عُمَرَ بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كُنْتُ أَطُوفُ مَعَ ابْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ وَبِالنَّعَاصِ وَرَأَيْتُ قَوْمًا لَمْ يَزُكُوا الْبَيْتَ فَقُلْتُ لَهُ أَنْطَلِقْ بِنَا نَلْزِمَ الْبَيْتَ مَعَهُ هُوَ لَا فَقَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ فَلَمَّا حَرَّغَ مِنْ طَوَافِهِ التَّزَمَ الْبَيْتَ بَيْنَ الْبَيْتِ وَالتَّحَجَّرَ وَقَالَ هَذَا وَاللَّهِ الْمَكَانُ الَّذِي رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّزَمَهُ

رواہ البیہقی بهذا اللفظ

(ترجمہ) عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے روایت کرتے ہیں انھوں نے بیان کیا کہ میں اپنے دادا عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ طواف کر رہا تھا، میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ بیت اللہ سے چھٹ رہے ہیں تو میں نے اپنے دادا (حضرت عبد اللہ بن عمرو) سے عرض کیا کہ ہم کو یہاں لے چلئے ان لوگوں کے ساتھ ہم بھی ان کی طرح بیت اللہ سے چھٹ جائیں؟۔ انھوں نے فرمایا کہ: میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں مردود شیطان سے (مطلب خالبائیہ تھا کہ اگر میں طواف کے درمیان ان لوگوں کی طرح ملتزم کی خاص جگہ کا لحاظ کئے بغیر بیت اللہ کی کسی دیوار سے چھٹ جاؤں تو یہ خلاف سنت اور غلط کام ہو گا اور اس سے خدا راضی نہیں ہو گا بلکہ شیطان راضی ہو گا اور میں اس مردود سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔) شعیب کہتے ہیں کہ) پھر جب میں سے دعا واد طواف سے فارغ ہو گئے تو دیوار کعبہ کے خاص دس حصے پر آئے جو باب کعبہ اور حجر اسود کے درمیان ہے (جس کو ملتزم کہتے ہیں) اور مجھ سے فرمایا خدا کی قسم یہی وہ جگہ ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھٹ گئے تھے۔ (سنن بیہقی)

اور سنن ابی داؤد کی روایت میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو ملتزم سے اس طرح چھٹ گئے کہ اپنا سینہ اور ہنپنا چہرہ اس سے لگا دیا اور ہاتھ بھی پوری طرح پھیلا کے اس پر رکھ دیئے، اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ملتزم سے چھٹنے والا عیال طواف کے بعد ہونا چاہئے، اور اس کی خاص جگہ حرم ہی ہے۔ اللہ کے دیوانوں کو اس میں جو کیفیت نصیب ہوتی ہے وہ کسی انہی کا حصہ ہے اور حج کی خاص انخاص کیفیات میں سے ہے۔

فضائلِ حرمین

مقدسینِ کرامؑ دستور ہے کہ کتاب الحج ہی میں حرمین پاک کے فضائل کی حدیثیں بھی درج کرتے ہیں، اسی دستور کی پیروی میں حرم مکہ اور حرم مدینہ کے فضائل کی احادیث جہاں درج کی جا رہی ہیں۔

حرم مکہ کی عظمت :

خانہ کعبہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا مقدس بیت (گھر) قرار دیا ہے، اور اسی نسبت سے شہر مکہ کہ جس میں بیت اللہ واقع ہے، بلد اللہ المحکّم قرار دیا گیا ہے، گویا بس طرح دنیا بھر کے گھروں میں کعبہ مکرمہ کو اللہ تعالیٰ سے خاص نسبت ہے اسی طرح دنیا بھر کے شہروں میں مکہ معظمہ کو اللہ تعالیٰ کی نسبت کا خاص شرف حاصل ہے۔ پھر اسی نسبت سے اس کی ہر سمت میں کئی کئی میل کے علاقہ کو حکرم (یعنی واجب الاحترام) قرار دیا گیا ہے اور اس کے خاص آداب و احکام مقرر کئے گئے ہیں اور ادب و احترام ہی کی بنیاد پر بہت سی ان باتوں کی بھی وہاں مانعت ہے جن کی باقی ساری دنیا میں اجازت ہے، مثلاً ان حدود میں کسی کشتکار کی اجازت نہیں، جنگ اور قتال کی اجازت نہیں، درخت کاٹنے اور درختوں کے پتے چھانڈنے کی اجازت نہیں۔ اس محترم علاقہ میں ان سب چیزوں کو ادب و احترام کے خلاف گنہگار اور حاکم

اسی فتح مکہ کے دن آپ نے یہ بھی اعلان فرمایا کہ :- یہ شہر مکہ اللہ نے اس کو اسی دن سے محترم قرار دیا ہے جس دن کہ زمین و آسمان کی تخلیق ہوئی (یعنی جب اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اُسی وقت زمین کے اس قطعہ کو جس پر مکہ منظم آباد ہے، اور اس کے اس پاس کے علاقہ محرم کو واجب الاحترام قرار دیا، لہذا اللہ کے اس حکم سے قیامت تک کے لئے اس کا ادب و احترام واجب ہے) اور مجھ سے پہلے اللہ نے اپنے کسی بندے کو یہاں قتال فی سبیل اللہ کی بھی اجازت نہیں دی، اور مجھے بھی دن کے تھوڑے سے وقت کے لئے اس کی عارضی اور وقتی اجازت دی گئی تھی اور وہ وقت ختم ہو جانے کے بعد اب قیامت تک کے لئے یہاں قتال اور ہر وہ اقدام اور عمل اس مقدس جگہ کے ادب و احترام کے خلاف حرام ہے، اس علاقہ کے خاردار جھاڑ بھی نہ کاٹے پھاٹے جائیں۔ یہاں کے کسی قابل شکر جانور کو پریشان بھی نہ کیا جائے، اگر کوئی گری بڑی چیز نظر پڑے تو اس کو وہی اٹھائے جو قاعدے کے مطابق اس کا اعلان و تشییر کرتا رہے، اور یہاں کی بئر گھاس بھی نہ کاٹی اٹھا دی جائے۔ (اس پر آپ کے چچا) حضرت عباسؓ نے عرض کیا :- واذخر گھاس کو مستثنیٰ فرمادیا جائے، کیونکہ یہاں کے لوہار اس کو استعمال کرتے ہیں اور لوہروں کی چھتوں کے لئے بھی اس کی ضرورت ہوتی ہے؟۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس کے اس عرض کرنے پر اذخر گھاس کو مستثنیٰ فرمادیا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو اعلانوں کا

ذکر ہے، جو آپ نے فتح مکہ کے دن خاص طور سے فرمائے تھے۔ پہلا اعلان یہ تھا کہ :- اب ہجرت کا حکم نہیں رہا۔۔۔۔۔ اس کا مطلب سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ فتح مکہ سے پہلے جب مکہ پر ان اہل کفر و شرک کا اقتدار تھا جو اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے، اور مکہ میں رہ کر کسی مسلمان کے لئے اسلامی زندگی گزارنا

کہا تا ممکن تھا تو حکم یہ تھا کہ مکہ میں اللہ کا جو بندہ اسلام قبول کرے اس کے لئے اگر ممکن ہو تو وہ مکہ سے دینیہ ہجرت کر جائے جو اس وقت اسلامی مرکز اور دئے زمین پر اسلامی زندگی کی واحد تعلیم گاہ اور تربیت گاہ تھی۔ بہر حال ان خاص حالات میں یہ ہجرت فرض تھی اور اس کی بڑی فضیلت اور اہمیت تھی۔ لیکن جب مشرکین اللہ تعالیٰ نے مکہ منکرہ پر بھی اسلامی اقتدار قائم کر دیا تو پھر ہجرت کی ضرورت ختم ہو گئی، اس لئے آپ نے فتح مکہ ہی کے دن اعلان فرمایا کہ: اب ہجرت کا وہ حکم اٹھایا گیا۔ اس سے قدرتی طور پر ان لوگوں کو بڑی حسرت اور مایوسی ہوئی چھگی جن کو اب اسلام کی توفیق ملی تھی اور ہجرت کی عظیم فضیلت کا دروازہ بند ہو جانے کی وجہ سے وہ اس سعادت سے محروم رہ گئے تھے۔ ان کی اس حسرت کا مداوا فرماتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ہجرت کی فضیلت و سعادت کا دروازہ اگرچہ بند ہو گیا، لیکن جہاد فی سبیل اللہ کا راستہ اور اللہ تعالیٰ کے سارے اداہ کی اطاعت کی نیت اور بالخصوص اعلا کلمۃ اللہ کی راہ میں ہر قربانی کے لئے دلی غم و آمدگی کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور بڑی سے بڑی سعادت اور فضیلت ان راہوں سے اللہ کا ہر بندہ حاصل کر سکتا ہے۔

دوسرا اعلان فتح مکہ کے دن آپ نے یہ فرمایا کہ:۔ یہ شہر مکہ جس کی عظمت و حرمت و در بدر قدم سے مسلم چلی آ رہی ہے یہ محض رسم و رواج یا کسی فرد یا پنچایت کی تجویز نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے ازل حکم سے ہے اور قیامت تک کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اس کا خاص ادب و احترام کیا جائے، یہاں تک کہ اللہ کے لئے جہاد و قتال جو ایک اعلیٰ درجہ کی عبادت اور بڑے درجہ کی سعادت ہے یہاں اس کی بھی اجازت نہیں ہے۔ مجھ سے پہلے کسی بندہ کو اس کی اجازت وقتی طور سے بھی نہیں دی گئی۔ مجھے بھی بہت تھوڑے سے وقت کیلئے اس کی اجازت اللہ تعالیٰ نے دی تھی اور وہ بھی وقت ختم ہونے کے ساتھ ختم ہو گئی۔

اب قیامت تک کے لئے کسی بندے کو یہاں قتال کی اجازت نہیں ہے۔
جس طرح مخصوص سرکاری علاقوں کے خاص قوانین ہوتے ہیں اسی طرح یہاں کے خاص
آداب اور قوانین ہیں، اور وہ وہی ہیں جن کا آپ نے اس موقع پر اعلان فرمایا۔
قریب قریب اسی مضمون کی حدیث حضرت ابوہریرہؓ سے بھی مروی ہے۔

(۲۵۸) عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يَتَحَمَّلَ بِمَكَّةَ
النِّسَاءَ

رواہ مسلم

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ
وہ مکہ میں ہتھیار اٹھائے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح: صحیح مسلم) جمہور علماء امت کے نزدیک اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مکہ
اور حدود حرم میں کسی مسلمان کو دوسرے کے غلات ہتھیار اٹھانا اور اس کا استعمال کرنا
جائز نہیں۔ یہ اس مقام مقدس کے ادب و احترام کے غلات ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ
کسی کو ہتھیار ہاتھ میں لینے کی اجازت ہی نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

(۲۵۹) عَنْ أَبِي شُرَيْبٍ نَجْمِ الْعَدَدِ وَنَحْوِ أَكْبَةَ قَالَ لِعَبْرٍ وَنَحْوِ
سَعِيدٍ وَهُوَ يَبْعَثُ الْيَهُودَ إِلَى مَكَّةَ إِشْدَادًا لِي
أَتِيهَا إِلَّا مِنْهُ أَحَدٌ ثَلَاثَ قَوْلًا قَامَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَدَدَ مِنْ يَوْمِ الْفَتْحِ
سَمِعْنَاهُ أَدْنَى دَوْعَاهُ خَلِيٍّ وَأَبْصَرْنَاهُ عَيْنَيَّ
حِينَ تَكَلَّمَ بِهِ حَمْدَ اللَّهِ وَأَشْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ
إِنَّ مَكَّةَ حَرَّمَ مَهَا اللَّهُ وَلَمْ يُحَرِّمْ مَهَا النَّاسُ فَلَا

يَحِلُّ لَا مَرَدٍّ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَسْفِكَ
 بِهَا دَمًا وَلَا يَضُدَّ بِهَا شَجَرَةً فَإِنْ أَحَدٌ تَوَخَّصَ بِقِتَالِ
 رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَيْنَمَا فَقُّوْا لَهُ
 أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَذِنَ لِرَسُولِهِ فَلَمْ يَأْذَنْ لَكُمْ وَإِنَّمَا
 أَذِنَ لِي فِيهَا سَاعَةٌ مِنَ النَّهَارِ وَحَدٌّ عَادَتْ
 حُرْمَتُهَا الْيَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِالْأَمْسِ وَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ
 الْغَائِبَ فَحَقِيلٌ لِي بِي شَرِّ نَجِيٍّ مَا قَالَ لَكَ عَمْرُو؟
 قَالَ قَالَ أَنَا أَعْلَمُ بِدَا إِلِكَ مِنْكَ يَا أَبَا شَرِّ نَجِيٍّ
 إِنَّ الْحَرَمَ لَا يُعِيدُ عَاصِيًا وَلَا قَاتِلًا بِدَمٍ وَلَا
 قَاتِلًا بِخَرْبَةٍ ————— رواه البخاري ومسلم

(ترجمہ) ابو شریح عدوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے عمرو بن سید سے
 کہا جبکہ وہ (یزید کی طرف سے مدینہ کا حاکم تھا اور اس کے حکم سے عبداللہ بن الزبیر کے
 خلاف) اکبر پر چڑھائی کرنے کے لئے لشکر تیار کر کے روانہ کر رہا تھا کہ :- اے امیر !
 مجھے اجازت دیجئے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فرمان بیان کروں جو
 آپ نے فتح مکہ کے اگلے دن (مکہ میں) ارشاد فرمایا تھا۔ میں نے اپنے کانوں سے آپ کا
 وہ فرمان خود سنا تھا اور میرے ذہن نے اس کو یاد کر لیا تھا اور جس وقت آپ کی
 زبان مبارک سے وہ فرمان صادر ہو رہا تھا اس وقت میری آنکھیں آپ کو دیکھ رہی تھیں۔
 آپ نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی، اس کے بعد فرمایا تھا کہ :- مکہ اور اس کے ماحول کو
 اللہ نے حرم قرار دیا ہے، اس کی حرمت کا فیصلہ انسانوں نے نہیں کیا ہے، اس لئے جو
 آدمی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے حرام ہے کہ وہ یہاں تو ریزی کرے
 بلکہ یہاں کے درختوں کا لاشا بھی منے ہے۔ (آپ نے فرمایا) اور اگر کوئی شخص مسجد قبلہ کو

سند بنا کر اپنے لئے اس کا جواز نکالے تو اس سے کہو کہ اللہ نے اپنے رسولؐ کو اجازت دی تھی، تجھے اجازت نہیں دی ہے، اچھے بھئی اللہ نے ایک دن کے تھوڑے سے وقت کے لئے عارضی اور وقتی طور پر اجازت دی تھی، اور اس وقت کے ختم ہونے کے بعد وہ حرمت لوٹ آئی، اور اب قیامت تک کسی کے لئے اس کا جواز نہیں ہے۔

(اس کے ساتھ آپؐ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ) جو لوگ یہاں موجود ہیں اور جنہوں نے میری یہ بات سنی ہے وہ دوسرے لوگوں کو یہ بات پہنچادیں (اس لئے اے امیر! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں آپؐ کا یہ فرمان تم کو پہنچایا ہے)۔

ابو شریحؓ سے کسی نے پوچھا کہ پھر عمر بن سعید نے کیا جواب دیا، انہوں نے بتلایا کہ اُس نے کہا کہ:- ابو شریح! میں یہ باتیں تم سے زیادہ جانتا ہوں، حرم کسی نافرمان کو یا ایسے آدمی کو جو کسی کا ناحق خون کرے یا کوئی نقصان کرے بھاگ گیا ہو پناہ نہیں دیتا (یعنی ایسے لوگوں کے خلاف حرم میں بھی کارروائی کی جائے گی)۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اسلام کی پہلی ہی صدی میں سیاسی اقتدار کی ہوس رکھنے والوں نے اسلام کے ساتھ جو معاملہ کیا اور اس کے احکام کو اپنی اغراض کے لئے جس طرح توڑا مروڑا وہ تاریخ اسلام کا نہایت تکلیف دہ باب ہے۔ ابو شریح عدوی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے، انہوں نے اموی حاکم عمر بن سعید کے سامنے بروقت کلمہ حق کہہ کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ منہا کے اپنا فرض ادا کر دیا۔ صحیحین کی اس روایت میں یہ مذکور نہیں ہے کہ عمر بن سعید نے جو بات کہی، ابو شریح نے اس کے جواب میں کچھ کہا یا نہیں۔ لیکن منہا محمد کی روایت میں ہے کہ انہوں نے فرمایا:

وَكُنْتُ شَهِيدًا فَعَقَّ كَمَكَةَ دُنِ جَبِّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَكُنْتُ غَائِبًا وَقَدْ عَلِيهِ وَسَلَّمَ نَبِيَّ بَاتِ فَرَمَانِي بَعْضِي مِنْ مَسْمُوتِ

اَمَرَكَ اَنْ تُبَلِّغَ وہاں حاضر اور موجود تھا اور تم وہاں نہیں تھے
 شَهِدَ نَاغًا وَبَعَثَا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہیں
 وَكُنْ يَكْفُتُكَ حکم دیا تھا کہ جو یہاں موجود ہیں وہ میری
 یہ بات اسی لوگوں کو چونچلا دیں جو یہاں حاضر نہیں ہیں — میں نے اس حکم نبوی
 کی تعمیل کر دی اور تم کو یہ بات پہنچا دی۔

الہ شریح حدوی رضی اللہ عنہ کے اس جواب میں یہ بھی مضمر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کے ارشاد کا مقصد و منشا، سمجھنے کے زیادہ مقدار وہ لوگ ہیں جن کے سامنے آپ نے یہ بات
 فرمائی، اور جنہوں نے موقع پر حضور سے یہ بات سنی۔

(۲۰۳) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ مَنَظَرٍ قَالَ رَأَيْتُ
 رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ واقفاً على المنزلة
 فَقَالَ وَاللَّهِ إِنَّكَ لَنَجْدُ أَرْضِ اللَّهِ وَأَحَبُّ أَرْضِ اللَّهِ
 إِلَى اللَّهِ وَلَوْ لَا أَنِّي أَخْرَجْتُ مِنْكَ مَا خَرَجْتُ۔

رواہ الترمذی وابن ماجہ

(ترجمہ) عبد اللہ بن عدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کو دیکھا آپ مکہ میں منورہ (ایک ٹیلے) پر کھڑے تھے اور مکہ سے مخاطب ہو کر
 فرما رہے تھے:۔ خدا کی قسم! تو اللہ کی زمین میں سب سے بہتر جگہ ہے ماوراء اللہ کی سمجھی
 سب سے زیادہ محبوب ہے اور اگر مجھے یہاں سے نکلنے اور ہجرت کرنے پر مجبور نہ کیا گیا
 ہوتا، تو میں ہرگز تجھے چھوڑنے نہ جاتا۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)
 (تشریح) اس حدیث میں اس کی تصریح ہے کہ مکہ معظمہ تمام روئے زمین میں سب سے

فصل اول با عظمت اور اللہ کے نزدیک محبوب ترین جگہ ہے اور ہونا بھی ہی چاہئے، کیونکہ اس میں کچھ ہند ہے جو حق تعالیٰ کی خاص الخاص تعلق گاہ اور قیامت تک کے لئے اہل ایمان کا قبلہ ہے جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی طواف کرتے تھے، اور اسی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ یہی خصوصیت کی حدیث قریب قریب انہی الفاظ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی گئی ہے۔

(۴۴) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَكَّةَ مَا أَلَيْبِكَ مِنْ بَيْتِكَ وَأَحْبَابِكَ إِلَى وَكَوَلَا أَنْ قَوْمِي أَخَوْجُوْنِي مِنْكَ مَا سَكَنْتُ غَيْرَكَ۔۔۔۔۔ رواہ الترمذی

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔ تو کس قدر پاکیزہ اور دل پرندہ شہر ہے، اور تو مجھے کتنا محبوب ہے، اور اگر میری قوم نے مجھے نکالا نہ ہوتا تو میں تجھے چھوڑ کے کسی اور جگہ نہ بستا۔۔۔۔۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) ان دونوں حدیثوں میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ یہ بات آپ نے کس موقع پر فرمائی۔ شارحین نے حضرت عبد اللہ بن عباس والی اس حدیث کی شرح میں ذکر کیا ہے کہ آپ نے یہ بات فتح مکہ کے سفر میں مکہ سے واپس ہونے کے وقت منبر الیٰ تعالیٰ والہ اعلم۔۔۔۔۔

مدنیہ طیبہ کی عظمت اور محبوبیت

اگر مہتممین کا دستور ہے کہ وہ اپنی مولفات میں حج و عمرہ سے متعلق حدیثوں کے ساتھ رہنمائی کے تحت مکہ معظمہ کی عظمت و فضیلت کی حدیثیں، اور انہی کے ساتھ

”بَابُ نَسْلِ الْمَدِينَةِ“ کے تحت مدینہ طیبہ کی عظمت کی حدیثیں بھی درج کرتے ہیں۔ اسی طریقہ کی پیروی کرتے ہوئے یہاں بھی پہلے کچھ مغلطی سے متعلق احادیث درج کی گئی ہیں اور اب مدینہ طیبہ سے متعلق حدیث کی جارہی ہیں۔

(۲۰۵) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُوءَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ سَتَى الْمَدِينَةِ طَابَةَ طَابَةَ

(ترجمہ) حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ:- اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا نام ”طابہ“ رکھا ہے۔ (صحیح مسلم)

(تفسیر) ”طابہ“ طیبہ اور طیبہ ان تینوں کے معنی پاکیزہ اور خوشگوار کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ نام رکھا اور اس کو ایسا ہی کر دیا، اس میں روجوں کے لئے جو خوشگوا ری، جو سکون و اطمینان اور جو پاکیزگی ہے وہ بس اسی کا حصہ ہے۔

(۲۰۶) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ ابْنَاهُمْ حَرَّمَ مَكَّةَ فَعَلَمَهَا حَرَامًا وَلِأَنِّي حَرَّمْتُ الْمَدِينَةَ حَرَامًا مَا بَيْنَ مَا زَمَيْنَهَا أَنْ لَا يُهْرَاقَ فِيهَا دَمٌ وَلَا يُحْمَلَ فِيهَا سِلَاحٌ وَلَا يُجْبَطَ فِيهَا شَعْرَةٌ إِلَّا لِعَلَمٍ

(ترجمہ) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:- حضرت ابنائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے ”حرم“ ہونے کا اعلان کیا تھا اور اس کے خاص آداب و احکام بتلائے تھے، اور میں مدینہ کے ”حرم“ قرار دیئے جانے کا اعلان کرتا ہوں، اس کے دونوں طرف کے قدوں کے درمیان کا پورا رقبہ

اگر وہ اس کی غیر درکت کو جائے (کو کسی تنگی اور پریشانی کی وجہ سے اور کسی لاپہ میں اس کو نہ چھوڑے) جو کوئی اپنی پسند اور خواہش سے اس کو چھوڑ کے جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ اپنے کسی ایسے بندے کو بھیج دے گا جو اس سے بہتر اور افضل ہوگا یعنی کسی کے اس طرح چلے جانے سے مدتیہ میں کوئی ایسی کمی نہیں آئے گی بلکہ وہ جانے والا ہی اس کی برکات سے محروم ہو کر جائے گا) اور جو بندہ مدنیہ کی تکلیفوں، تنگیوں اور مشقتوں پر صبر کر کے وہاں پڑا رہے گا میں قیامت کے دن اس کی سفارش کروں گا یا اس کے حق میں شہادت دوں گا۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) سفارش اس کی کہ اس کے قصور اور اس کی خطائیں معاف کر دی جائیں اور اس کو بخش دیا جائے۔ اور شہادت اس کے ایمان اور اعمال صالحہ کی اور اس بات کی کہ یہ بندہ تنگیوں، تکلیفوں پر صبر کرے ہوئے مدنیہ ہی میں پڑا رہا۔

(۲۰۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَصْبِرُ عَلَى آثَاءِ الْمَسْكِينَةِ وَشِدَّةِهَا أَحَدٌ مِنْ أُمَّتِي إِلَّا كُنْتُ لَهُ شَفِيعًا يَوْمَ الْقِيَمَةِ۔
رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: میرا جو اُمتی مدنیہ کی تکلیفوں اور سختیوں پر صبر کر کے وہاں رہے گا، میں قیامت کے دن اس کی شفاعت و سفارش کروں گا۔

(صحیح مسلم)

(۲۰۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّاسُ إِذَا رَأَوْا أَقْوَالَ الشُّرَّةِ جَاءُوا بِهِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاذْأَخَذَهُ قَالَ أَلَمْ تَرَ بَابَكَ لَتَا فِي مَدْيَنَ مِثْلًا

وَبَارِكْ لَنَا فِي صَاعِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِي مُدِّ نَا اللَّهُمَّ إِنَّا
 إِنَّا هَيْمَ عَبْدُكَ وَخَلِيلُكَ وَكَفِيلُكَ وَلَدُنِّي عَبْدُكَ
 وَنَيْبُكَ وَإِنَّمَا دَعَاكَ لِيَسْكَنَ وَأَنَا أَدْعُوكَ لِلْيَسْكَنِ
 بِمِثْلِ مَا دَعَاكَ لِيَسْكَنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ ثُمَّ قَالَ كُنْ عُمَا
 أَصْنَعُ وَلَيْدُكَ فَيُعْطِيهِ ذَلِكَ الشَّيْءَ.

رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں کا دستور تھا کہ جب وہ درخت پر نیا پھل دیکھتے تو اس کو لاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے، آپ اس کو قبول فرما کر اس طرح دعا فرماتے: — اے اللہ! ہمارے پھلوں میں اور پیداوار میں برکت دے، اور ہمارے شہر مدینہ میں برکت دے اور ہمارے صناع اور ہمارے محمد میں برکت دے۔ اے انبی! ابراہیمؑ تیرے خاص بندے اور تیرے خلیل اور تیرے نبی تھے، اور میں بھی تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں۔ اُنھوں نے کہہ کر لئے تجھ سے دعا کی تھی، اور میں مدینہ کے لئے تجھ سے ویسی ہی دعا کرتا ہوں، اور اس کے ساتھ اتنی ہی زید۔ — پھر آپ کسی چھوٹے بچے کو بلاتے اور وہ نیا پھل اُس کو دے دیتے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) پھلوں اور پیداوار میں برکت کا مطلب تو ظاہر ہے کہ زیادہ سے زیادہ پیداوار ہو، اور فصل بھر پور ہو۔ اور شہر مدینہ میں برکت کا مطلب یہ ہے کہ وہ خوب آباد ہو، اور اس کے رہنے والوں پر اللہ کا فضل ہو۔ — اور صناع اور محمد و آلہ و پیما نے ہیں۔ اُس زمانہ میں غلہ وغیرہ کی خرید و فروخت ان پیماؤں ہی سے ہوتی تھی، ان میں برکت کا مطلب یہ ہے کہ ایک صناع یا ایک قہر جتنے آدمیوں کے لئے یا جتنے دنوں کے لئے کافی ہو تاکہ اُس سے زیادہ کے لئے کافی ہو۔

قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اُس دُعا کا ذکر ہے جو آپ نے اپنے بیوی بچے کو مکہ کی غیر آباد و بے آب و گیاہ وادی میں بسا کر اللہ سے اُن کے لئے کی تھی کہ: —
”اے اللہ! تو اپنے بندوں کے دلوں میں امن کی محبت و مودت ڈال دے، اور ان کو ان کی ضرورت کا رزق اور پھل وغیرہ پہنچا، اور یہاں کے لئے امن اور سلامتی مُعَد فرما!“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بطورِ نظیر اس ابراہیمی دُعا کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ سے مدینہ کے لئے وہی دُعا، بلکہ مزید اضافے کے ساتھ کرتے تھے۔ اس دُعا کا یہ ثمرہ بھی ظاہر ہے کہ دنیا بھر کے جہنمیان والے بندوں کو مکہ سے محبت ہے اُن سب کو مدینہ طیبہ سے بھی محبت ہے، اور اس محبوبیت میں تو اس کا حصہ مکہ سے یقیناً زیادہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دُعا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ کا بندہ، اُس کا نبی اور اس کا خلیل کہا، اور اپنے کو صرف بندہ اور نبی کہا، حبیب ہونے کا ذکر نہیں کیا۔ یہ تو واضح اور کس نفسی آپ کا مستقل مزاج تھا۔

بالکل نیا اور درخت کا پہلا پھل چھوٹے بچے کو بلا کر دینے میں یہ سبق ہے کہ ایسے موقعوں پر چھوٹے مصوم بچوں کو مقدم رکھنا چاہئے۔ اس کے علاوہ نئے پھل اور کسین بچے کی مناسبت بھی ظاہر ہے۔

(۲۱۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُومُوا السَّاعَةَ حَتَّى تَنْفِيَ الْمَدِيْنَةَ شَرَّ أَرْهَاقِهَا كَمَا يَنْفِي الْكَذِبُ حَبْثَ الْحَدِيدِ۔

رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: — قیامت اُس وقت تک نہیں آئے گی جب تک مدینہ اپنے فاسد اور خراب عناصر کو اس طرح باہر نہ پھینک دے گا جس طرح لوہار کی بھٹی لوہے کے

(تشریح) ظاہر ہے کہ یہ بات کہ موت فلاں جگہ آئے کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔ تاہم بندہ اس کی آرزو اور دُعا کر سکتا ہے اور کسی مدد میں اس کی کوشش بھی کر سکتا ہے۔ مثلاً یہ کہ جس جگہ مرنا چاہے وہیں جا کے پڑ جائے، اگر قصداً و قصداً فیصلہ غلات نہیں ہے، تو موت وہیں آئے گی۔ — بہر حال حدیث کا مدعا یہی ہے کہ جو شخص یہ سعادت حاصل کرنا چاہے وہ اس کے لئے اپنے مکان کی حد تک کوشش کرے، اخلاص کے ساتھ کوشش کرنے والوں کی اللہ تعالیٰ بھی مدد کرتا ہے۔

(۲۱۳) عَنْ یَحْیٰی ابْنِ سَعْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ كَانَ جَالِسًا وَقَبْرٌ مُّخْفَدٌ بِالْمَدِیْنَةِ فَاَقْلَحَ رَجُلٌ فِیْ اَنْهَابٍ فَقَالَ یٰشَ مَضَجَعَ الْمُؤْمِنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یٰشَ مَا حُلَّتْ قَالَ الرَّجُلُ رَافِئِ لَمْ اَرْ ذٰلِكَ اِلَّا اَنْتَ مَا اَرَدْتُ الْقَتْلَ فِی سَبِیْلِ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا مِثْلَ الْقَتْلِ فِی سَبِیْلِ اللّٰهِ مَا عَلٰی الْاَرْضِ بِمِثْعَةٍ اَحَبُّ اِلَیَّ اَنْ یَّکُوْنَ قَبْرِیْ فِیْہَا مِنْہَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔
رواہ مالک مرسلًا

(ترجمہ) یحییٰ بن سعید انصاری تابعی سے بطریق ارسال روایت ہے (یعنی وہ صحابی کا واسطہ ذکر کے بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (میں) قبرستان میں (تشریف فرما تھے) اور (کسی میت کی) قبر کھودی جا رہی تھی۔ ایک صاحب نے قبر میں جھانک کر دیکھا اور ان کی زبان سے نکلا کہ مسلمان کے لئے یہ اچھی آراگاہ نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: — یہ تمہاری زبان سے بہت بُری جملت نکلی (ایک مسلمان کو مدینہ میں موت اور قبر نصیب ہوئی)

اور تم کہتے ہو کہ مسلمان کے لئے یہ پیرا مکانہ اچھی نہیں)۔ اُن صاحب نے (بطور مہذبت) عرض کیا :- حضور! میرا مطلب یہ نہیں تھا کہ مدینہ میں موت اور قبر اچھی نہیں، بلکہ میرا مقصد راہِ خدا میں شہادت سے تھا (یعنی میں بہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ یہ مرنے والے بھائی اگر بستر پر مرنے اور اس قبر میں دفن ہونے کے بجائے جہاد کے کسی میدان میں شہید ہوتے اور ان کی لاش وہاں خاک و خون میں تڑپتی تو اس قبر میں دفن ہونے سے یہ زیادہ اچھا ہوتا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- راہِ خدا میں شہید ہونے کے برابر تو تمہیں (یعنی شہادت کا تمام تو بیشک بلد ہے، لیکن مدینہ میں مرنا، اور اس کی خاک میں دفن ہونا بھی بڑی سعادت اور خوش نصیبی ہے) دوئے زمین پر کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں اپنی قبر کا ہونا مجھے مدینہ سے زیادہ محبوب ہو۔۔۔۔۔۔ یہ بات آپ نے تیغِ دفعہ ارشاد فرمائی۔
(مولانا امام مالک)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب بنظرِ یہ ہے کہ شہادت فی سبیل اللہ کی فضیلت و عظمت بیشک مسلم ہے اور بستر پر مرنا اور میدانِ جہاد میں اللہ کے لئے سرکھانا برابر نہیں، لیکن مدینہ میں مرنا اور یہاں دفن ہونا بھی بڑی خوش بختی ہے، جس کی خود مجھے بھی چاہت اور آرزو ہے۔

امام بخاری نے اپنی جامع صحیح بخاری میں کتاب الحج کے بالکل آخر میں مدینہ طیبہ کے فضائل کے سلسلہ کی حدیثیں ذکر کرنے کے بعد اس بیان کا خاتمہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی اس مشہور دعا پر کیا ہے کہ:

”اَللّٰهُمَّ اَرْزُقْنِيْ شَہَادَةً فِیْ سَبِيْلِكَ وَاَجْعَلْ مَوْتِيْ

فِیْ بَلَدِ رَسُوْلِكَ“ (اے اللہ! مجھے اپنی راہ میں شہادت بھی دے اور اپنے محبوب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ملکِ شہر (مدینہ) میں مرنا اور دفن ہونا بھی نصیب فرما!)۔

اس دُعا کا واقعہ ابن سعد نے صحیح سند کے ساتھ یہ روایت کیا ہے کہ عوف بن مالک شہابی رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے ہیں۔ انھوں نے یہ خواب حضرت عمر سے بیان کیا۔ حضرت عمرؓ نے بڑی حسرت سے کہا: —————

أَتَيْتُنِي بِالشَّهَادَةِ وَأَنَا بَيْنَ
خَلْمٍ رَافِيٍّ جَزِيرَةِ الْعَذَبِ
لَسْتُ أَغْزُوَ وَالنَّاسُ
حَوْلِي —————

مجھے شہادت فی سبیل اللہ کیے نصیب
ہو سکتی ہے جبکہ میں جزیرۃ العذاب درمیان
مقیم ہوں (اور وہ سب اراک اسلام بن بکام
اور میں خود تہجد نہیں کرتا، اور اللہ کے

بندے ہر وقت میرے آس پاس رہتے ہیں۔

پھر خود ہی کہا: —————

بَلَىٰ يَا قَتِي بِهَذَا اللَّهُ
أَنْشَاءً

مجھے شہادت کیوں نہیں نصیب ہو سکتی
اگر اللہ چاہے گا تو انہی حالات میں مجھے

(فتح الباری بحوالہ ابن سعد) شہادت سے نوازے گا۔

اس کے بعد آپ نے اللہ تعالیٰ سے وہ دُعا کی جو اوپر درج کی گئی ہے: — اَللّٰهُمَّ اَرْدُقْنِيْ
شَهَادَةً فِيْ سَبِيلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِيْ فِيْ بَلَدٍ رَّسُوْلِكَ — آپ کی
زبان سے یہ دُعا سن کر آپ کی صاحبزادی ہمام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ:۔
”یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ راہِ خدا میں شہید بھی ہوں، اور نوتِ مدینہ میں بھی ہو؟“ آپ نے
فرمایا: ”اللہ چاہے گا تو یہ دونوں باتیں ہو جائیں گی!“

اس سلسلہ کی روایات میں یہ بھی ہے کہ لوگوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس عجیب و غریب
بلکہ بظاہر ناممکن سی دُعا سے تعجب ہوتا تھا اور کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ دونوں باتیں کس طرح
ہو سکتی ہیں۔ جب ابو لؤلؤؓ نے مسجد نبویؐ کی محراب میں آپ کو زخمی کیا، تب سب نے سمجھا کہ دُعا
کی قبولیت اس طرح مقدّر تھی۔

بیشک جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو اس چیز کو واقع کر کے دکھا دیتا ہے جس کے مکان میں بھی انسانی تخلیق شبہ کریں۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

مسجد نبویؐ کی عظمت و فضیلت

مسجد نبویؐ جس کی بنیاد رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں رکھی، پھر جس میں آپؐ نے عمر بھر نمازیں پڑھیں اور جو آپؐ کی ساری دینی سرگرمیوں، تعلیم و تربیت، ہدایت و ارشاد اور دعوت و جہاد کا مرکز بنی رہی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے مقدس بیت خانہ کعبہ اور مسجد حرام کے ماسوا دنیا کے سارے معبودوں پر عظمت و فضیلت بخشی ہے۔ صحیح احادیث میں ہے کہ اس کی ایک نماز اجر و ثواب میں دوسری عام مساجد کی ہزار نمازوں سے بڑھ کر ہے۔

(۲۱۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَوةٌ فِي مَسْجِدِيْ هَذَا خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ صَلَوةٍ فِيْمَا سِوَاهُ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ۔

رواہ البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری اس مسجد میں (یعنی مدینہ طیبہ کی مسجد نبویؐ میں) ایک نماز، دوسری عام مساجد کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے، سوائے مسجد حرام کے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں مسجد نبویؐ کی نماز کو کم از کم مصلیٰ کی مسجد حرام کے علاوہ دوسری عام مساجد کی ہزار نمازوں سے بہتر بتلایا گیا ہے لیکن مسجد حرام کی نماز کے صحیح سے

یہ حدیث ساکت ہے، مگر دوسری مندرجہ ذیل حدیث میں اس کی بھی وضاحت فرمادی ہو گئی ہے۔

(۲۱۵) عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّوْهُ فِي مَسْجِدِي هَذَا أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ صَلَّوْهِ فِيمَا سِوَاهُ مِنَ الْمَسَاجِدِ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ وَصَلَّوْهُ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَفْضَلُ مِنْ مِائَةِ صَلَّوْهِ فِي هَذَا۔

رواہ احمد

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مسجدوں کی ہزار نمازوں سے افضل ہے سوائے مسجد حرام کے، اور مسجد حرام کی ایک نماز میری اس مسجد کی سو نمازوں سے افضل ہے۔ (مسند احمد)

(تشریح) اس حدیث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ دنیا کی عام مسجدوں کے مقابل میں مسجد نبوی میں نماز کا ثواب ہزار گنا بلکہ اُس سے بھی کچھ زیادہ ہے، اور مسجد حرام کی نماز مسجد نبوی کی نماز سے بھی سو درجہ افضل ہے یعنی عام مساجد کے مقابل میں مسجد حرام میں نماز کا ثواب ایک لاکھ گنا بلکہ اُس سے بھی کچھ زیادہ ہے۔

(۲۱۶) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّاهُ فِي مَسْجِدِي أَرْبَعِينَ صَلَّوْهُ لَا تَقُوْهُ صَلَّوْهُ كُنْتُ لَهُ بَرَاءَةً مِنَ النَّارِ وَبَرَاءَةً مِنَ الْعَذَابِ وَبَرَاءَةً مِنَ الْفَقَاقِ۔

رواہ احمد الطبرانی فی الاوسط

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری اس سجدہ میں مسلسل ۴۰ نمازیں پڑھیں ایک نماز بھی فوت نہیں ہوئی اس کے لئے کھدی جائے گی نجات اور رات دوزخ سے اور اگر عذاب سے اسے ایسی طرح برات نفاق سے ————— (مسند احمد بمعجم اوسط الطبرانی)

(تشریح) بعض اعمال اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنی خاص مقبولیت اور محبوبیت کی وجہ سے بڑے بڑے فیصلوں کا باعث بن جاتے ہیں۔ اس حدیث میں سجدہ نبویؐ میں مسلسل ۴۰ نمازیں ادا کرنے پر بشارت سنائی گئی ہے کہ ایسے شخص کے بارے میں فرما لیں الہی ہو جائے گا کہ یہ بندہ نفاق کی نجاست سے بالکل پاک ہے اور دوزخ اور ہر قسم کے عذاب سے اس کو نجات اور بچائی ہے۔

(۲۱۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمِثْبَرِي رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ وَمِثْبَرِي عَلَى حَوْضِي۔

رداء البخاری و سلم

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے، اور میرا منبر میرے حوض کوثر پر ہے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) سجدہ نبویؐ میں جس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبریا رک تھا جس پر رونق افروز ہو کر آپ خطبات دیتے تھے (اور وہ جگہ اب بھی معلوم اور متعین ہے وہاں نے فرمایا کہ منبر کی اس جگہ اور آپ کے حجرہ شریفہ کے درمیان جو قطعہ زمین ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور عنایوں کا خاص موند اور محل ہے اور اس کی رحمت وہ گویا جنت کے باغوں میں سے

ایک باغیچہ ہے اور اس لئے اس کا مستحق ہے کہ اللہ کی رحمت اور جنت کے طالبوں کو اس کے ساتھ جنت کی سی دلچسپی ہو۔ اور کہا جاسکتا ہے کہ اللہ کا جو بندہ ایمان و اخلاص کے ساتھ اللہ کی رحمت اور جنت کا طالب بن کر اس قطعہ زمین میں آیا وہ گویا جنت کے ایک باغیچہ بن گیا۔ اور آخرت میں وہ اپنے کو جنت کے ایک باغیچہ ہی میں پائے گا۔

حدیث کے آخر میں آپ نے فرمایا ہے کہ: ”میرا منبر میرے حوض پر ہے“ اس کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ آخرت میں حوض کوثر پر میرا منبر ہوگا، اور جس طرح اسی دنیا میں اس منبر سے میں اللہ کے بندوں کو اس کی ہدایت پہنچاتا ہوں اور پیغام سناتا ہوں اسی طرح آخرت میں اُس منبر سے جو حوض کوثر پر میرا نصب ہوگا اس خداوندی ہدایت کے قبول کرنے والوں کو رحمت کے جام پلاؤں گا۔ پس جو کوئی قیامت کے دن کے لئے آپ کوثر کا طالب ہو وہ آگے بڑھ کر اس منبر پر سے دیئے جانے والے پیغام ہدایت کو قبول کرے اور اس دین میں اس کو اپنی روحانی غذا بنائے۔

(۲۱۸) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ مَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى وَمَسْجِدِي هَذَا۔

رواہ البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ دنیا میں صرف تین مسجدیں ہیں، ان کے سوا کسی مسجد کے لئے رحمت سفر نہ باندھا جائے۔ مسجد حرام، مسجد اقصیٰ (دیت المقدس) اور میری مسجد (مسجد نبویؐ)۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ پخت و شرف صرف ان تین مسجدوں کو حاصل ہے کہ ان میں اللہ کی عبادت کرنے کے لئے سفر کرنا درست ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا کا

باعث ہے۔ ان کے علاوہ کسی مسجد کو یہ درجہ اور شرف حاصل نہیں ہے، بلکہ اُن کے لئے سفر کرنے کی ممانعت ہے۔

ظاہر ہے کہ اس حدیث کا تعلق صرف مساجد سے ہے، اور بلاشبہ اس حدیث کی رو سے مسجد حرام اور مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کے سوا دنیا کی کسی بھی مسجد میں عبادت کے لئے سفر کرنا ممنوع ہے، لیکن دوسرے جائز دیوبی و دینی مقاصد مثلاً تجارت، تحصیل دین، صحبت صلحاء اور تبلیغ و دعوت وغیرہ کے لئے سفر کرنے سے اس حدیث کا کوئی تعلق نہیں۔

زیارت روضہ مطہرہ

اگرچہ روضہ اقدس نبوی کی زیارت حج کا کوئی رکن یا جز نہیں ہے، لیکن قدیم سے امت کا یہ تعامل چلا آرہا ہے کہ خاص کر دور دراز علاقوں کے مسلمان جب حج کو جاتے ہیں تو روضہ پاک کی زیارت اور وہاں صلوٰۃ و سلام کی سعادت بھی ضرور حاصل کرتے ہیں۔ اسی لئے حدیث کے بہت سے مجموعوں میں کتاب الحج کے آخر میں زیارت نبوی کی حدیثیں بھی درج کی گئی ہیں، اسی دستور کی پیروی کرتے ہوئے کتاب الحج کے اس سلسلہ کو ہم بھی زیارت نبوی ہی کی حدیثوں پر ختم کرتے ہیں۔

(۲۱۹) عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِي بَعْدَ مَوْتِي كَانَ كَمَنْ زَارَنِي

فِي حَيَاتِي۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان الطبرانی فی الکبیر الاوسط

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے حج کیا اور اُس کے بعد میری قبر کی زیارت کی میری وفات

کے بعد نوہ (زیارت کی سعادت حاصل کرنے میں) انہی لوگوں کی طرح ہے جنہوں نے

میری حیات میں میری زیارت کی۔ (شعب الایمان للبیہقی، معجم کبیر و معجم اوسط للطبرانی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی قبر مبارک میں بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کا اپنی منور قبور میں زندہ ہونا جمہور امت کے مسلمات میں سے ہے، اگر چہ حیات کی نوعیت میں اختلاف ہے۔ اور روایات اور حواص امت کے قبر بات سے یہ بھی ثابت ہے کہ جو اتنی قبر مبارک پر حاضر ہو کر سلام عرض کرتے ہیں آپ اُن کا سلام سُنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں، اسی صورت میں بعد وفات آپ کی قبر مبارک پر حاضر ہونا اور سلام عرض کرنا ایک طرح سے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے اور بالشفاعہ سلام کا شرف حاصل کرنے ہی کی ایک صورت ہے، اور بلاشبہ ایسی سعادت ہے کہ اہل ایمان ہر قیمت پر اس کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

(۲۲۰) عَنْ إِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَادَى قَبْرِي وَحَمَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي۔

رواہ ابن خزمیہ فی معجم مالدار قطنی ولبیقی

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری قبر کی زیارت کی اُس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔ (صحیح ابن خزمیہ سنن ارقطی، شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) اس سلسلہ "معارف الحدیث" کی جلد اول میں وہ حدیثیں جمع ہو چکی ہیں جن میں فرمایا گیا ہے کہ جب تک ایک اسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اللہ تعالیٰ کے سوا دنیا کی ہر چیز سے (حتیٰ کہ اپنے ماں باپ، اہل و عیال اور خود اپنی ذات سے بھی) زیادہ نہ ہو اس وقت تک اس کو ایمان کی حقیقت و لذت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور رؤفہ اقدس نبوی کی زیارت بلاشبہ اس محبت کے لازمی تقاضوں میں سے ہے، اور گویا اس کی ایک علی صورت ہے۔ عربی شاعر نے کہا ہے۔

امتز علی الدیار حبار لیلی : اقبل ذالحد اورد الحد ادا

وملح الدمار شعفن قلبی : ولكن حب من سكن الدیار

(ماخوذ ۱۹۷۰ء)

علاوہ ازیں زیارت کے وقت زائر کے قلب مومن کی جو کیفیت ہوتی ہے اور جو ان نبوی کی برکت سے ایملی عہد کی تجدید گناہوں پر ندامت و شرمساری، انابت الی اللہ اور توبہ مستغفار کی جواہر اس وقت اس کے قلب میں اٹھتی ہیں اور محبت نبوی کے جو جذبات موجزن ہوتے ہیں اور محبت و ندامت کے ملے جلے جذبات آنکھوں سے جو آنسو گراتے ہیں، ان میں سے ہر چیز ایسی ہے جو شفاعت نبوی بلکہ مغفرت خداوندی کو بھی واجب کر دیتی ہے، اس لئے اس میں کسی شک شبہ کی گنجائش نہیں کہ روضہ اقدس نبوی کے ہر صاحب ایمان زائر کو انشاء اللہ ضرور شفاعت نبوی نصیب ہوگی۔ — ہاں اگر نصیبی سے کوئی ”زائر“ ایسا ہے جس کے قلب کو ان کیفیات و جذبات اور ان واردات میں سے کچھ بھی نصیب نہیں ہوتا تو سمجھنا چاہئے کہ اس کا قلب دولت ایمان سے خالی ہے پھر اس کی زیارت تحقیقی نیابت نہیں صرف صورت زیارت ہے اور اللہ اور اس کے رسول کے ہاں کسی عمل کی بھی صرف صورت معتبر نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کے جن منافع اور برکات مصالح کا اوپر ذکر کیا گیا اگر ان کو پیش نظر رکھ کے ان احادیث پر غور کیا جائے جو اس زیارت کی ترغیب میں مروی ہیں تو خواہ سند کے لحاظ سے ان پر کلام کیا جاسکے لیکن معنوی لحاظ سے وہ دین کے پورے

(۲۹۵ کا حاشیہ) لے میں جب اپنی محبوبہ علی کی رستی سے گزرتا ہوں تو کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں کبھی اس دیوار کو، اور اصل اس رستی کے گھروں کی محبت نے میرے دل کو اپنا دیوانہ نہیں بنایا ہے بلکہ میں تو اس معنی میں بسنے والے محبوب پر خدا ہوں۔

لے شیخ تقی الدین سبکی شافعیؒ نے اپنے رسالہ ”شعاع السقام“ میں (جو انھوں کے اپنے خیال کے مطابق حافظ ابن تیمیہ کے رد میں لکھا ہے) زیارت روضہ مطہرہ کی تفصیل و ترغیب میں متعدد حدیثیں نقل کی ہیں جن میں سے پہلی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی یہ حدیث ہے ”من زار فمیری وجبت لہ شفاعتی“۔ پھر شیخ سبکیؒ نے اس کی سند اور اس کے متعدد طرق پر بیسٹ کلام کر کے ثابت کیا ہے کہ یہ حدیث کم از کم حسن درجہ کی (بقیہ صفحہ ۲۹۶ پر)

فکری اور عملی نظام کے ساتھ بالکل مربوط اور ہم آہنگ نظر آئیں گی اور ذہین سلیم اس پر مطمئن ہو جائے گا کہ قبر مبارک کی یہ زیارت صاحبِ قبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے ساتھ ایمانی تعلق اور محبت و توقیر میں اضافہ اور دینی ترقی کا خاص وسیلہ ہے، یقین ہے کہ ہر خوش نصیب صاحبِ ایمان بندہ جسے اللہ تعالیٰ نے زیارت کی سعادت سے بہرہ ور فرمایا ہے اس کی شہادت دے سکے گا۔

زیارتِ روضۃ اقدس کے آداب یہ عاجز پوری تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب —————
 ”آپ حج کیسے کریں؟“ ————— میں لکھ چکا ہے۔ ناظرین سے گزارش ہے کہ وہ اس کو ضرور ملاحظہ فرمائیں انشاء اللہ بڑی روحانی لذتیں پائیں گے۔

”معارف الحدیث“ (جلد چہارم) زیارتِ نبویؐ کے اس مختصر بیان پر ختم ہوئی۔

فَللّٰهُ الْحَمْدُ وَعَلَىٰ رُحْمٰوْلِهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ

—————

(۲۹۵) کا بقیہ حاشیہ) ضرور ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ کے ایک شاگرد حافظ ابو عبد اللہ عبد الحمادی منبلی نے ”شفا السقام“ کے جواب ”الصلح الملکی“ میں شفاء السقام کی سندِ رقبہ تمام احادیث پر محدثانہ کلام کر کے دکھایا ہے کہ یہ سب حدیثیں ضعیف یا منکر ہیں۔ لیکن اس کے باوجود انھوں نے تسلیم کیا ہے کہ قبرِ نبویؐ کی زیارت از قبیلہ قربات و منجات اور وجہِ کاسبیہ اور دکھا ہے کہ ہمارے شیخ امام ابن تیمیہؒ کا مسلک بھی یہی ہے، اور جو لوگ ان کی طرف اس کے خلاف منسوب کرتے ہیں وہ شیخؒ پرانہ کرتے ہیں۔ بلکہ انھوں نے ابن تیمیہؒ کے مناسک کے حوالہ سے زیارتِ نبویؐ کے پورے آداب و محبت و توقیر سے بھرپور ادراک و ایمان افروز ایک سلام بھی نقل کیا ہے جو حافظ ابن تیمیہؒ نے زائین ہی کے لئے لکھا ہے —————
 حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی سندِ رجبہ بالا حدیث کی سندِ حیثیت کے متعلق معتدل رائے حافظ ذہبیؒ کی مصلوم ہوتی ہے۔ علامہ علی قاریؒ نے شرح شفا میں اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے: —————

وله طرق وشواهد حسنه الذی ہی لاجلہا اس حدیث کے بہت سے طرق اور شواہد ہیں جن کی وجہ سے اس کو ذہبی نے حسن قرار دیا ہے۔
 (شرح شفا علامہ علی قاریؒ ص ۱۳۱ - جلد ۲)